طلوعِ اسلام

دوسرا حصّہ

رشید اختر ندوی

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور

اس کتاب کی ترتیب و تالیف کے وقت حسب ذیل کتابیں میرے پیش نظر رہیں :-

ابن خلدون - فتوح البلدان بلاذری - ازالۃ الخفاانہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی - طبری - کامل ابن اثیر - صحیح بخاری - مسند امام شافعی - کتاب الخراج از امام ابو یوسفؒ - ریاض النضرہ روضۃ الاحباب - دی کیلیفیٹ از سر ولیم میوئر

(رشید اختر ندوی)

سیدنا عمر فاروقؓ کے نام جن کا دورِ حکومت مسلمانوں
کے لئے آیۂ رحمت تھا۔

مضامین

حضرت عمر فاروق رض

حضرت عثمان رض

حضرت علی رض

حضرت عمر فاروقؓ کا دور

مسلمان ہوا ہوں ۔ اور اقرار کرتا ہوں ۔ اللہ ایک ہے ۔ اور محمدؐ اس کے سچے رسول ہیں ۔

یہ منادی کیا ہوئی ۔ ایک شور مچ گیا قریش کے لوگ ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر آئے اور عمرؓ کو لعن طعن کرنے لگے ۔ عمرؓ اپنے وقت کے بہادر ترین آدمی سمجھے جاتے تھے ۔ اس لئے جن لوگوں نے عمرؓ سے الجھنے کی کوشش کی عمرؓ نے ان کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ یہاں تک کہ لوگ مقابلہ کرتے کرتے تھک گئے ۔ عمرؓ اور کفار میں کتنی دیر تک لڑائی ہوتی رہی ۔ شام کے قریب عاص بن وائل ، کہیں سے ادھر آئے جہاں یہ لڑائی ہو رہی تھی ۔ انہوں نے قریش کو روکا ۔ عمرؓ کو نہ مارو ۔ اس سے نہ جھگڑو ۔ ورنہ عمرؓ کے قبیلے کے لوگ تم پر چڑھ آئیں گے ۔ اور بات طول پکڑ جائے گی ۔ قریش کے دماغ میں یہ بات آ گئی ۔ اور انہوں نے عمرؓ کا پیچھا چھوڑ دیا ۔ (ازالۃ الخفاء)

عمرؓ کے اسلام سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا ۔ کمزور مسلمانوں کی جرأتیں بہت بڑھ گئیں ۔ اور وہ اپنے عقائد کا علی الاعلان اظہار کرنے لگے پہلے مسلمانوں کو کعبہ کے قریب نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی ۔ عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمان کعبہ میں نماز پڑھنے لگے ۔

امام بخاری کا بیان ہے ۔ کہ جب مکہ میں مسلمانوں پر کفار کی سختیاں بہت بڑھ گئیں ۔ اور حضورؐ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا ۔ تو پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو بیس صحابہ کے ساتھ مدینہ روانہ کیا ۔ تاکہ مدینہ کے لوگ رسول اللہؐ کی ہجرت کی اہمیت کو سمجھ جائیں ۔ (بخاری)

(حضرت عمرؓ کے ایمان کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے ۔ کہ بدر میں انہوں نے اپنے سگے ماموں کو محض اس لئے قتل کر دیا کہ وہ حضورؐ پر حملہ آور

ہوا تھا۔ (الاستیعاب)

(فاروقؓ کو رسول اللہؐ سے سچی محبت تھی۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں نہ خود کبھی گستاخی کرتے اور نہ کسی کو کرنے دیتے۔ بدر کے موقعہ پر حضورؐ نے ہدایت کی تھی۔ کوئی بنو ہاشم کے کسی آدمی کو قتل نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ لوگ جبراً لڑائی میں شامل ہوئے تھے۔ ابو حذیفہؓ نے یہ اعلان سنا۔ تو جوش مردانگی میں بولے۔

یہ نہیں ہوگا۔ جب ہم اسلام کی خاطر اپنے رشتہ داروں کے گلوں پر تلواریں چلائیں گے۔ تو رسول اللہ کے رشتہ دار بھی مارے جائینگے۔

کسی نے حضورؐ سے یہ بات جا کہی۔ حضورؐ نے عمرؓ کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا۔
"اے حفص کے باپ کیا میرے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائیگی۔
فاروقؓ گھبرا کر اُٹھے اور عرض کیا۔"
"سرکارؐ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ ابو حذیفہؓ نے گستاخی کی ہے۔ حکم ہو تو اس کی گردن اُتار دوں"۔

ابو حذیفہؓ بدنیت نہ تھے۔ صرف جوش مردانگی میں یہ بات کہہ گئے تھے۔ اُنہوں نے فوراً حاضر خدمت ہو کر معذرت کی۔ اگر معذرت نہ کرتے تو عمرؓ کے غصہ سے بچ نہ سکتے۔

(حضرت فاروقؓ کی آواز نسبتاً بلند تھی۔ اس خوف سے وہ حضورؐ کے سامنے اونچی باتیں نہ کرتے کہ کہیں ان کی آواز رسول اللہؐ کی آواز سے بڑھ نہ جائے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی اونٹنی اثنائے سفر میں حضورؐ کی اونٹنی سے آگے نکل گئی۔ فاروقؓ اپنے بیٹے کی یہ گستاخی برداشت نہ کر سکے۔ بجلی کی طرح اپنی اونٹنی آگے بڑھائی۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کو آواز دی۔
"بڑے گستاخ ہو آقا پیچھے آرہے ہیں۔ اور خود آگے آگے جا رہے

ہٹو پیچھے ہٹ آؤ۔")

ایمان لانے کے بعد ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہے، ساری لڑائیوں میں حصہ لیا۔ اور اس جرأت اور بہادری سے لڑے کہ دشمن کے ہوش اڑ گئے۔

حضورؐ ہر بات میں ان سے اور صدیقؓ سے مشورہ لیتے۔ دو بار ان کے مشورہ کے مطابق وحی الہٰی نازل ہوئی۔

حضورؐ جہاں کہیں جاتے جو بات کرتے، حکم ہوتا۔ صدیق اور عمر کدھر ہیں صدیق اپنا وقت گزار گئے۔ تو فاروقؓ کی باری آئی۔

پہلا باب

چالج لیا

(جمادی الثانی ۱۳ھ کی تیئسویں تاریخ تھی۔ جب حضرت صدیقؓ کے منشاء کے مطابق حضرت فاروقؓ نے اسلامی ریاست کے رئیس کی جگہ لی۔

جہاں کہیں بھی کسی ریاست کے پرانے رئیس کی جگہ نئے رئیس نے لی۔ اس کی نگاہ سب سے پہلے ریاست کے خزانہ پر پڑی۔ فاروقؓ کی نگاہ بھی اس خزانہ (بیت المال) پر پڑنی ناگزیر تھی۔ مگر محمدؐ رسول اللہ کے بعد سب سے بڑے انسان صدیقؓ اپنے پیچھے خزانہ میں سونے کا صرف ایک معمولی سکہ چھوڑ گئے تھے۔ اور یہ سکہ بھی انہیں وقت پر نظر نہ آیا۔ تھیلی کی کسی گرہ میں الجھا رہا۔ ورنہ یہ سکہ بھی، وہ عوام میں سے کسی کی جھولی میں ڈال جاتے۔

فاروقؓ نے خزانہ کا یہ حال دیکھا تو صدیقؓ کے حق میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ "الہٰی اپنے اس بندے کو سکھی رکھیو" جسے تیرے بندوں کا اتنا خیال تھا۔" فاروقؓ خزانہ کی حالت دیکھ کر گھبرائے نہیں۔ وہ گھبراتے

ڈالے نہ تھے، وہ تو ان مشکل کشاؤں میں سے ایک تھے جنہوں نے کڑی سے کڑی مشکل کا حل چٹکیوں میں تلاش کیا تھا۔

حکومت اور ریاست کے سارے کاموں کا انحصار روپے پر ہوتا ہے۔ یقیناً اسلامی ریاست کا انحصار بھی اسی پر تھا۔ مگر فاروقؓ جیسے مدبر کے کاموں پر خزانہ کے خالی ہونے سے کوئی اثر نہ پڑا۔ اور ریاست کا ہر کام پوری مستعدی اور ہنر مندی کے ساتھ چلنے لگا۔)

عراق کی تسخیر

حضرت فاروقؓ کے سامنے کئی بڑے بڑے کام تھے جن کا آغاز ان کے پیشرو فرما چکے تھے۔ سب سے بڑا کام عراق کی فوج کے لئے کمک بھیجنا تھا حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ ابھی پچھلے دن اس کام کی اہمیت جتلانے کے لئے خود دربار خلافت میں حاضر ہوئے تھے۔ صدیقؓ اس وقت بستر مرگ پر تھے مرنے سے پہلے وہ یہ کام فاروقؓ کے سپرد کر گئے۔ اور فاروقؓ نے سب سے پہلے اسے انجام دینا ضروری سمجھا۔

ہم پہلے حصہ کے آخری ابواب میں اس مہم کا ذکر کر چکے ہیں۔ جو عراق میں شروع ہوئی مسلمان فوج حضرت خالدؓ کی قیادت میں عراق کے نصف کے قریب علاقہ کو فتح کر چکی تھی۔ حیرہ اسلامی فوج کا ہیڈکوارٹر تھا۔ آس پاس کی ساری آبادیاں ان کے زیر نگین تھیں۔ حضرت صدیقؓ نے جب خالدؓ کو شام کا بڑا سپہ سالار بنا دیا۔ تو عراق والی فوج، حضرت مثنیٰؓ کی قیادت میں دے دی گئی۔ حضرت مثنیٰؓ کے ساتھ صرف سات ہزار سپاہی تھے۔

اتنی کم فوج عراق کے اتنے بڑے مفتوحہ علاقہ پر امن کی حالت میں تو اچھی طرح قابو پا سکتی تھی۔ مگر جنگ کے عالم میں اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ گو یہ صحیح ہے کہ ابھی چند دن پہلے مثنیٰ نے بابل کے مقام پر ایرانیوں کو عبرت ناک شکست دی تھی۔ مگر یہ شکست ایک بڑے فتنہ کی محرک بن گئی تھی۔ ایران کے گوشہ گوشہ میں وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اور بادشاہ کے حکم سے سب بڑے بڑے ایلاقی جاگیردار اور نواب رضاکاروں کے دستے بھرتی کرنے لگے تھے۔

حضرت مثنیٰؓ یہ حال دیکھ کر بابل سے حیرہ لوٹ آئے تھے۔ ان کا خیال تھا، سات آٹھ ہزار مسلمان سپاہی اتنی بڑی فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ چونکہ فتنہ بہت جلد سر اٹھا رہا تھا۔ اس لئے مثنیٰؓ خود دربار خلافت میں آئے تھے۔

فاروقؓ نے مثنیٰؓ کی زبانی عراق کی ساری روئداد سننے کے بعد، مدینہ کے مسلمانوں کو جہاد میں حصہ لینے پر آمادہ کیا۔ وہ برابر تین دن اسی موضوع پر بولتے رہے۔ تیسرے دن ایک ہزار آدمیوں نے عراق جانے والے سپاہیوں میں اپنا نام لکھایا۔

ابوبکر صدیقؓ کی وفات کا غم ابھی تازہ تھا، صدیقؓ سے محبت کرنے والے انتہائی سوگوار اور پریشان تھے۔ اس لئے حضرت عمر فاروقؓ کو تین دن وعظ کرنا پڑا۔ اور اس سے صرف ایک ہزار آدمی عراق جانے پر آمادہ ہوئے۔ مورخین[1] کا بیان ہے۔ کہ اس نئی فوج میں سب سے پہلے جس شخص نے نام لکھوایا۔ وہ ابو عبید ثقفی تھے۔ حضرت فاروقؓ کو ان کی یہ سبقت بہت بھلی معلوم ہوئی اس لئے جب فوج تیار ہو گئی تو فاروقؓ نے انہیں عراق کی فوج کا سپہ سالار

سلہ ابن خلدون۔ طبری۔ کامل ابن اثیر

بنا دیا۔ اور حکم دیا ہوئے ہوئے عراق کی طرف بڑھیں۔ اور رستہ میں سے مسلمانوں کی فوج میں بھرتی کرتے جائیں۔ مثنیٰ کو ہدایت ہوئی تم پہلے جاؤ۔ اور اپنی فوج کو مرتب کرنے اور مقامی حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس وقت تک کوئی حملہ نہ کرو جب تک ابو عبید ثقفی تم سے آن کر نہ مل جائیں۔

مدینہ سے یہ نئی فوج جب عراق کو بڑھ رہی تھی۔ تو ادھر ایران کے پایہ تخت میں بڑا اہم واقعہ پیش آیا۔ خراسان کے مشہور نبرد آزما رستم نے نئی وزارت بنائی۔ اور اپنی منظور نظر شہزادی بوران بیگم کے سر پر شاہی تاج رکھا۔ نئی ملکہ عیاشی پسند اور کمزور طبیعت کی تھی۔ ریاست کا ہر کام رستم کی مرضی سے انجام پاتا اور بوران تو محض سر پر تاج شاہی رکھ کر رستم کے دل کو بہلاتی تھی۔

رستم نے وزارت کا کام سنبھالنے کے فوراً بعد تین بڑی فوجیں ترتیب دیں اور اُن کے سپہ سالاروں۔ جابان اور نرسی کو حکم دیا کہ مسلمانوں پر پل پڑیں۔

ایرانی فوجیں جب اپنے ہیڈ کوارٹروں سے آگے بڑھیں تو حضرت مثنیٰ حیرہ پہنچ چکے تھے۔ ان نئی فوجوں کی آمد کی خبر انہیں بھی مل گئی۔ حیرہ نسبتاً کم محفوظ مقام تھا۔ ان کے ساتھیوں کی تعداد کم تھی۔ اس لئے وہ حیرہ سے نکل کر خفان آن رُکے۔ یہ جگہ عراق سے مدینہ آنے والی سڑک پر تھی۔

مثنیٰ کئی دن تک یہاں ٹھہرے رہے۔ ابو عبید ثقفی کے کارواں کا پہلا دستہ انہیں یہیں آن کر ملا۔ ابو عبید کے آنے پر عراقی فوج کی کمان مثنیٰ سے ابو عبید کو منتقل ہو گئی۔ اور مثنیٰ ساری فوج کی بجائے۔ صرف سوار فوج کے سردار رہ گئے۔

ابو عبید مثنیٰ کو خفان میں ٹھہرا کر خود نمارق کی طرف بڑھے۔ نمارق میں ایک بڑی ایرانی فوج جابان کی قیادت میں ابھی ابھی آن کر رُکی تھی۔

دونوں فوجیں جیسے جیسے ایک دوسرے کے قریب آتی گئیں۔ ہر طرف ایک شور برپا ہوتا گیا۔ اور یہ شور دفعتاً قیامت بن گیا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئیں۔ فوجیں تازہ دم تھیں خوب لڑیں۔ ایرانیوں کی تعداد گو بہت زیادہ تھی۔ مگر وہ دل کے کمزور تھے۔ بہت جلد ہمت ہار گئے اور بھاگنے لگے۔

ایرانیوں کا سپہ سالار جابان۔ ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھ میں قید ہوا۔ یہ مسلمان سپاہی جانتا نہ تھا۔ کہ اس کے ہاتھ میں آنے والا قیدی ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے۔ اس لئے جابان نے چالاکی کی۔ مسلمان سپاہی سے کہا۔ تم مجھے پکڑ کر غلام ہی بناؤ گے نا۔ اور میں صرف ایک آدمی ہوں گا اور اگر میں اپنی جگہ تمہیں دو غلام دوں۔ جو خوبصورت بھی ہوں۔ اور اچھے بھی تو پھر مجھے چھوڑ دو گے نا!

مسلمان سپاہی نے جواب دیا۔ یقیناً چھوڑ دوں گا۔

دونوں میں بات پکی ہو گئی۔ اور مسلمان سپاہی نے جابان کے بدلہ میں اچھے غلام لے کر اُسے چھوڑ دیا۔ جابان بھاگا جا رہا تھا۔ کہ ایک دوسرے مسلمان سپاہی کے ہاتھ لگا۔ اور پکڑا ہوا ابو عبید کے پاس لایا گیا۔ جابان نے کہا مجھے ایک مسلمان سپاہی پہلے امان دے چکا ہے۔ ابو عبید نے اس مسلمان سپاہی کو طلب کیا۔ حقیقت حال معلوم ہوئی۔ تو جابان کو چھوڑ دیا کہنے لگے۔

"مسلمان جب ایک بار کسی کو امان دے دیتا ہے تو پھر دغا نہیں کرتا"

ابو عبید نے نہ صرف جابان کو چھوڑ دیا۔ بلکہ اپنی حفاظت میں کافی دور تک آگے بھیج دیا تاکہ پھر پکڑا نہ آئے۔

اس ایرانی فوج کو شکست دینے کے بعد ابو عبید نے فرات کو عبور کر لیا۔ اور کسکر کی طرف بڑھے۔

دوسری ایرانی فوج اس کی قیادت میں کسکر پر ڈیرے ڈالی تھی جابان اور اس کے بہت سے مفرور ساتھی بھی وہاں جا پہنچے تھے۔

ابو عبید بھی کسکر پہنچ گئے۔ اور دوسری بڑی لڑائی سقاطیہ کے میدان میں لڑی گئی۔

نرسی کے ساتھ پچاس ہزار آدمی تھے اور ابو عبید کے ساتھی دس ہزار سے زائد نہ تھے۔ مگر پھر بھی مسلمانوں نے اس بہادری کے ساتھ لڑائی کی کہ دشمن دنگ رہ گیا۔

دونوں فوجوں کا پانسہ برابر تھا۔ اچانک مثنیٰ اپنے سوار دستے کو لے کر نامعلوم طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ اور سات میل کا چکر کاٹنے کے بعد پیچھے سے ہو کر انتہائی جرأت سے کام لے کر ایرانی فوج کے عقب پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا سخت تھا کہ نرسی کو اپنی فوج کے قوی دستے ادھر بھیجنے پڑے۔ ابو عبید رضؓ اور ان کے نائب سعد بن عبیدؓ کو موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنے دستوں کو آگے بڑھایا۔ اور ایرانی صفیں الٹتے ہوئے نرسی کے کیمپ کے قریب آن پہنچے۔ نرسی نے جان بچانے کے لئے راہِ فرار اختیار کی۔ نرسی کو بھاگتے دیکھ کر دوسرے ایرانی سردار بھی بھاگے۔ اور دیکھتے دیکھتے ساری ایرانی فوج بھاگ نکلی۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ بڑھ کر ان بھگوڑوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ ایرانی فوج کا سارا ساز و سامان ہتھیاروں کے ذخیرے سونا، چاندی، خیمے، گھوڑے اور کپڑے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

اس فتح سے دجلہ و فرات کا سارا درمیانی علاقہ، مسلمانوں کی قلمرو

میں شامل ہو گیا۔ اور وہ لوگ جو پہلے ایرانی حکومت کی شہ پاکر اطاعت سے منہ پھیر گئے تھے۔ دوبارہ مطیع ہو گئے۔ دجلہ اور فرات کے مابین واقع ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ بہت زرخیز اور شاداب تھا۔ ابو عبید کے ساتھ جو نئی فوج آئی تھی۔ اسے اس علاقہ کی سرسبزی اور شادابی خوب بھائی۔ اور وہ ابو عبیدؓ سے اجازت لے کر اس علاقہ میں گھومنے پھرنے لگی۔ اس سے دو فائدے ہوئے ایک۔ تو مسلمان فوج اس علاقہ کی اونچ نیچ سے واقف ہو گئی۔ اور دوسرے اس علاقہ کے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے ایک بڑا اچھا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اس لئے کہ یہ مسلمان سپاہی ایرانی سپاہیوں سے بہت مختلف تھے۔ انہوں نے نہ کوئی بستی لوٹی۔ نہ کھیت جلائے۔ اور نہ کسی پر ظلم کیا۔ ہر ایک کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے۔ کسی سے اگر کچھ لیتے تو اس کا مناسب عوض دیتے۔

اس دوران میں ابو عبید کو معلوم ہوا کہ رستم نے نرسی کی مدد کے لئے جس جالینوس کو بھیجا تھا۔ وہ باقسیا پہنچ چکا ہے۔ ابو عبید باقسیا آئے اور جالینوس پر اس زور کا حملہ کیا۔ کہ وہ تاب نہ لا سکا۔ اور بھاگ نکلا۔ یہ عجیب بات تھی۔ کہ اس دور کے ایرانی۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ڈھول پیٹتے اور آتشبازی چھوڑتے ہوئے آگے بڑھتے۔ مگر جیسے ہی مسلمانوں سے سامنا کرتے۔ مداری کی طرح دو چار ہاتھ دکھانے کے بعد ڈگڈگی بغل میں داب کر پیچھے کو بھاگ اٹھتے۔

جب کسی قوم میں اس قسم کا انحطاط اور بزدلی پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ ہر بلندی سے محروم کر دی جاتی ہے اور پستیاں اسے ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں۔

دوسرا باب

قس ناطف کی لڑائی

ابوعبیدؓ نے بہت تھوڑی دیر میں تین بڑی ایرانی فوجوں کو عبرتناک شکستیں دیں بھگوڑے ایرانی مدائن پہنچے۔ تو ہر طرف صف ماتم بچھ گئی مدائن کا کوئی بڑا خاندان ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد ان پچھلی لڑائیوں میں کام نہ آیا ہو۔ کئی بڑے بڑے سردار اور شاہی خاندان کے کئی افراد بھی مارے گئے تھے۔ ایرانی دربار میں ایک کہرام مچا تھا۔ اور رستم کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی تھی۔ کہ کہیں یہ اضطراب کوئی خوفناک صورت اختیار نہ کرے۔ اس نے اس اضطراب کو دور کرنے کے لئے اس وقت کے ایران کے سب سے بڑے جرنیل بہمن کو طلب کیا۔ اور اسے ایک جرار فوج اور تین سو جنگی ہاتھی دے کر ابوعبیدؓ کے مقابلہ کو بھیجا۔ بہمن کو ایرانی بادشاہوں کا سب سے مقدس جھنڈا بھی عطا ہوا۔ یہ جھنڈا صرف بادشاہ اپنے ہاتھ میں رکھتے۔ بہمن یہ جھنڈا ہاتھ میں لے کر مدائن سے بڑی شان و شوکت کے ساتھ نکلا۔ اس سے آگے آگے شاہی نقیب ہر بستی اور ہر قریہ میں یہ منادی کرتے

جارہے تھے کہ ہر وہ شخص جو فوج میں بھرتی ہوگا اسے جاگیر بھی ملے گی اور انعام بھی۔ انعام اور جاگیر کے لالچ میں بہت سے ایرانی بہمن کی فوج میں شامل ہوگئے۔ بہمن جب قس ناطف کے قریب پہنچا۔ تو اس کی فوج میں چالیس ہزار سپاہی تھے۔

قس ناطف دریائے فرات کے داہنے کنارے پر آباد تھا بہمن نے یہیں ڈیرے ڈال لئے۔ اور ابو عبیدؓ بھی کسکر سے چل کر یہاں آن پہنچے۔

ابو عبید فرات کے دوسرے کنارے پر اترتے تھے۔ اور ان میں اور بہمن کی فوج میں فرات حائل تھا۔ دونوں فوجیں کئی دن تک ایک دوسری سے چھیڑ چھاڑ کئے بغیر پڑی رہیں۔

یہ صورتِ حال کسی فوج کے نزدیک بھی پسندیدہ نہ تھی اس لئے ابو عبید اور بہمن نے ایک دوسرے سے مشورہ کر کے فرات میں کشتیوں کا ایک پل تیار کر دیا۔ پل تیار ہوگیا تو بہمن نے ابو عبید سے پچھوایا۔ تم دریا کو عبور کر کے آتے ہو یا ہم آئیں تم آؤ گے تو جب تک تمہاری فوج دریا عبور نہ کرلے گی۔ اس وقت تک ہماری طرف سے حملہ نہ ہوگا۔

ابو عبید نوجوان آدمی تھے۔ ان کی رگوں میں تازہ خون دوڑ رہا تھا۔ پھر ابھی تھوڑی مدت میں انہوں نے یکے بعد دیگرے تین بڑی ایرانی فوجوں کو شکست دی تھی۔ اس لئے جوش میں آگئے۔ اور بہمن کو لکھ بھیجا۔ ہم دریا عبور کر کے آتے ہیں۔

مثنیٰؓ بن حارثہ اور دوسرے سرداروں نے ابو عبیدؓ کو بہت روکا مگر وہ نہ مانے۔ اور مسلمان فوج دریا عبور کر کے دوسرے کنارے پر آگئی۔ میدان کی ساری اونچی جگہیں ایرانی فوج کے قبضہ میں تھیں۔ جو جگہ مسلمان فوج کے

حصہ میں آئی ایک تو وہ نچلی تھی اور دوسرے اس میں جا بجا بہت گڑھے تھے
مقابلہ شروع ہوا۔ دونوں فوجیں کیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان
جنگ میں اتریں۔ مسلمانوں نے بڑی جوانمردی سے کام لیا۔ مگر بہمن نے
ہاتھیوں کی صفوں کو آگے کر دیا۔ تین سو جنگی ہاتھیوں کی صفیں مسلمان بہادروں
کے سامنے اچانک اس طرح آن کھڑی ہوئیں۔ جیسے دفعتاً زمین نے پہاڑوں
کا ایک لمبا چوڑا سلسلہ اگل دیا ہو۔ یہ کالے کالے پہاڑ عرب گھوڑوں نے اس
طرح میدان جنگ میں دوڑاتے کبھی نہ دیکھے تھے۔ ان پہاڑوں پر ایرانی تیر
انداز سوار تھے۔ اور تیروں کی بارش کر رہے تھے۔

عرب سوار گھوڑوں پر سوار ایرانیوں پر حملہ کرتے۔ تو ایرانی ہاتھیوں کے مہاوت
ہاتھیوں کو آگے بڑھا دیتے۔ عرب گھوڑے انہیں دیکھ کر بدک جاتے۔ اس صورت
حال نے مسلمان فوج میں عجیب انتشار پیدا کر دیا۔ گھوڑے اِدھر اُدھر بھاگے
پھر رہے تھے۔ ابو عبید نے اس موقعہ پر حیرت انگیز جرأت کا ثبوت دیا۔
گھوڑے کو آگے بڑھا کر ایک فیل مست پر اس تیزی اور پھرتی سے حملہ کیا
کہ اس کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ اس طرح انہوں نے کئی ہاتھیوں کی سونڈیں
کاٹ ڈالیں۔ وہ گھوڑے سے اتر آئے۔ اور مسلمان سپاہ کو بھی حکم دیا۔ وہ
بھی پیادہ ہو جائے۔ گو مسلمانوں نے بڑی جرأت دکھائی۔ مگر ہاتھیوں نے
ان میں سے اکثر سپاہی اپنی سونڈوں میں لپیٹ کر پاؤں تلے ڈال کر کچل
ڈالے۔ ابو عبید بھی ایک ہاتھی کا شکار ہوئے۔ انہوں نے اس کی سونڈ تو
کاٹ ڈالی تھی۔ مگر اس نے اچھل کر انہیں اپنے پاؤں تلے داب لیا۔ اور ان
کی ہڈیاں توڑ ڈالیں۔

ابو عبید کی جگہ ان کے بھائی نے لی۔ وہ بھی ہاتھی کا شکار ہوئے۔ اسی

طرح چھ آدمیوں نے یکے بعد دیگرے فوج کی قیادت کی۔ مگر سب کے سب شہید ہو گئے۔

فوج میں ایک عجیب انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ مسلمان سپاہی بھاگ بھاگ کر پل کی طرف جا رہے تھے۔ ایک جوشیلے مسلمان سپاہی نے آگے بڑھ کر کشتیوں کا پل توڑ دیا۔ لوہے کی وہ زنجیر کاٹ ڈالی جس سے کشتیاں بندھی تھیں۔ پل ٹوٹ گیا۔ تو مسلمان سپاہی ہاتھیوں کے سامنے سے پسپا ہو ہو کر دریا میں کودنے لگے پیچھے بھی موت اور آگے بھی موت۔

یہ بڑا ہولناک وقت تھا۔ قیامت کا منظر سامنے تھا۔ بہت سے مسلمان گو اب بھی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ مگر ان کی صفیں بکھر چکی تھیں۔ تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ چکا تھا۔ کہ مثنیٰ نے فوج کی قیادت ہاتھ میں لی۔ اپنے مخصوص دستہ کو لے کر ہاتھیوں کے سامنے آن رکے۔ اور اس بہادری اور جرأت سے لڑے کہ ہاتھیوں کے منہ پھیر دیئے۔ مثنیٰ نے کشتیوں کا پل پھر سے تیار کرایا۔ مسلمانوں کو ڈھارس بندھائی اور انہیں حکم دیا کہ لڑتے لڑتے دریا عبور کر جائیں۔ وہ خود اپنے مخصوص دستے کے ساتھ اس وقت تک میدان جنگ میں دشمن کو روکے رہے جب تک ساری فوج دریا عبور نہ کر گئی۔

مورخین کا بیان ہے کہ اس لڑائی میں چار ہزار مسلمان مارے گئے مثنیٰ کے پاس اب صرف پانچ ہزار آدمی رہ گئے۔ یہی وہ سپاہی تھے جنہیں حضرت خالدؓ عراق جاتے وقت پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ ابو عبید کی ناتجربہ کاری نے صورت حال خراب کر دی۔ ورنہ یہ سپاہ نہ جانے عراق میں کیا طوفان بپا کرتی۔

۲۸۴۳۲

نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ابو عبید کو مثنیٰؓ جیسے بہادر سپہ سالار پر کیوں ترجیح دی گئی۔ اور ساری مہم کی کمان اس کے سپرد کیوں کی گئی۔ یقیناً انہوں نے اپنا نام سب سے پہلے پیش کر کے بہادری اور جرأت کا اظہار کیا۔ مگر فوج کی کمان کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس میں جرأت کے ساتھ ساتھ دانائی کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

اگر کمان مثنیٰؓ کے ہاتھ میں رہتی تو یہ ناگوار صورت کبھی پیدا نہ ہوتی۔ مورخین کا بیان ہے۔ کہ مثنیٰؓ نے ابو عبید کو دریا عبور کرنے سے روکا اور کسی ایسی جگہ پر مورچہ قائم کرنے کا مشورہ دیا جہاں فوج پر کوئی آنچ نہ آتی مگر ابو عبید نا تجربہ کاری کی بنا پر نہ مانے۔

مثنیٰؓ کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔ کہ وہ ابو عبید کی نا تجربہ کاری کے باوجود آدھی فوج کو صحیح سلامت نکال لاتے۔ اور اس شکست کے اثرات کو زیادہ خطرناک صورت اختیار نہ کرنے دی۔

یہ غنیمت ہوا کہ بہمن نے تعاقب نہ کیا۔ اگر وہ تعاقب کرتا تو شاید صورت حال اور خراب ہو جاتی۔ بہمن کو اسی وقت مدائن لوٹنا پڑا۔ وہاں عام بغاوت رونما ہو گئی تھی۔ اور اسے دبانے کے لئے رستم نے بہمن کو طلب کیا تھا۔

جس وقت ابو عبید کی شکست کی خبر عام ہوئی۔ اس وقت جابان اپنی شکست خوردہ فوج کو لئے مدائن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے یہ خبر سنی تو اسے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کا شوق چرایا۔ اور نہ جلنے بوجھے مثنیٰؓ کے ایک بازو پر حملہ کر دیا۔ بہمن مدائن جا چکا تھا۔ مثنیٰؓ نے اس شکست کا بدلہ جابان سے لیا۔ اور اسے اور اس کے ایک ایک آدمی کو کاٹ

کر ڈال دیا۔

بھاگنے والوں میں زیادہ تر بدوی قبائل تھے۔ جو محض مال غنیمت کے لالچ میں ابو عبید کے جھنڈے تلے آن جمع ہوئے تھے۔ کچھ مدینہ کے رہنے والے بھی تھے۔ جو عام پسپائی اور انتشار میں حوصلے قائم نہ رکھ سکے۔ اور بھاگ اُٹھے۔ ایسے لوگ جب مدینہ آئے۔ تو شرم و ندامت کے باعث گھروں میں چھپ رہتے۔ ان میں سے ایک شاعر بھی تھے۔ انہیں اپنے فرار پر بہت افسوس تھا۔ وہ لوگوں سے کہتے۔ لوگو! مجھے پتھر مارو۔ میں میدان جنگ سے بھاگ کر آیا ہوں حضرت فاروقؓ نے ایسے لوگوں کو تسلی دی۔ اور ان کے زخمی دلوں پر نرمی کا مرہم رکھا۔

جہاد کے لئے عام منادی کرادی گئی حضرت خلیفہ کے نقیب بستی بستی میں جہاد کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے۔ اور لڑنے والوں کے نئے ٹولے روزانہ مدینہ پہنچنے لگے۔ اور کچھ مدت بعد جریر کی قیادت میں ایک اور فوج عراق روانہ ہوئی۔ تاکہ مثنیٰ اپنے کام کو جاری رکھ سکیں۔

تیسرا باب

مثنیٰ کی سرگرمیاں

مثنیٰ خفان کے قریب چھاؤنی ڈالے پڑے تھے۔ اور نئی عراقی فوج بھرتی کر رہے تھے یہیں انہیں اطلاع ملی کہ ایک بڑی ایرانی فوج ان کا رستہ روکنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہے مثنیٰ نے جیسے ہی یہ خبر سنی۔ جریر کو جو ابھی راہ میں تھے بڑی سرعت کے ساتھ اپنے ساتھ آ ملنے کا حکم بھیجا۔ اور خود آگے بڑھے۔

البویب کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ دریا کے کنارہ پر ایک مناسب جگہ چھاؤنی ڈالی۔ اور ایرانی فوج کا انتظار کرنے لگے۔

ایرانی فوج بڑی شان و شکوہ کے ساتھ فرات کے دوسرے کنارہ پر آن پہنچی۔ اس کے دماغ میں ابھی پہلی فتح کی سرخوشی بھری تھی مثنیٰ نے تدبیر سے کام لیا۔ اور ایرانی سپہ سالار کو لکھا۔ دریا عبور کر کے اس کنارہ پر آ جاؤ۔ ایرانی سپہ سالار مان گیا۔ اور ایرانی فوج دریا عبور کر آئی۔ ایرانی فوج تین حصوں میں بٹی تھی۔ ہر پیادہ صف کے ساتھ ایک ایک مست ہاتھی تھا۔

مثنیؓ نے مقابلہ کی تیاریاں کیں ۔ صفیں مرتب کرنے کے بعد وہ ہر صف کے سامنے پہنچے ۔ وہ اپنے پیارے گھوڑے پر سوار تھے ۔ ان کی خون آشام تلوار فضا میں چمک رہی تھی اور وہ ہر سپاہی سے کہہ رہے تھے ۔

دوستو! آج تمہارے حوصلے اور جرأت کا امتحان ہے ۔ یہ دن باتیں کرنے کا نہیں ۔ ایک دوسرے سے باتیں کرنے کی تم میں سے کوئی کوشش نہ کرے ۔ صرف ہتھیاروں کی آواز آئے !

میں چاہتا ہوں ، آج فتح تمہارے سب کے قدم چومے ۔ اور تمہاری بہادری ضرب المثل بن جائے ۔

ہر سپاہی نے مثنیٰؓ کی آواز سنی ۔ اور اس کا حوصلہ بڑھ گیا ۔ مثنیٰؓ اپنی فوج میں بڑے محبوب تھے ۔ اور اس لئے محبوب تھے کہ وہ بہادر تھے ۔ اور ہمیشہ اپنے استاد خالدؓ کی طرح پیش پیش رہتے ۔

یہ طے پایا تھا کہ مثنیٰؓ حملہ کے لئے تین تکبیریں کہیں گے تیسری تکبیر پر بیک وقت حملہ شروع ہوگا ۔ اور جب چوتھی تکبیر ہوگی تو تلواریں اور نیزے اپنا کام شروع کر دینگے ۔ مگر ابھی مثنیٰؓ نے پہلی تکبیر نہ کہی تھی کہ ایرانی تیر اندازوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی ۔ اور اس سے قریب ترین اسلامی دستہ تیروں کی زد سے بچنے کے لئے منتشر ہوتا نظر آیا ۔ مثنیٰؓ نے یہ صورتِ حال دیکھی ۔ تو ایک ماتحت افسر کو بلا کر اس دستے کے پاس بھیجا ۔ افسر نے اس دستہ کو مثنیٰؓ کا سلام اور یہ پیغام پہنچایا ۔

مجھے امید ہے آج کے دن تم مسلمان قوم کو شرمسار نہ کرو گے ۔ دستہ یہ سنتے ہی سنبھل گیا ۔ بکھری ہوئی صفیں پھر مرتب ہو گئیں ۔ اور سپاہی آہنی دیوار بن گئے ۔ مثنیٰؓ مسکرائے

لڑائی شروع ہوگئی۔ بڑے زور کا معرکہ پڑا۔ دونوں طرف کے سپاہی پورے حوصلے اور ضبط سے لڑے۔ لڑائی جم گئی۔ کوئی طرف پیچھے ہٹتی نظر آتی۔ یہ صورت حال مثنیٰ کی برداشت کے قابل نہ تھی۔ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے ایک ساتھی غسانی سردار کے پاس آئے۔ اور اس سے کہنے لگے۔

جس وقت میں حملہ کروں۔ تم بھی میرے ساتھ حملہ کر دینا۔

مثنیٰ کا حملہ اتنا سخت اور خوفناک تھا کہ ایرانی قلب الٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر کے اندر ایرانی بازو بھی اکھڑ گئے۔ اور ایرانی فوج پیچھے کو ہٹنے لگی۔

مثنیٰ نے ایرانی فوج کو پیچھے ہٹتے دیکھا۔ تو آگے بڑھ کر پل توڑ دیا۔ ایرانی فوج بھاگ نکلنے کی راہ نہ پاکر مایوسی کے عالم میں پلٹی اور لڑائی پھر زور پکڑ گئی۔ بہادر عربوں نے ایرانیوں کو کاٹ کاٹ ڈھیر کر دیا۔

اس لڑائی میں شریک ہونے والے ایک سپاہی کا بیان ہے۔ کہ ایک ایک عرب نے کم سے کم دس دس ایرانی قتل کئے۔ اس لئے اس لڑائی کا نام دس دس کی لڑائی مشہور ہو گیا۔ اور بعض نے تو سو سو ایرانی ذبح کر ڈالے

کہتے ہیں کئی سال تک ایرانی مقتولین کی ہڈیاں اس میدان میں پڑی دیکھی گئیں۔

اس جنگ میں مسلمان شہدا کی تعداد صرف ایک سو تھی اور ایرانی مقتولین ایک لاکھ تھے۔ اور اس کا باعث یہ تھا کہ ایرانی سپاہ کو فرار کا رستہ نہ ملا۔ اور وہ مایوسی میں غضبیلے بھیڑیے کی طرح اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑی۔ مگر چونکہ بے ہمت تھی اس لئے بُری طرح ذبح ہوئی۔

مثنیٰ کو خود اس بات کا افسوس ہوا کہ انہوں نے ایرانی سپاہ پر بھاگنے کی راہ کیوں مسدود کر دی۔

اس جنگ میں مثنیٰ کے بھائی بڑی جرأت کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے جنگ کے خاتمہ پر مثنیٰ نے اپنے اس شہید بھائی اور دوسرے شہدا کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور ان کی بہادری کی تعریف کی۔

اس جنگ میں مثنیٰ کو غیر معمولی مالِ غنیمت ملا۔ ایرانی سپاہ غلے کے بہت سے ذخیرے اور جانوروں کے بہت سے گلے اپنے ساتھ لائی تھی۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے حصہ میں آیا۔

مثنیٰ نے جنگ کے آغاز سے پہلے عورتوں اور بچوں کو پیچھے ایک محفوظ جگہ پر بھیج دیا تھا۔ مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ لے کر جب مسلمانوں کا ایک دستہ ان کے پاس پہنچا۔ تو عرب عورتیں سمجھیں ایرانی دستہ حملہ آور ہو رہا ہے۔ انہوں نے پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمان دستہ نے تکبیر کہی تو مسلمان عورتوں نے انہیں پہچانا۔ سردارِ قافلہ نے ان کی جرأت کی خوب تعریف کی۔ اور طرح طرح کی چیزیں انہیں کھانے کو دیں۔

اس شاندار فتح سے سواد سے وجد تک کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ مسلمانوں کی جرأت اور دلیری کے قصے بستی بستی میں پہنچے۔ اور وہاں کے چودھری مثنیٰ کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین دلانے کے لئے ان کے پاس آنے لگے۔ سواد سے لے کر وجد تک سارا کا سارا علاقہ اب اسلامی قلمرو میں شامل تھا۔ اور آبادی خوش تھی کہ ایک انصاف پسند اور بہادر قوم ان پر حکمران بنی ہے۔ مثنیٰ کا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اور اس کارنامہ نے اس داغ کو دھو دیا۔ جو ابو عبید کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے مسلمان سپاہ کی پیشانی پر لگا تھا۔

چوتھا باب

سعد بن وقاص رضؓ

بویب کی شکست سے ایرانی حکومت کی آنکھیں کھل گئیں۔ بڑے درباری وزیرِ اعظم رستم اور ملکہ کے خلاف ہو گئے۔ ان کا خیال تھا۔ یہ دونوں ایرانی بادشاہت کا زوال دیکھنا چاہتے ہیں۔ ملکہ کے خلاف یہ جذبہ نفرت عام ہو رہا تھا کہ اچانک شاہی خاندان کی عورتوں نے یزدجرد کا پتہ پالیا۔ یزدجرد اس وقت ۲۱ سال کا خوبرو جوان تھا۔ وہ دشمنوں سے بچنے کے لئے چھپا پھرتا تھا۔ شاہی اس کی قسمت میں تھی۔ درباری اسے پکڑ لائے اور تخت پر بٹھا دیا۔ بڑے بڑے جاگیردار اور نواب پھر بیدار ہو گئے۔ اور جوان بادشاہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ نئی فوجیں بھرتی کی گئیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے زیریں عراق پر چھا گئیں۔

مثنیٰ کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی۔ انہوں نے ایرانی سیلاب کو بڑھتے دیکھا۔ تو ایک بار حیرہ سے ہٹ کر ذی وقار آن پہنچے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔ اور بڑھتے ہوئے خطرہ کو روکنے کے لئے

نئی فوج مانگی۔
خلیفہ نے خط پایا تو خطرہ کا پورا احساس فرمالیا۔ اور نئی فوج بھرتی کرنے کا اعلان فرما دیا۔ منادی ہر طرف پھر گئے۔ اور جہاد کا اعلان ہر جگہ عام کیا گیا لوگوں نے اذنِ عام سنا۔ اور جوق در جوق مدینہ پہنچنے لگے۔ جو لوگ عراق سے قریب تھے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ سیدھے عراق جائیں۔
عام بھرتی کا حکم دے کر حضرت فاروق مدینہ سے مکہ آ گئے حج کا زمانہ تھا۔ آپ نے حج فرمایا۔ اور پھر مدینہ آ پہنچے۔
حضرت فاروق کے نزدیک عراق کی مہم کی اہمیت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ خود عراق کی مہم پر جانا چاہتے تھے۔ مگر بزرگ صحابہ اس چیز کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر خدا نخواستہ فوج کو شکست ہو گئی۔ اور حضرت فاروق مدینہ میں ہوئے۔ تو کمک پر کمک بھیج سکیں گے۔ مگر دوسری صورت میں اس کا امکان نہ ہوگا۔ حضرت فاروقؓ ان لوگوں کا مشورہ مان گئے۔ اور خود مہم پر جانے کا خیال ترک کر دیا۔
دن رات کی محنت اور تگ و دو کا نتیجہ بہت بہتر نکلا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک بڑی فوج مدینہ سے باہر جمع ہو گئی۔ اتنی بڑی فوج اس سے پہلے کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ بڑی فوج کی کمان بھی کوئی بڑا آدمی کرے۔ ابھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تھا کہ حضرت سعد کی طرف سے اطلاع آئی۔ کہ ہوازن قبیلہ سے ایک ہزار جوان جنگ کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔
چھٹی ملنا تھی کہ سب کی نگاہیں سعد پر اٹھ گئیں۔ سعد بن وقاص بڑے مقتدر صحابی تھے بچپن میں ایمان لائے۔ اور حضورؐ کے لئے بڑی

بڑی قربانیاں کیں۔ وہ بڑے جنگجو اور بہادر مشہور تھے۔ لوگ انہیں شیر سے خطاب کیا کرتے۔ وہ رسول اللہ کی والدہ کے بھائی بھی تھے۔

حضرت فاروق رضؓ کو سعدؓ کی بہادری کا خود اعتراف تھا۔ وہ ان سے بڑی محبت کرتے۔ انہوں نے سعدؓ کو لکھا۔ سعدؓ واپس آئے۔ اور فوج کے سپہ سالار بنے۔ حضرت فاروقؓ نے ان کو سپہ سالار بنانے وقت نصیحت فرمائی۔

"ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ خدا کو اعمال پسند ہیں۔ پیدائشی بڑائی کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور خدا کی نگاہ میں سب انسان یکساں ہیں۔"

چار ہزار سپاہیوں کی اس نئی فوج کے ساتھ حضرت سعد بن وقاص عراق کی طرف بڑھے۔ ان سپاہیوں میں تین سو ایسے اصحاب تھے جنہوں نے بیت الرضوان میں حصہ لیا تھا۔ اور ستر بدری صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں حضرت طلحہ اور زبیر اور عبدالرحمان بن عوف تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اس سے پہلے کسی بیرونی لڑائی میں شریک نہ ہوئے تھے۔

ابھی دستے مدینہ پہنچ رہے تھے۔ یہ دستے جیسے جیسے مدینہ آتے حضرت فاروقؓ انہیں سعد کے پاس بھیجتے جاتے۔ عرب کے سارے بہادر قریب قریب سمٹ سمٹا کر اس فوج میں شریک ہو گئے حتیٰ کہ طلیحہ اور عمر بن معدی کرب بھی اپنے اپنے قبیلوں کو لے کر سعد کے پاس آن پہنچے۔ (طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر پھر اسلام لے آیا)

ادھر سے مشہور نبرد آزما العالشتہ بھی اپنے قبیلہ سمیت سعد سے آن ملا۔

حضرت عمرؓ کے آدمی ابھی تک عرب میں پھیلے تھے۔ اور تمام بہادروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر عراق بھیج رہے تھے۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ

نے عرب کے سارے چیدہ چیدہ بہادر عراق بھجوا دیئے۔

عراق کے قریب پہنچ کر حضرت سعد نے جب اپنی فوج کا اندازہ لگایا تو اس کی تعداد تیس ہزار پائی۔

ابھی سعد بن وقاص عراق میں داخل نہ ہوئے تھے کہ حضرت مثنیٰؓ نے انتقال فرمایا۔

ابو عبید کی کمان میں جو لڑائی چند مہینے پہلے لڑی گئی تھی۔ اس میں حضرت مثنیٰؓ نے غیر معمولی جراٗت کا ثبوت دیا تھا۔ اور مسلمان فوج کو بچا کر نکال لانے کی خاطر پوری ایرانی فوج سے مقابلہ کیا اور اسے اس وقت تک روکے رکھا۔ جب تک مسلمان سیاہ پل عبور نہ کر گئے۔

اس جنگ میں انہیں کئی گہرے گہرے زخم آئے۔ اس وقت تو بھر گئے مگر تین مہینے بعد پھر ہرے ہو گئے۔ اور مثنیٰ کی حالت خطرناک صورت اختیار کر گئی۔

مثنیٰؓ گو مقتدر صحابی نہ تھے۔ مگر انتہائی مخلص مسلمان تھے۔ اور ان کی بہادری اور جراٗت کے باعث اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ وہ اپنی بہادری اور تدبّر کے اعتبار سے مسلمان جرنیلوں میں صرف خالدؓ سے دوسرے درجہ پر تھے۔ وہ خالدؓ کے شاگرد تھے۔ ایسے شاگرد جن پر حضرت خالدؓ نے ہمیشہ فخر کیا۔ ان کی بہادری ضرب المثل بن گئی تھی۔ لوگ انہیں "ہاتھی والا" کہتے۔ اس لئے کہ انہوں نے تلوار کے ایک ہی وار میں ایک بڑے زور آور ہاتھی کو مار ڈالا تھا۔

حضرت سعدؓ کے استقبال کے لئے حضرت مثنیٰؓ کی بجائے ان کا چھوٹا بھائی آیا اور اپنے ساتھ مثنیٰؓ کی موت کی خبر لایا۔ سعد کو مثنیٰؓ کی

موت سے غیر معمولی رنج پہنچا۔ انہوں نے ان کے لئے دعا کی۔ ان کے خاندان پر شفقت فرمائی اور عرب رواج کے مطابق مثنیٰؓ کی بیوہ سلمیٰ سے نکاح فرمالیا۔

فوج از سر نو مرتب کی گئی۔ حضرت سعدؓ نے اسے دس حصوں پر تقسیم کر دیا۔ اور ان کی کمان ان لوگوں کے ہاتھ میں دی گئی جو سب میں زیادہ بہادر اور پسندیدہ اشخاص تھے۔ علمبردار بھی بہادر ترین آدمی تجویز ہوئے۔ ہر قبیلہ اور ہر جماعت کی الگ الگ صف بنی۔ اور اس انداز سے یہ فوج میدانِ جنگ میں داخل ہوئی۔

بڑی کمان ان بزرگ صحابیوں کی دی گئی جنہوں نے حضورؐ کے جھنڈے تلے جنگ لڑنے کا شرف پایا تھا۔

جنگ قادسیہ

حضرت مثنیٰؓ نے مرتے وقت حضرت سعدؓ کے نام ایک پیغام بھیجا تھا۔ اور کہا تھا کہ چھاؤنی صحرائے عرب کے رُخ ڈالنے گا۔ اگر فتحیاب ہوئے تو یہی مقصود ہے اور اگر خدا نخواستہ شکست بھی ہوئی۔ تو آپ اپنی سرزمین کے قریب ہوں گے۔ دوبارہ حملہ کر سکیں گے۔ اور ایرانیوں کے تعاقب سے بچے رہیں گے۔

حضرت سعدؓ نے اس نصیحت پر عمل کیا۔ اور قادسیہ کے میدان میں چھاؤنی ڈالی۔ قادسیہ، مثنیٰؓ کی وصیت کے مطابق بہترین جگہ تھی ایک طرف صحرائے عرب تھا۔ اور دوسری طرف دریائے فرات۔ یہاں سے

مدینہ ، الحیرہ اور المدائن کو رستے جاتے ۔ دریا پر چھاؤنی ڈالنے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ پانی کافی تھا ۔ یہیں حضرت سعدؓ نے دشمن کی پیش قدمی کا انتظار کیا ۔ اور المدائن میں ایرانی فوج رستم جیسے مشہور سپہ سالار کی کمان میں تیار ہو رہی تھی ۔ رستم بہت سہل انگار شخص تھا ۔ وہ یوں تو وزیر حرب تھا ۔ لیکن میدان جنگ میں اترنے کا جگرا نہ رکھتا تھا ۔ اس لئے ابھی تک مدائن میں پڑا تھا ۔ مگر جب اسلامی فوج نے آس پاس کے علاقہ کو روند ڈالا ، اور عیسائی جاگیردار بادشاہ کے پاس کھنچے ہوئے پہنچے ۔ تو بادشاہ گھبرا اُٹھا اور اس نے حکم دیا ۔ فوری پیش قدمی عمل میں آئے ۔

حضرت فاروقؓ کے حکم سے لڑائی چھیڑنے سے پہلے حضرت سعدؓ نے یزدجرد شاہ ایران کو اسلام لانے کی دعوت دی ۔ بیس بہادر فرزانے مسلمان سپاہی اس مشن میں شامل کئے گئے جو شاہ ایران کے دربار میں جانے کے لئے مقرر ہوا یہ وفد جس وقت المدائن کے دروازوں پر پہنچا ۔ تو شاہی نقیب ان کی سادگی دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ ان میں سے کسی کا لباس بھی تو اچھا نہ تھا سب سادہ سے کرتوں میں لپٹے تھے ، اور سادہ سے سادہ اسلحہ سے مسلح تھے ۔

ادھر شاہی دربار کی شان و شوکت کا عجب عالم تھا ۔ بادشاہ سونے کے تخت پر جلوہ فرما تھا ۔ ہر طرف زربفت و کمخواب کے پردے لٹک رہے تھے ۔ دیواروں پر بنے ہوئے سنہری بیل بوٹے ، اور ایرانی مصوروں کے شاہکار ، دربار کی رونق دوبالا کئے تھے ۔ درباری امراء کی شان بھی کچھ کم نہ تھی ۔ وہ سونے چاندی کی کرسیوں پر باادب بیٹھے تھے ! فرش پر دبیز ایرانی

قالین بچھے تھے ! جن پر باغ عدن کے نظارے منقش تھے ۔ اسلام کے ان بہادروں پر اس شان و شوکت کا کوئی اثر نہ پڑا ۔ اور گفتگو کے وقت انہوں نے انتہائی جرأت سے کام لیا ۔ بادشاہ نے ان سے ایک ترجمان کی وساطت سے پوچھا ۔ تم نے میرے ملک پر حملہ کرنے کی کیسے جرأت کی ۔

وفد کی طرف سے کئی زبان آور بولے انہوں نے کہا یقیناً ہم میں اتنی قوت نہ تھی ۔ لیکن حضورؐ کی بعثت نے ہماری حالت بدل ڈالی ۔ انہوں نے بادشاہ سے اسلام کی خوبیاں بھی کہیں اور اُسے دعوت دی کہ اسلام قبول کر لے ۔ انہوں نے کہا ۔ اگر تم اسلام لے آؤ گے ۔ تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے ۔ اگر اسلام لانا نہیں چاہتے ۔ تو ہماری اطاعت قبول کر لو ۔ اور ہمیں خراج ادا کرو ۔ اور اگر تمہیں دونوں چیزیں منظور نہیں ۔ تو یاد رکھو تمہاری حکومت جلد ختم ہونے والی ہے ۔

بادشاہ نے انتہائی غصہ کے ساتھ جواب دیا ۔ تم بھوکے ہو اور بنجر اور غیر آباد سرزمین سے یہاں آئے ہو ۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں مالا مال کر سکتا ہوں ۔

وفد کی طرف سے جواب دیا گیا ۔

ہم یقیناً بھوکے ہیں ہم یقیناً مفلس ہیں ۔ لیکن ہمارا خدا ہماری بھوک دور کرے گا ۔ وہ ہمارے افلاس کو دولت مندی سے بدلے گا ۔ غربت کو دولت سے بدلنے کا شرف اسی کے ہاتھ میں ہے ۔

پھر انہوں نے کہا ۔

تم تلوار کا انتخاب کر رہے ہو ۔ اب تمہارے اور ہمارے مابین تلوار ہی فیصلہ کرے گی ۔

بادشاہ نے یہ الفاظ سنے۔ تو اس کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا اور وہ چیخا۔
اگر تم سفیر نہ ہوتے۔ تو میں تم سب کو قتل کرا دیتا۔
مگر وہ سفیر تھے انہیں وہ قتل تو نہ کرا سکا۔ البتہ انہیں ذلیل کرنے کی ایک تدبیر سوچی۔ اس نے زمین کھدوائی اور مٹی سے ایک ٹوکری بھروائی اور حکم دیا کہ وفد کے سردار کے سر پہ مٹی کی یہ ٹوکری لاد دی جائے۔ ایسا ہی کیا گیا۔

وفد کے سردار کے سر پہ مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری لاد دی گئی۔ وفد کے سردار گھوڑے پر سوار سر پہ مٹی کی ٹوکری لادے دربار سے نکلے۔
رستم کو جب اس انتقامی تدبیر کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس چیز کو بُری فال سمجھا اور بادشاہ کی حرکت پر سخت افسوس ظاہر کیا۔
جس صحابی نے یہ بوجھ اٹھایا تھا۔ وہ بہت خوش خوش سعد کے پاس آئے۔ اور سعد کو دیکھتے ہی چیخے۔
سعد مبارک ہو۔ دشمن نے اپنے ہاں کی مٹی آپ ہی ہمیں سونپ دی۔
یہ نیک فال ہے ہمارے لئے۔
وفد کی واپسی کے بعد رستم ایرانی سپہ سالار ایک لاکھ بیس ہزار کی جرّار فوج لے کر قادسیہ کی طرف بڑھا۔ اس کی پیش قدمی کی رفتار بڑی سست تھی کئی ہفتوں کی سست روی کے بعد وہ فرات کے کنارے پہنچا۔ اور ڈیرے ڈال دئے۔ اس نے پہل نہیں کی۔ وہ اپنے شاہی خیمہ میں بیٹھا کئی دن تک حالات کا مطالعہ کرتا رہا۔
مگر عرب فوج انتظار کرتے کرتے بے چین ہو گئی۔ عرب قبائل کے مزاج تیز تھے۔ وہ فوری طور پر لڑائی چھیڑ دینا چاہتے تھے۔ یہ تو حضرت

سعدؓ نے ان کے بڑھتے ہوئے جوش کو روکا اور صبر کی تلقین کی ۔ورنہ وہ کبھی کے ایرانیوں پر ٹوٹ پڑتے ۔انہوں نے پھر بھی کسر نہ چھوڑی ۔اور کئی بہادر دشمن کے کیمپ میں گھس گئے ۔اور دشمن کو کافی نقصان پہنچا کر واپس ہوئے۔

ایک رات اکیلے طلحہ نے دشمن کے کیمپ کی راہ لی ۔اور دشمن کے تین گھوڑے کھول لائے ۔دشمن نے ان کا تعاقب کیا ۔طلحہ نے ان میں سے کئی آدمی مار ڈالے اور ایک کو پکڑ لیا ۔یہ اسلام لے آیا اور بڑی بہادری سے اسلام کے لئے لڑا اور جان دے دی۔

رستم مسلمانوں کی قوت سے اچھی طرح آگاہ تھا ۔وہ دل سے لڑائی نہیں چاہتا تھا ۔محض بادشاہ کی خوشنودی اور اپنے عہدے کی لاج رکھنے کی خاطر میدان جنگ میں آن اترا تھا ۔اس لئے کئی دن کے بعد اس نے حضرت سعدؓ کے نام ایک پیغام بھیجا۔

کیوں نہ ہم آپ سے مصالحت کر لیں ۔ہمارے پاس اپنے ہاں کے چند دانا آدمی بھیجو جن سے ہم اس موضوع پر گفتگو کریں۔

حضرت سعدؓ نے ایک مقتدر اور زبان آور صحابی حضرت ربعی بن عامرؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

رستم نمائشی آدمی تھا ۔جس دن ربعی ایرانی کیمپ میں پہنچے ۔وہاں بڑی شان و شوکت کا مظاہرہ ہوا ۔رستم نے زربفت کا ایک وسیع و عریض شامیانہ نصب کروا رکھا تھا ۔ہزاروں زرق برق وردیاں پہنے سپاہی شامیانہ کے باہر دو رویہ کھڑے تھے ۔حضرت ربعی ان کی چمک دار وردیاں دیکھتے ۔اس بڑے شامیانہ کے دروازے پر آن رکے ۔جہاں مسند پر رستم سونے کی کرسی پر جلوہ فرما تھا ۔اور باقی امرا اور سردار اپنے اپنے درجہ کے

مطابق اس مسند سے کافی نچائی پر بچھی ہوئی چاندی کی کرسیوں پر بیٹھے تھے
حضرت ربعی دروازہ پر پہنچ کر گھوڑے سے اترے۔ گھوڑے کی باگ قالینوں
کے فرش پر رکھے ہوئے ایک گاؤ تکیہ سے لگادی۔ اور خود اپنے نیزہ کی
انی کو قالینوں کے فرش پر چبھوتے رستم کی مسند کی طرف بڑھے۔ اور جاتے ہی
مسند پر بیٹھ گئے۔ رستم کے امراء و سرداروں نے انہیں وہاں سے ہٹانا چاہا۔ مگر
ربعی نے ان کی بات رد کردی۔ مگر تھوڑی دیر بعد خود ہی مسند پر سے اٹھے۔ ان
قالین کے ایک حصہ کو خنجر سے کاٹا۔ اور زمین کے فرش پر بیٹھ گئے۔ اور ایرانی دربار یوں
سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"اب تو میں خدا کی زمین پر بیٹھا ہوں۔ یہاں سے تو تم مجھے اٹھا نہیں سکتے"۔
حضرت ربعی اچھی طرح بیٹھ گئے۔ تو رستم نے ان سے گفتگو شروع کی۔ اس
نے پہلا سوال یہ کیا۔

"تم ہم سے کیوں لڑنے آئے ہو"۔

حضرت ربعیؓ نے جواب دیا۔ "ہم دنیا میں ظلم اور زیادتی کا خاتمہ کرنا چاہتے
ہیں۔ تم ظالم ہو۔ اگر ظلم سے باز آجاؤ۔ اور اسلام قبول کر لو۔ یا ہمارے حلیف
بن جاؤ۔ اور ایک مقررہ ٹیکس ہمیں ادا کرو۔ اور وعدہ کرو۔ کہ تم ظلم اور زیادتی
نہ کرو گے۔ تو ہم تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کریں گے۔ ورنہ ہماری تلوار
بڑے جوہر رکھتی ہے"۔

رستم نے طنز کیا۔

"مگر تمہارا میان تو بہت پرانا ہے"۔

ربعیؓ نے تلوار میان سے نکال لی۔ اور بولے:۔

ذرا اسے بھی دیکھ لو۔ اسے میں نے ابھی ابھی سان پر رکھا ہے۔

یہ کتنی تیز ہے"۔

اس قسم کی چند اور باتیں بھی ہوئیں۔ اور آخر میں رستم نے ربعی سے کہا "چند دن کی مہلت دو تاکہ ہم تمہاری شرائط پر غور کر سکیں"۔ ربعی جس شان سے آئے تھے اسی شان سے پھرے۔ اور حضرت سعد کو ساری باتیں سنا دیں۔ دوسرے دن رستم نے پھر ایک سفیر طلب کیا۔ اس دن حضرت حذیفہ تشریف لے گئے۔ یہ بھی اسی شان سے گئے جس شان سے ربعیؓ گئے تھے۔ حذیفہ نے تو حد کر دی۔ وہ رستم کی مسند کے قریب پہنچ کر بھی گھوڑے سے نہیں اُترے۔ اور رستم سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے باتیں کیں اور پلٹ آئے۔ آج بھی کل جیسی باتیں ہوئیں۔ تیسرے دن رستم نے پھر ایک سفیر کو طلب کیا۔ اس دن حضرت مغیرہ بن شعبہ تشریف لے گئے۔ حضرت مغیرہ نے گفتگو میں زیادہ سختی برتی۔ رستم کا مصنوعی غصہ چمک اُٹھا اور اس نے بھی مغیرہ سے سخت باتیں کیں۔ جنگ کے لئے تین دن کی مہلت مانگی اور جب مہلت کے تین دن گزر گئے۔ تو حضرت سعدؓ کو پیغام بھیجا مجھے آپ کی شرائط نامنظور ہیں۔ مجھ میں اور آپ میں تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔ اس نے حضرت سعد کو یہ دعوت بھی دی کہ دریا عبور کر کے اس طرف آجائیں حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔ تم دریا عبور کر آؤ۔ ہم دریا عبور کرتے وقت تم پر حملہ نہیں کریں گے۔

ایرانی فوج دریا عبور کر آئی۔ کیا عجیب انداز تھا اس فوج کا۔ زربفت و کمخواب کے خیمے ہر طرف نصب ہو گئے۔ خود رستم کمخواب کے ایک بڑے خیمہ میں سونے کی کرسی بچھا کر بیٹھا۔ اس کے سردار۔ سونے اور چاندی کے زیورات اور موتی جواہرات سے لدے تھے ماتحت۔ ہتھیاروں کا نہیں زیور کا

اور جواہرات کا مظاہرہ کرنے آئے تھے۔ ان کے ساتھ شراب کے مٹکے کے مٹکے تھے۔ ہزاروں رقاصہ عورتیں تھیں۔ جو ایرانی سپاہیوں کو ترغیب جنسی دے کر بہادری کے جوہر دکھلانے پر مائل کرنے کے لئے آئی تھیں۔

سپاہی اور سردار سب کے سب لوہے اور چاندی کے زرہ بکتروں میں چھپے تھے۔ سونے چاندی کے دستوں والی تلواریں تو بہتوں کے پاس تھیں۔

کئی ایسے تھے جن کے سروں پر سونے کے خود تھے کئی ایک کی زرہ بکتر بھی سونے اور چاندی کی تھی۔ ایرانی چھاؤنی کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دریا کے کنارے ایک انوکھا شہر آباد کر دیا گیا ہے۔ ریشم اور زربفت کے خیمے ہر طرف استادہ تھے جن میں دبیز ایرانی قالین بچھے تھے۔ رستم کا تخت سونے کا تھا۔ اسے دریا کے کنارے عین اس جگہ نصب کیا گیا۔ جہاں سے وہ ساری فوج کی نگرانی کر سکتا تھا۔ لشکر گاہ سے المدائن تک شاہی ہرکاروں کی ایک لائن قائم کر دی گئی۔ یہ ہر لحظہ بلحظہ کی خبر بادشاہ تک پہنچا رہے تھے۔

دوسری طرف اسلامی فوج انتہائی سادگی کے عالم میں تھی۔ اس کے پاس زربفت تو کہیں رہا۔ سیدھے سادے کپڑے کے بھی خیمے نہ تھے۔ اونٹ کے بالوں کے خیموں کے سوا انہوں نے کسی اور چیز کے خیمے شاید دیکھے تک نہ تھے۔ ان کے جسم پر سخت قسم کے پھوڑے اور پھنسیاں نکل آئی تھیں۔ ان کی وجہ سے وہ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے اپنے کیمپ میں ایک پرانی عمارت کی چھت پر بیٹھ گئے۔ اور فوج کے جرنیلوں کے نام کاغذ کے پرچوں پر احکام لکھ لکھ کر اور ان کی گولیاں بنا کر پھینکے جاتے مسلمان فوج اس بات کی عادی

نہ تھی۔ کہ وہ خود تو لڑے مگران کا سپہ سالار اس میں موجود نہ ہو۔ اس لئے حضرت سعدؓ کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ اور سپاہی ایک دوسرے سے کہنے لگے "ہمارے سپہ سالار کیوں نہیں آتے"؟

وہ سب حضرت سعد کی بہادری سے آگاہ تھے۔ انہیں علم تھا کہ سعد پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام کی خاطر تلوار اٹھائی۔ اور انتہائی جرات سے کام لے کر قریش کو للکارا۔ سپاہ کی اس غلط فہمی سے آگاہی ہوئی۔ تو انہوں نے سپاہ کو کہلا بھیجا۔ میری حالت ایسی بھی نہیں کہ میں پلنگ پر ایک رُخ سیدھا بیٹھ سکوں۔ چہ جائیکہ گھوڑے پر سواری کروں۔ تمہارے دلوں میں جو خیال ہے۔ اسے دُور کر دو۔ یہ غلط فہمی دور تو نہیں ہوئی۔ البتہ عام بے چینی جاتی رہی۔ اور صفیں مرتب ہونے لگیں حضرت سعدؓ نے ہر صف کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنے والے حفاظ بھیجے جنہوں نے فوج کو جوش دلانے والی آیات پڑھیں۔ شعرا نے رزمیہ شعر سنائے۔ اور ساری کی ساری فوج عجیب جوش اور ولولہ سے بھر گئی۔

یہ طے ہوا کہ حضرت سعدؓ جس وقت چوتھی بار تکبیر کہیں۔ اس وقت عام اور یکجا حملہ شروع کر دیا جائے مگر حضرت سعد نے ابھی پہلی تکبیر کہی تھی۔ کہ دشمن کی طرف سے انفرادی لڑائی کی طرح ڈال دی گئی۔ اور یکے بعد دیگرے دونوں طرف کے پہلوان اپنے اپنے کرتب دکھلانے لگے۔

بدر کے مجاہد اس انفرادی جنگ میں خوب چمکے۔ انہوں نے خوب خوب جوہر دکھائے۔ اور اپنے حریفوں کو مار کر ان کے اسلحہ اور قیمتی جواہرات پائے۔ عمر بن معدیکرب نے ایک ایرانی شہزادہ کو مارا اور اس کی قیمتی زرہ بکتر، اسلحہ اور سونے چاندی کی زین حاصل کی۔ ایک اور بہادر نے ہرمز

کوتا کا سادرا سے پکڑ کر سعد کے پاس لے آیا۔ ہرمز بہت مشہور ایرانی سردار تھا۔ بنی تمیم کے ایک سردار نے بھی خوب جوہر دکھائے۔

ابو محجن سب سے بازی لے گئے۔ یہ حضرت سعد کی فوج کے ایک مشہور سردار تھے۔ مگر شراب پینے کے الزام میں ماخوذ ہوئے۔ حضرت سعدؓ نے انہیں اپنی بیوی سلمیٰ کی نگرانی میں ان کے خیمہ ہی میں قید کر رکھا تھا۔ مگر جب لڑائی کا میدان گرم ہوا تو ابو محجن ضبط نہ کر سکے۔ اور سلمیٰ سے درخواست کی۔ مجھے بھی لڑائی میں حصہ لینے دیجئے۔ سلمیٰ بہادر خاتون تھیں مثنیٰ جیسے شاہسوار کی بیوہ اور سعد کی بیوی۔ انہوں نے درخواست منظور کر لی۔ اور اپنے شوہر کے سفید گھوڑے پر سوار کر کے انہیں میدان جنگ میں بھیج دیا۔

کہتے ہیں ابو محجن اس جرأت سے لڑے کہ اپنے اور بیگانے دنگ رہ گئے۔ وہ جس طرف بڑھتے۔ صفیں الٹ دیتے۔ دشمن سمجھے یہی سپہ سالار ہیں۔ مگر حضرت سعد جانتے تھے۔ کہ یہ ابو محجن کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ اور گھوڑا خود ان کا ہے۔ انہوں نے یہ کہا بھی۔ مگر انہیں تعجب تھا کہ ابو محجن تو سلمیٰ کی قید میں تھے۔ رہا کیسے ہو گئے۔ ابو محجن دادِ شجاعت دے کر جب واپس خیمہ میں آئے تو سلمیٰ بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے اس وقت تو انہیں پھر قید کر دیا مگر اپنے شوہر سے کہہ کر انہیں رہائی دلوا دی۔

ہاتھیوں نے اسلامی سپاہ میں عجیب اضطراب پیدا کر دیا۔ وہ اپنے بڑے بڑے ہودجوں کے ساتھ جب اِدھر اُدھر بڑھتے تو عرب گھوڑے بدک جاتے۔ اور پیچھے کو بھاگتے۔ ہاتھیوں کے حملہ کا زیادہ زور بنو بجلہ پر پڑا حضرت سعدؓ نے بنی اسد کو حکم دیا۔ بجلہ کی مدد کو جاؤ۔ بنی اسد

نے خوب بہادری دکھائی۔ پھر بنی تیم ان کی مدد پر آئے۔
سعد اپنے کمپ میں بیٹھے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ ہاتھیوں نے جب اسلامی صفیں منتشر کر دیں تو انہیں سخت رنج ہوا اور انہوں نے ایک سردار عاصم کو بلا کر حکم دیا۔ جیسے بھی ہو ان ہاتھیوں سے نجات حاصل کی جائے۔ عاصم اور اس کے ساتھیوں نے ہاتھیوں کے مہاوتوں پر کمندیں پھینک کر انہیں زمین پر گرا لیا۔ ہاتھی جب مہاوتوں سے خالی ہو گئے۔ تو عرب تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بارش کر دی اور وہ پیچھے کی طرف کو بھاگے۔
ہاتھیوں سے نجات ملی تو اسلامی صفیں پھر جم گئیں۔ اندھیرا ہوتا جا رہا تھا۔ اور جب تاریکی زیادہ پھیل گئی۔ تو دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے خیموں کو لوٹیں۔
سلمیٰ سعد کے پہلو میں بیٹھی سارا دن لڑائی کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ لڑائی کی حالت چونکہ تا تسلی بخش تھی۔ اس لئے وہ اچانک چیخ اٹھیں۔
(سلے کاش کوئی مثنیٰ کو ایک گھنٹے کے لئے زندہ کر دے۔
مگر آہ یہاں کوئی مثنیٰ نہیں۔
سعد کو اس بات پر بہت رنج ہوا۔ اور انہوں نے انتہائی غصہ میں آن کر سلمیٰ کے منہ پر ایک چانٹا دیا۔ اور عاصم اور اس کے دستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے۔
مثنیٰ کا کیا ذکر۔ ان کو دیکھو کس بہادری سے لڑ رہے ہیں۔
مگر سلمیٰ نے مثنیٰ کو لڑتے دیکھا تھا۔ سعد کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔ انہوں نے مثنیٰ کے جوہر نہ دیکھے تھے۔ ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کہتے۔ سچ مچ مثنیٰ اپنے

وقت کا بہت بڑا بہادر سپہ سالار تھا۔ اور صرف خالدؓ کو یہ فخر حاصل تھا۔ کہ وہ مثنیٰؓ سے بڑھ کر تھے۔ اس لئے سلمیٰ چپ نہ رہی اور بولی۔

— تم حاسد بھی ہو اور بزدل بھی۔

سعدؓ کا غصہ کچھ دھیما پڑ گیا۔ اور انہوں نے صورت حال کو سمجھ کر سلمیٰ سے کسی قدر نرم الفاظ میں کہا۔ اگر تم جو میری بیماری سے خوب باخبر ہو مجھے معاف نہ کرو گی۔ تو لوگ مجھے کیسے معاف کر سکتے ہیں۔ وہ تو اصل حقیقت سے باخبر نہیں؟

دوسری صبح میدان جنگ میں کھیت رہنے والوں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی۔ اور ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا۔ کہ مشہور سردار قعقاع ایک ہزار تازہ دم سواروں کے ساتھ مسلمانوں کی امداد کو آن پہنچے۔ ان کے پیچھے پیچھے پانچ ہزار سپاہی اور آ رہے تھے۔ یہ پیچھے رہ گئے تھے۔ قعقاع ایک ہزار تیز رفتار سواروں کے ساتھ آگے آ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی اس مختصر سی فوج کو دس حصوں پر تقسیم کر رکھا تھا۔ اور ہر حصہ کو حکم دیا تھا۔ کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد میدان جنگ میں کود ے۔ تاکہ دشمن اور دوست یہی سمجھیں کہ کوئی بڑی فوج آ پہنچی ہے۔

قعقاع سب سے آگے تھے۔ انہوں نے سعد اور دوسرے ساتھیوں کو سلام کیا۔ اور تازہ دم فوج کی خوشخبری سنائی۔

قعقاع بڑے جری آدمی تھے۔ وہ آتے ہی میدان جنگ میں کود پڑے۔ اور دشمن کی صفوں کے قریب آن کر ایرانی پہلوانوں کو للکارا۔

پل والی لڑائی میں جس ایرانی شاہسوار نے ایرانی فوج کی کمان کی تھی اس نے اس للکار کا جواب دیا۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر مقابلہ میں آن

پہنچا۔ قعقاع اسے پہچان گئے۔ اور چلائے۔ "خدا جانتا ہے۔ آج میں تم سے ابو عبید اور ان کے ساتھیوں کا بدلہ لوں گا"۔ اور سچ مچ انہوں نے بدلہ لے لیا۔ اور چند لمحوں میں بہمن کو کاٹ کر زمین پر ڈال دیا۔ یکے بعد دیگرے کئی ایرانی سردار قعقاع کے ہاتھ سے مارے گئے۔

ہوتے ہوتے قعقاع کے پورے دستے کھلے میدان سے میدان جنگ میں بڑھتے دکھائی دیتے۔ انہوں نے آتے ہی تکبیر بلند کی۔ باقی سپاہ نے بھی تکبیر کہی اور میدانِ جنگ خدا کی عظمت کے نعروں سے گونج اٹھا۔

مسلمانوں کے دل بڑھ گئے۔ اور ایرانیوں کے حوصلے پست ہونے لگے۔ ان کے ساتھ آج ہاتھی نہ تھے۔ ہاتھیوں کی بھاگی ہوئی فوج ابھی قابو میں نہ آئی تھی۔

قعقاع اور اس کے ساتھیوں نے آج غیر معمولی بہادری دکھائی۔ اور غالباً سلمیٰ کو یہ کہنے کی ضرورت نہ رہی۔ کہ اے کاش مثنیٰ پھر آجائیں قعقاع نے مثنیٰ کی طرح ہی دادِ شجاعت دی۔ وہ اس جوش سے لڑے کہ ایرانی سواروں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مگر پیادہ فوج جمی رہی اور اس دن کی لڑائی پیادہ فوج کے بل پر لڑی جاتی رہی۔

یہ لڑائی پہلے دن سے زیادہ سخت تھی۔ دو ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی کھیت رہے۔ تاریکی پھیل گئی۔ تو دونوں فوجیں اپنے اپنے کیمپ کو لوٹیں۔ رات بھر دونوں طرف کے جوان مرد۔ زور زور کے نعرے لگاتے۔ اور اس طرح اپنے ساتھیوں کے حوصلے بڑھاتے اور آنے والے دن کا انتظار کرتے رہے۔

لڑائی کی تیسری صبح کو پھر دونوں فوجوں نے اپنے اپنے مقتولین

اور مجروحین کو سنبھالا مسلمانوں نے مُردوں اور زخمیوں کو میدان جنگ کے پچھلے حصہ میں پہنچادیا۔ تاکہ مسلمان عورتیں اور بچے ان کی دیکھ بھال کریں۔ عورتوں ہی نے شہدا کے لئے قبریں کھودیں۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کی۔

آج ہاتھیوں کی فوج پھر میدان جنگ میں آگئی۔ ان کے دونوں طرف ایرانی سوار اور پیادے متعین کئے گئے تھے۔ ابھی لڑائی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ کہ جناب ہاشم کمک کے چار ہزار باقی ماندہ سپاہیوں کو لے کر آن پہنچے۔ اور آتے ہی دشمن کی صف میں گھس گئے۔ اور دریا کے کنارے تک جا پہنچے پھر لڑتے لڑتے واپس پھرے۔ ان کی اس جرأت اور بہادری پر مسلمانوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے۔

آج لڑائی پھر بڑے زور کی تھی۔ ہاتھیوں نے مسلمانوں کی صفوں میں پہلے جیسا انتشار پھیلا دیا تھا۔ کہ حضرت سعد کے حکم سے قعقاع اور عاصم ہاتھیوں کے گرد ہوئے۔

ہاتھیوں کی فوج میں دو سب سے بڑے ہاتھی تھے۔ یہی ہاتھی سب سے آگے تھے۔ قعقاع نے نیزہ ہاتھ میں لیا۔ گھوڑے سے اُترے اور لڑتے لڑتے اس ہاتھی تک پہنچے۔ اور نیزہ اس زور سے اس کی آنکھ میں مارا کہ ہاتھی بلبلا اُٹھا۔ اس نے اپنی سونڈ سے قعقاع کو پکڑنا چاہا مگر وہ بہت زور سے پیچھے کی طرف اُچھلے۔ ہاشم نے دوسرے ہاتھی کی آنکھیں بھی پھوڑ دیں۔ دونوں ہاتھی درد کی وجہ سے بے چین ہو گئے۔ اور مسلمانوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ مسلمانوں نے نیزوں سے ان کا استقبال کیا۔ تو وہ ایرانیوں کی طرف پلٹے۔ اس طرح کئی بار ادھر آتے اور اُدھر

گئے۔ یہی حشر دوسرے ہاتھیوں کا بھی ہوا۔ ایرانی ہاتھیوں کو آگے بڑھاتے اور مسلمانوں کے نیزے انہیں پیچھے کو لوٹا دیتے۔ اور آخر ناچار ہو کر ہاتھی صفوں کو چیرتے ہوتے دریا کی طرف بھاگے۔ اور دریا میں کود گئے۔

جب تک ہاتھی موجود رہے۔ دونوں فوجیں ان کا تماشہ دیکھتی رہیں ایک طرح سے دونوں میں تھوڑی دیر کے لئے لڑائی تھم گئی تھی۔ لیکن جب ہاتھی بھاگ نکلے۔ تو لڑائی پھر زور پکڑ گئی۔

آج لڑائی نے خوب طول کھینچا رات ہو گئی۔ تاریکی ہر طرف پھیل نکلی۔ لیکن دونوں فوجیں ایک دوسری سے گتھی رہیں۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ ہٹی۔ اندھیری رات میں ہر طرف ہتھیار چمک رہے تھے اعضا کٹ کٹ کر گرتے اور خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ رات بھر لڑائی ہوتی رہی۔ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ کون کون کٹا اور کون کون زندہ رہا۔

خود سعد کو لڑائی کی کیفیت کا کچھ علم نہ تھا۔ وہ ساری رات سجدہ میں پڑے رہے۔ اور اپنے رب سے کامیابی اور کامرانی کی دعائیں مانگتے رہے۔

قعقاع اس لڑائی کے ہیرو ہیں۔ انہوں نے غیر معمولی جرأت کا ثبوت دیا۔ جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کو لڑائی کرتے ہوئے چوبیں گھنٹے ہو چکے تھے مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ قعقاع نے ان سب میں پھر نئی روح بھر دی۔ وہ ہر صف کے سامنے آئے اور چلائے۔

فتح اس کی ہے۔ جو آخر وقت تک جما رہے گا۔

ان کے حوصلے بڑھانے سے مسلمان فوج نے پوری تازگی کے ساتھ نیا حملہ کر دیا۔ اور یہ حملہ اس زور کا تھا۔ کہ ایرانی صفیں الٹنے لگیں قعقاع

نے ایرانی قلب توڑ ڈالا اور ایرانی صفیں الٹتے الٹتے رستم کے کمپ تک پہنچ گئے۔ رستم تخت چھوڑ کر بھاگا۔ مگر ایک مسلمان سپاہی نے اسے پکڑ لیا۔ اور قتل کر کے اس کے تخت پر چڑھ کر پکارا۔

"ایرانی سپہ سالار مار ڈالا گیا۔"

سپہ سالار کی ہلاکت نے ایرانی فوج کا رہا سہا حوصلہ توڑ ڈالا۔ اور بھڑے ہوئے ساری صفیں پیچھے ہٹنے لگیں۔ مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھاگتے دشمن کو بڑھ بڑھ کر قتل کیا۔ ایرانی فوج دریا کی طرف بھاگی۔ کچھ سپاہی تلوار سے بچنے کے لئے دریا میں کودے اور بہ گئے۔ باقی مسلمانوں کی تلوار سے بچ نہ سکے۔ اور میدان جنگ ایرانیوں کی لاشوں سے بھر گیا۔

اس جنگ میں آٹھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ یہ اتنا بڑا نقصان ہے جتنا آج سے پہلے کسی لڑائی میں نہیں ہوا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے۔ اور جو بچے وہ دریا کی نذر ہو گئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو غیر معمولی مال غنیمت ملا۔ صرف سونا اتنا تھا کہ ہر سپاہی کے حصہ میں چھ چھ ہزار دینار آئے۔ جواہرات اور قیمتی موتی بھی ڈھیروں تھے۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ شاہی جھنڈے میں جو جواہرات لگے تھے۔ ان کی قیمت ایک ہزار دینار سے کم نہ تھی۔

قادسیہ کی جنگ نے مسلمان سپاہیوں کو مالا مال کر دیا۔ اور وہ جنہیں یزدجرد نے افلاس کا طعنہ دیا تھا۔ اچھے خاصے مالدار بن گئے۔

اس جنگ نے ایرانی بادشاہت کی بنیادیں ہلا دیں۔ دور اور نزدیک ہر طرف اس لڑائی کے قصے تھے۔ لوگ ہر طرف سہمے تھے۔ اور اکثر ایسے تھے

جو بھاگ بھاگ کر حضرت سعد کے پاس آتے اور اسلام قبول کرتے گئے۔

قادسیہ کی جنگ چونکہ بہت طول پکڑ گئی تھی۔ اور تیاریوں میں کافی دن لگے تھے۔ اس لئے سارا عرب اور دوسرے ممالک اس کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے خاص طور پر حضرت عمرؓ تو اس کے نتائج جاننے کے لئے بہت بے تاب تھے۔ وہ ہر صبح مدینہ سے باہر آتے اور قادسیہ کے رستے پر کافی دور دور تک پیدل نکل جاتے۔ ایک صبح ابھی سورج طلوع نہ ہوا تھا۔ کہ قادسیہ سے آنے والی راہ پر ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ سوار اجنبی تھا۔ اس نے اس سے پہلے حضرت عمر کو دیکھا نہ تھا۔ مگر حضرت فاروق بڑے بے تاب تھے۔ انہوں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ تم نے مسلمان فوج کو کس حال میں چھوڑا۔ سوار نے بے توجہی سے جواب دیا۔ اللہ نے فتح دی۔ حضرت عمرؓ کا شوق بڑھا۔ وہ سوار سے جنگ کی تفصیلات پوچھتے جا رہے تھے۔ اور سوار مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حضرت عمر پا پیادہ اس کے ساتھ بھاگتے آ رہے تھے۔ وہ شوق کے عالم میں سب کچھ بھول گئے تھے۔ یہاں تک کہ سوار اور وہ دونوں مدینہ میں داخل ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور ہر طرف سے امیر المومنین مبارک ہو۔ کی آوازیں آنے لگیں۔ سوار نے حضرت فاروقؓ کو پہچانا تو اُسے اپنی گستاخی پر ندامت ہوئی۔ اونٹنی سے اتر آیا۔ اور انتہائی انکسار کے ساتھ حضرت فاروقؓ سے معافی چاہی۔

حضرت عمرؓ نے اسے تسلی دی۔ اس سے مصافحہ کیا۔ اور مسکرا دیئے۔

پھر مسجد نبوی میں مدینہ کے سارے مسلمانوں کو جمع کر کے انہیں یہ خوشخبری سنائی۔ اس موقعہ پر حضرت فاروق نے ایک تقریر بھی کی ■

انہوں نے مسلمانوں سے کہا میں تمہارا حاکم نہیں۔ تمہارا خادم ہوں۔ میں چاہتا ہوں، تمہیں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ تمہارے گھروں میں بھی امن ہو۔ اور تمہارے شہروں میں بھی اور دنیا کی کوئی قوت تمہیں پریشان و مضطرب نہ کر سکے۔ اللہ اللہ کتنے بڑے آدمی تھے۔ یہ فاروق رض بھی۔

پانچواں باب

ایرانی دارالسلطنت

قادسیہ کے میدان میں متواتر تین دن اور ایک رات لڑنے کے بعد مسلمان فوج بہت تھک گئی تھی حضرت فاروق رضؓ نے فتح کی خبر پاتے ہی حکم بھیجا۔ دو مہینہ تک کوئی پیش قدمی نہ کی جائے۔ سعدؓ نے ہر قسم کی پیش قدمی روک دی۔ اور فاتح فوج کو اجازت دے دی۔ خوب فتح کی خوشیاں منائے مسلمان سپاہیوں کے دامن زر و مال سے بوجھل ہو چکے تھے۔ اور وہ جن کے پاس پورے ہتھیار نہ تھے۔ اب نہ صرف ہر طرح مسلح تھے۔ بلکہ ایک ایک سپاہی کے پاس دس دس تلواریں تھیں۔ کئی کئی گھوڑے تھے خیمے اور چھولداریاں تھیں۔ لباس تھے۔ خوراک تھی اور سب سے بڑھ کر خوشی اور اطمینان تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ جو وعدے کئے تھے۔ پورے ہو گئے تھے۔ کئی کئی دن بھوک رہنے والے یہی مسلمان، اب اتنے آسودہ حال ہو گئے تھے۔ یہ رسول اللہؐ پر ایمان لانے کی برکت تھی۔ یہ اسلام قبول کرنے کا انعام تھا۔ جو اللہ کے دربار سے مسلمانوں کو ملا۔

ابھی پورے دو مہینے نہیں گزرنے پائے تھے۔ کہ ایک مسلمان مخبر خبر لایا۔ ایرانی فوج حیرہ کے قریب اکٹھی ہو رہی ہے۔

حیرہ وہی مقام ہے جہاں سے حضرت مثنیٰ نے پچھلے سال پسپائی اختیار کی تھی۔ اور ایرانی تیاریوں کے پیشِ نظر کسی قدر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ حیرہ پر اس سے پہلے مسلمان دوبارہ قابض ہوئے۔ لیکن اس وقت اس پر ایرانی فوج قابض تھی قادسیہ سے بھاگنے والے ایرانی بھی یہیں آن جمع ہوئے تھے۔ اور اسلامی فوج سے مقابلہ کے لئے پر تول رہے تھے۔

دو مہینے گزر گئے۔ تو حضرت سعدؓ نے پیش قدمی کا حکم دیا۔ اور ہوتے ہوتے حیرہ آن پہنچے۔ ایرانی فوج نے یہاں سے ڈیرے اُٹھا لئے اور بابل جا ٹھیری۔ حیرہ والوں نے شہر کے دروازے کھول دئے۔ شہر کے چودھری استقبال کے لئے آئے۔ وہ مسلمانوں کی حکومت کے مزے لوٹ چکے تھے۔ انہیں یاد تھا۔ کہ ان لوگوں نے اُنہیں ہر طرح کی سہولتیں بخشی تھیں۔ نہ ان کی دولت چھینی۔ نہ ان پر جبر کیا۔ اور نہ کوئی تکلیف دی۔

حضرت سعدؓ نے حیرہ والوں کو پہلے جیسی سہولتیں عطا کیں۔ اور ان پر ان ہی کے چودھریوں کو اختیار دے کر آگے کی طرف بڑھے۔ ایرانی فوج نے بابل پر سعدؓ کا مقابلہ کیا اور شکست کھا کر بھاگی۔

بابل کو عراق میں ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی حضرت سعدؓ نے اسے صدر مقام بنا لیا یہیں سے انہوں نے دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقہ پر یلغار کی۔ اور پچاس میل کے اندر اندر سارے علاقے پر چھا گئے۔ ایرانی سپاہیوں نے کہیں کہیں مقابلہ کیا۔ مگر ناکام ہوتے۔ اس فوج کشی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آس پاس کے تمام سردار آپ ہی آپ حضرت سعدؓ کے پاس

آتے گئے۔ ان میں سے کچھ اسلام لائے اور کچھ نے خراج دینا قبول کیا۔

گرمیاں گزر گئیں۔ فضا میں خنکی پیدا ہو گئی۔ تو حضرت سعدؓ نے ایرانی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی پر ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔ حضرت فاروقؓ سے پیش قدمی کی اجازت چاہی۔ اور جب اجازت آگئی۔ تو حضرت زہرہؓ کو سواروں کا ایک دستہ دے کر آگے روانہ کیا۔ اور خود مدائن کی طرف بڑھے۔ زہرہ کوثی پر پہنچ کر رک گئے۔

ایک ایرانی فوج کوثی پر جمع تھی۔ اس کے سپہ سالار شہریار کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ہاتھ نہیں دیکھے تھے۔ اس لئے جیسے ہی دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ شہریار قوی ہیکل گھوڑے پر سوار ہو کر اسدی فوج کے قریب آیا اور چلایا۔

"تم میں سے جو سب سے بڑا سردار ہو وہ میرے مقابلہ کو آئے"۔

زہرہ کو اس کا گھمنڈ برا لگا۔ انہوں نے اپنی فوج کے ایک سب سے کمزور اور نحیف سپاہی نائل کو حکم دیا۔ اس کے مقابلہ کو جاؤ۔

شہریار اپنے وقت کا بڑا پہلوان تھا۔ اس نے نائل کے سراپا پر نگاہ کی اور انتہائی حقارت کے ساتھ اس سے ہاتھ ملایا۔ دونوں میں مقابلہ ہونے لگا۔ تلوار پر تلوار بجنے لگی۔ شہریار اپنی پوری قوت سے نائل پر وار کر رہا تھا۔ مگر نائل انتہائی پھرتی کے ساتھ اس کا ہر وار روک رہے تھے۔ یہاں تک کہ شہریار کے بازو تلوار چلاتے چلاتے شل ہو گئے۔ اور اس نے نائل سے کہا گھوڑے سے اتر آؤ۔ تم اور میں دونوں کشتی لڑیں گے۔ نائل مان گئے۔ اور گھوڑے سے اتر آئے۔ شہریار پہلوانی کے گر خوب جانتا تھا۔ اس نے حضرت نائل کو لنگڑی دے کر گرا لیا۔ اور قریب تھا کہ ان کی چھاتی پر

چڑھ بیٹھے۔ مگر نائل غافل نہ تھے انہوں نے اس کے انگوٹھے کو دانتوں سے اس زور سے کاٹا۔ کہ شہریار ساری چوکڑی بھول گیا۔ اب شہریار چت تھا اور نائل اس کے سینہ پر سوار تھے۔ شروع میں دونوں فوجیں بڑی دلچسپی کے ساتھ یہ کشتی دیکھ رہی تھیں۔ اب شہریار چت ہوا تو ایرانی فوج کے دل ڈوبنے لگے۔ اور جب نائل نے شہریار کے سینہ میں خنجر گھونپ دیا۔ تو ایرانی فوج بھاگ اٹھی۔ مسلمانوں نے خوب بڑھ بڑھ کر اس کا تعاقب کیا۔ نائل اس میدان کے ہیرو بنائے گئے۔

زہرہ نے انہیں بڑے اعزاز کے ساتھ حضرت سعدؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور حضرت سعدؓ نے شہریار کا شاہانہ لباس، زرہ بکتر، گھوڑا اور زر وجواہر نائل کے سپرد کر دئے۔ یہ اس بہادر کا انعام تھا۔ اور بہادر ہمیشہ ایسے ہی انعام پاتے ہیں۔

شہریار کی شکست کے بعد اسلامی فوج بڑی تیزی کے ساتھ مدائن کی طرف بڑھتی گئی۔

مدائن موجودہ حکومت کا بھی پایہ تخت تھا اور اس سے پہلی حکومتوں کا بھی۔ یہ شہر اپنی شان و شوکت اور حشمت وجاہ کے اعتبار سے اس وقت کی دنیا میں اپنی نظیر آپ تھا۔ دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد ہونے کی وجہ سے اس کا حسن اور بھی بڑھ گیا تھا۔ ایرانی حکومت کے پہلے دور میں دجلہ کا مغربی کنارہ زیادہ آباد تھا۔ یہیں بادشاہوں کے محلات بنے۔ مگر بعد میں مشرقی کنارے کو رونق ملی۔ اور اس وقت جب سعدؓ کی فوج اس طرف بڑھی۔ مشرقی کنارے ہی کو محبوبیت حاصل تھی یہیں کسریٰ کا شاہی محراب تھا۔ جسے طاق کسریٰ کا نام ملا تھا۔

ہوتے ہوتے سعدؓ ایرانی تمدن اور تہذیب کی اس ریڑھ کی ہڈی کے قریب ہوتے گئے۔ ابھی شہر سے تھوڑے فاصلہ پر تھے۔ کہ یزدجرد کی ماں نے جو بڑی ملکہ کے نام سے مشہور تھی۔ ایرانی دربار کے بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ سعدؓ سے مقابلہ کیا۔

جوان ہمت ملکہ نے بڑی ہنرمندی اور جرأت سے اپنی فوج کو لڑایا۔ مگر ایرانی حکومت کا دیا اب بجھنے کو تھا۔ اور جس طرح دیا تیل ختم ہونے کے وقت بہت تیزی دکھاتا ہے۔ اور پھر دھم سے بجھ جاتا ہے۔ اسی طرح ایرانی حکومت بھی ختم ہونے کو تھی۔ یہ اس کے آخری لپکے تھے۔ بڑی ملکہ نے سخت شکست کھائی۔ بڑے بڑے نامی گرامی سردار کام آئے۔ اور حضرت سعدؓ اسلامی پرچم لہراتے شہر کے مغربی حصے کے قریب جا پہنچے۔

سعدؓ نے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے سنگِ مرمر کا وہ محل دیکھا جہاں ایرانی بادشاہوں نے خدائی کی تھی۔ دفعتاً سعدؓ کو رسول اللہ صلعم کی وہ پیش گوئی یاد آ گئی جو حضورؐ نے مدینہ میں خندق کھودتے وقت فرمائی تھی۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک پھاوڑہ تھا۔ اور اس سے ایک بڑی چٹان کو توڑ رہے تھے۔ پھاوڑے کی ضرب لگتے ہی چٹان پاش پاش ہو گئی۔ اور حضورؐ نے نبوت کی زبان سے فرمایا۔

"مجھے ایران کی کنجیاں دی گئیں!"

سعدؓ کو وہ وقت بھی یاد آ گیا جب حضورؐ نے یہ پیش گوئی کی تھی۔ اس وقت عرب کی ساری فاسد قوتیں جمع ہو کر مدینہ پر چڑھ آئی تھیں۔ یہ وقت تسلی کا نہ تھا۔ صحابہ اور خود حضورؐ کے پیٹ پر پتھر بندھے تھے۔

سعدؓ بھی اس ٹولی میں تھے۔ جو حضورؐ کے ساتھ خندق کھود رہی تھی۔ ان کے ہاتھ، ڈاڑھی اور سر مٹی سے اَٹے تھے۔ اور آج یہ سعدؓ ایک بڑی اسلامی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے مدائن کی چار دیواری کے ساتھ کھڑے تھے۔ انہوں نے ایرانی حکومت کا غرور توڑ دیا تھا۔

سعدؓ کا کارواں دریا کے کنارے کنارے عین اس شاہی محل کے قریب آن پہنچا۔ اور سعدؓ نے اس خدا کی تعریف بیان کی۔ جو سب سے بڑا ہے۔ جس نے محمدؐ رسول اللہ کو مبعوث فرمایا۔ سعدؓ اور ان کے ساتھی۔ اب ساری بلندیوں کو پھاند چکے تھے۔ سعدؓ نے اللہ کی خود بھی تعریف بیان کی اور ساتھیوں سے بھی کہا۔ اللہ کی بڑائی کے نعرے لگاؤ۔ فوج نے ایک ساتھ تکبیر بلند کی۔ کسریٰ کا یہ محل اس کی آواز سے گونج اُٹھا اور ایرانی شہزادوں اور بیگمات کے دل کانپ گئے۔

سعدؓ نے اس محل کے سامنے ڈیرے ڈال دئے۔ اور اس کی فصیل کو توڑنے کے سامان کرنے لگے۔ مدائن اپنے وقت کا سب سے مضبوط اور سب سے محفوظ شہر تھا۔ اس کی شہر پناہ اتنی اونچی اور اتنی چوڑی تھی۔ کہ نہ اس پر چڑھنا آسان تھا اور نہ اس میں چھید ہی کئے جا سکتے تھے۔

حضرت سعدؓ نے شہر پناہ پر پتھر برسانے کے لئے منجنیقیں بنوائیں۔ منجنیقیں بن گئیں تو ان سے شہر پناہ پر پتھر برسائے جانے لگے۔ مگر شہر پناہ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جا سکا۔ ایرانی شہر کے دروازے بند کر کے اندر محصور ہو گئے تھے۔ یہ کبھی کبھی دروازے کھول کر باہر آتے۔ اور ان کے جواں مرد اور بہادر سپاہی عربوں سے مقابلہ کرتے اور پھر واپس ہو کر دروازے بند کر لیتے۔

سعدؓ نے کئی مہینہ تک مدائن کا محاصرہ جاری رکھا۔ مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اس دوران میں حضرتؓ نے اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے، آس پاس کے علاقوں میں بھیجے۔ اور سرداران علاقہ کو گرفتار کرا کر اپنے پاس منگوالیا۔ لیکن ان سب کو حضرت عمرؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا۔ اس طرح تکریت سے لے کر تمام نیچے تک کا اور دریا دجلہ سے لے کر شاہی صحرا تک کا سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

محاصرہ کو ناکام دیکھ کر حضرت سعدؓ نے حکم دیا۔ شہر کی اچھی طرح ناکہ بندی کی جائے۔ شہر کی ناکہ بندی ہو گئی۔ تو منجنیقیں شاہی محلات پر اس زور سے آگ اور پتھر برسانے لگیں۔ کہ بادشاہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اور وہی یزدجرد جس نے مسلمانوں کو قابلِ التفات قوم نہ سمجھا تھا۔ ان سے صلح کرنے پر مجبور ہوا۔ اس نے حضرت سعدؓ کو لکھا۔ دجلہ کے مغرب کا سارا ملک آپ کا۔ میں اس پر آپ کی بادشاہت تسلیم کرتا ہوں۔ بشرطیکہ دجلہ کے مشرق میں آپ بڑھنا بند کر دیں۔ اور اس حصہ پر میری حکومت تسلیم کر لی جائے۔ حضرت سعدؓ نے یزدجرد کی پیش کش نامنظور کر دی۔ اور منجنیقوں کو حکم ملا۔ دن رات پتھر برسائیں۔ موٹے موٹے پتھر فصیل سے ٹکراتے۔ اور اس میں شگاف ڈال دیتے۔ رفتہ رفتہ یہ شگاف پھیلتے گئے۔ اور ایک دن ایسا آیا جبکہ حضرت سعدؓ فاتحانہ حیثیت سے شہر کے مغربی حصہ میں داخل ہو گئے۔ ایرانی سپاہیوں نے قطعاً مقابلہ نہ کیا۔ مقابلہ کی بجائے۔ وہ سب کے سب شہر کے مشرقی حصہ میں جو دریا کے مشرقی کنارے پر آباد تھا جا چھپے۔ وہ جاتی دفعہ ساری کشتیاں اپنے ساتھ لے گئے۔ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دجلہ موجیں مارہ

رہا تھا۔ پل توڑ دیا گیا تھا۔ اور مسلمانوں کے لئے کوئی راہ ایسی نہ تھی کہ وہ دریا کو عبور کر کے شہر کے مشرقی حصہ میں داخل ہو سکیں۔ یہ حصہ بھی مغربی حصہ کی طرح بڑی اونچی اور مضبوط فصیل سے گھرا تھا۔

مسلمان فوج حضرت سعدؓ کے حکم سے کئی ہفتے مغربی حصہ میں ٹھیری۔ ان بدوی عربوں کے سامنے انواع و اقسام کے عجائبات پڑے تھے۔ ایرانی اپنی ساری قیمتی چیزیں یہیں چھوڑ گئے تھے۔ عرب کے صحرا میں زندگی گزارنے والے مسلمان سپاہی ان عجیب و غریب چیزوں کو دیکھتے۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے جس نے انہیں ان کا مالک بنایا۔

گو مسلمانوں اور ایرانیوں میں دجلہ ایک آہنی دیوار کی طرح حائل تھا۔ اور کوئی راہ ایسی نہ تھی۔ جہاں سے مسلمان اس دریا کو عبور کر سکیں۔ ساری کشتیاں ہٹالی گئی تھیں۔ اور نئی کشتیاں تیار کرنا کئی مہینوں کا کام تھا۔ پھر بھی بزدل یزدجرد اپنے خاندان اور خزانہ سمیت مدائن سے بھاگ نکلا۔ اور حلوان میں جا چھپا۔ حلوان مدائن کے شمال میں ایک مضبوط پہاڑی قلعہ تھا۔

یزدجرد کے فرار نے ایرانیوں کے حوصلے پست کر دئے۔ اور وہ بڑی مایوسی کے ساتھ اس دن کا انتظار کرنے لگے جب مسلمان مشرقی حصہ پر قابض ہو کر ان کی قسمتوں پر اختیار پالیں گے۔

حضرت سعدؓ نے دریا کو عبور کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ پایاب جگہ معلوم کرنے کے لئے تیراک سپاہیوں کو دریا میں اتارا۔ مگر پانی بہت زوروں پر تھا موجیں اس تندی سے اٹھتیں۔ کہ تیراک واپس ہو جاتے۔ لیکن مسلمان بہادروں کے لئے۔ یہ بات ضبط سے باہر تھی کہ وہ

ناامیدی کے عالم میں دریا کے اس کنارے پر پڑے رہیں۔

سعدؓ اور ان کے ایک سردار عاصم سب سے زیادہ بے تاب تھے ان کا جی چاہتا تھا۔ دجلہ کی روانی کو دفعتاً روک دیں۔ اور ایک صبح تو ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو اٹھا۔ انہوں نے ساری فوج کو دریا کے کنارے جمع کیا۔ اور حکم دیا۔ دریا کو بغیر کسی کشتی سے عبور کر جاؤ۔

دریا میں کود پڑے

عاصم چھ سو سواروں کے ساتھ اس عجیب و غریب مہم کا آغاز کرنے کے لئے چنے گئے۔ سب سے پہلے عاصم نے دریا میں گھوڑا ڈالا۔ اور ان کے پیچھے چھ سو کے چھ سو سوار دریا میں کود پڑے۔ پانی بہت تیزی سے بہ رہا تھا۔ اونچی اونچی تند و تیز موجیں ان کا رُخ پلٹنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ مگر وہ بہادر سوار تھے۔ اسلام ان کا مذہب تھا۔ انہیں اپنے خدا پر بھروسہ تھا۔ وہ موجوں سے لڑتے اور ان کا منہ پھیرتے۔ دوسرے کنارے کے قریب آن پہنچے۔ ایرانی پہرہ داروں نے کشتیوں میں سوار ہو کر ان کی راہ روکی۔ مگر ان کے نیزوں نے۔ ان ایرانیوں کے رُخ پھیر دئے۔ اور چھ چھ سو اس کنارے پر آن پہنچے۔

حضرت سعدؓ نے عاصم کو دوسرے کنارے پر پہنچتے پا کر زور سے تکبیر کہی۔ اور اپنا گھوڑا بھی دریا میں ڈال دیا۔ ان کے پیچھے پیچھے، ساری مسلمان فوج دریا میں اُتر کر اس طرح آگے بڑھنے لگی جیسے دریا میں نہیں زمین پر چل رہی ہے۔ وہ بالکل ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ مل کر چل رہے تھے۔

تھے۔ دریا کی روانی آپ ہی آپ رُک گئی تھی۔ پانی کی موجیں سہم کر بہت پیچھے رُک گئی تھیں۔ دجلہ نے ایسا تماشہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی خونخوار موجوں نے کشتیاں دیکھی تھیں۔ مگر ایسے سوار نہ دیکھے تھے۔ جو ان کی روانی روک دیں۔

ایرانی یہ تماشہ دیکھ کر انگشت بدنداں تھے۔ عورتیں چیخ اور چلا رہی تھیں۔ بچوں کو ڈرایا جا رہا تھا جنوں بھوتوں کی قوم آن پہنچی۔ اور بھوتوں اور جنوں کی اس قوم سے ڈر کر بہت سے ایرانی بچوں اور عورتوں کو پیچھے چھوڑ کر شہر سے بھاگ نکلے جو پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اور مدائن کا مشرقی حصہ اپنے شاہی محلات اور خوبصورت باغات کے ساتھ مسلمان قوم کے قبضہ میں آگیا۔ مدائن سینکڑوں سال سے ایرانی شہنشاہوں کا پایہ تخت تھا۔ یہیں خسرو کا محل تھا۔ یہیں سے بیٹھ کر ایرانی شہنشاہوں نے "لمن الملک الیوم" کا ناقوس بجایا۔ اسی ایرانی پایہ تخت پر مسلمان قابض ہو گئے۔ اور خسرو کے محل پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ اور خدا کے سچے نبیؐ کی پیدائش پر کسریٰ کے جس محل کے کنگرے ٹوٹے تھے۔ اس میں اس کے ملانے والے سعدؓ اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑے بندھے نظر آتے۔

خود سعدؓ کسریٰ کے محل میں اُترے اور باقی مسلمان دوسرے محلات اور عالی نشان مکانوں میں پھیل گئے۔

محل میں داخل ہوتے ہی حضرت سعدؓ نے سب سے پہلے نماز شکرانہ ادا کی۔ اور خدا کا شکر بجا لائے۔ کہ اس نے ان کو فتح دی۔ اس نے اپنا پاک نبی ان میں بھیجا جس نے انہیں اس قابل کیا کہ وہ کسریٰ کے

محلات پر قابض ہو سکیں۔

شاہی محلات کیا تھے عجائبات تھے۔ خزانے سونے چاندی سے بھرے تھے۔ جواہرات، ڈھیروں کے ڈھیر ہر طرف پڑے تھے۔ سونے اور چاندی کے برتنوں، کرسیوں، میزوں کا تو شمار نہ کیا جا سکتا تھا۔ جواہرات سے منڈھے ہوئے تاج، تلواریں اور نہ جانے کیا کیا چیزیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ شاہی تخت تو حیرت انگیز تھا۔ صحرا نشین عربوں کی آنکھیں اسے دیکھ کر حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

محلات پر قبضہ پانے کے بعد مالِ غنیمت تقسیم ہوا۔ ہر سپاہی کے حصے میں بارہ بارہ ہزار دینار آئے۔ اس کے علاوہ ہر سپاہی کو کئی کئی قیمتی جواہرات بھی ملے۔ سونے اور چاندی کے برتن عمدہ سے عمدہ ملبوسات اور دوسری قیمتی چیزیں الگ تھیں۔ ہر سپاہی خوش تھا کہ اللہ نے اسلام کے صدقے اسے اتنی دولت بخشی۔

مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ روانہ کیا گیا۔ جب یہ حصہ مدینہ پہنچا تو مدینہ کے لوگ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ شاہی قالین پر حاضرین کی نگاہیں ٹکتی نہ تھیں۔ یہ قالین ۶۰ گز لمبا اور ۶۰ گز چوڑا تھا۔ اس پر عجیب و غریب باغ بنا تھا جس کے درخت، پودے اور پھول بہت قیمتی جواہرات سے بنے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب باقی کا مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ تو اس قالین کے متعلق استصواب کیا۔ اکثر کی رائے تھی اسے جیت کی نشانی کے طور پر رکھ لیا جائے۔ مگر اسلام کے نزدیک تو اس قسم کی چیزیں اس قابل نہ تھیں کہ انہیں رکھا جائے۔ یہ عوام کا مال تھا اسے عوام نے اپنی محنت سے حاصل کیا تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے بھری محفل میں اس

رائے کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا۔

اسے عوام نے جیتا ہے۔ یہ عوام کا مال ہے۔ اسلامی ریاست سرمایہ داری کو بڑھانے نہیں آئی۔ وہ تو دولت کو مساوی طور پر تقسیم کرنے کا اصول سامنے رکھ کر قائم ہوئی ہے۔ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے عوام میں بانٹ دو۔

حضرت علی رضؓ نے یہ بات بالکل ٹھیک کہی تھی۔ انہیں یاد تھا کہ حضورؐ وصال سے پہلے، سونے کا وہ ٹکڑہ بھی بانٹ گئے تھے۔ جو آخری بیماری میں حضورؐ کی خدمت میں باہر سے آیا۔ انہیں معلوم تھا کہ صدیق رضؓ نے شاہی خزانہ میں سوائے ایک دینار کے کچھ نہ چھوڑا تھا۔ حضرت علیؓ کی یہ رائے حضرت فاروق رضؓ کو بہت پسند آئی۔ اور انہوں نے حکم دیا۔

"اس قالین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔"

اس قالین کے مساوی مساوی بہت سے ٹکڑے کئے گئے۔ اتنے ٹکڑے جتنے کہ مدینہ کی آبادی تھی۔ مدینہ کی ساری آبادی نے غلام اور آقا بچے اور بوڑھے کی تمیز کے بغیر اس کا ایک ایک ٹکڑا پایا۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ ایک ایک ٹکڑے کی قیمت بیس بیس ہزار درہم پڑی۔ حضرت عمر رضؓ کے اس طریق عمل سے یہ اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ اسلام دولت کی تقسیم کس طرح کرنا چاہتا تھا۔ وہ دولت کو کسی ایک یا چند ہاتھوں میں دینے کا حامی نہ تھا۔

ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ عرب کوئی زرخیز ملک نہیں۔ اگر زرخیز ملک ہوتا۔ وہاں اتنی پیداوار ہوتی کہ وہاں کے باشندوں کے لئے کافی ہو سکتی۔ تو یہ پیداوار مساوی طور پر وہاں کے باشندوں میں بانٹ دی جاتی۔ خیال فرمائیے۔ کہ باہر سے جتنا بھی سامان یا روپیہ مدینہ پہنچا۔

فاروق رضؓ نے رسول اللہ اور صدیق رضؓ کی طرح اسے عوام میں تقسیم کر دیا۔ اسلامی سپہ سالاروں کو مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ مدینہ بھیجنے کی ہدایت اسی لئے کی گئی تھی۔ کہ مدینہ کے وہ لوگ جو مدینہ کے دفتری حفاظتی یا گھریلو مشاغل کی وجہ سے مدینہ سے باہر نہیں جا سکے۔ انہیں اس دولت میں شریک کیا جائے جو عوام کا ایک بہادر طبقہ اپنی قوتِ بازو سے پیدا کر رہا تھا۔

تقسیمِ دولت کا یہ اصول۔ فطری اصول تھا۔ اس سے ملک کی اقتصادی حالت آپ ہی آپ بہتر ہو جاتی ہے۔ قومی دولت میں سے ہر شخص کو مساوی حصہ ملنے سے ہر شخص یکساں خوشحال ہو جاتا ہے۔

مالِ غنیمت کے طریق تقسیم ہی کو دیکھئے۔ کہ جیسے ہی کوئی فوج کوئی نیا شہر فتح کرتی۔ اس وقت اس شہر کی دولت سپاہیوں میں بانٹ دی جاتی سوار کو دو حصے ملتے اور پیادے کو ایک۔ اس میں کسی کی تخصیص نہ تھی۔ نہ بڑے کی نہ چھوٹے کی۔ بڑا سوار بھی اتنا ہی حصہ پاتا جتنا کہ ادنیٰ سوار کو ملتا اور یہ سب کچھ اس لئے تھا۔ کہ فوج کی اقتصادی حالت یکساں سدھرے۔ ہر ایک کو یکساں دولت ملے۔ اور کوئی ایسا نہ رہے جو پیٹ بھرنے کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔

مدائن کی فتح سے ایک اور معاشی پیچیدگی بھی حل ہو گئی۔ فوج کے سپاہیوں کے پاس مکانات نہ تھے۔ مدائن فتح کرنے سے انہیں شاہی محلات ملے۔ حضرت سعد رضؓ نے یہ سارے محلات فوج میں بانٹ دئے۔ اس میں بھی کسی قسم کی تخصیص نہیں برتی گئی۔ شاہی محلات میں ان فوجیوں کے ڈیرے لگے جنہیں رہنے کے لئے جھونپڑیاں تک میسر نہ تھیں۔

چھٹا باب

آخری جدوجہد

مدائن کی فتح سے حضرت فاروقؓ بہت مطمئن ہوگئے۔ وہ بہت خوش تھے کہ ایرانی پایہ تخت پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور مدینہ سے لے کر دجلہ کے کنارے تک اسلام کی حکومت پھیل گئی ہے، مگر ایرانی ابھی مطمئن نہ تھے۔ وہ اپنی قسمت کو ایک بار اور آزمانا چاہتے تھے۔ ابھی ان کے دل میں قسمت آزمائی کا شوق تھا۔ وہ حلوان میں جمع ہو رہے تھے۔ اور بادشاہ کو مجبور کر رہے تھے۔ کہ انہیں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ایک بار پھر بھیجا جائے۔

یزدجرد نے ان کی بات مان لی اور انہیں لڑائی کی اجازت دے دی بادشاہ کے حکم سے ایرانی فوج نئے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر جلولہ پہنچی۔ جلولہ محفوظ ترین قلعہ بھی تھا جس کے چاروں طرف اونچی اور مضبوط فصیل پھیلی اور بہت گہری خندق کھدی تھی۔ اس کے دروازے خالص لوہے سے بنے تھے۔

جلولہ کی اس ایرانی فوج کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ حضرت سعدؓ نے ہاشم

اور قعقاع کو بارہ ہزار سپاہ دے کر اس فوج کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ہاشم اور قعقاع آگے بڑھے۔ اور جلولہ کا محاصرہ کر لیا۔

اس محاصرہ نے بہت طول کھینچا۔ ایک تو جلولہ خود محفوظ ترین مقام تھا۔ دوسرے یزدجرد حلوان سے جلولہ کی محصور فوج کی امداد کے لئے نئی فوجیں برابر بھیج رہا تھا۔ یہ نئی فوجیں مسلمانوں سے آخری لڑائی لڑ رہی تھیں۔ یہ ایرانی حکومت کی آخری کوشش تھی۔ تباہی سے بچنے کی خاطر جلولہ میں جو فوج محصور ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ بھی اس لڑائی میں شریک ہو جاتی۔ اور اسلامی فوج کو دو طرف کے حملے روکنے پڑتے۔ یہی وجہ تھی کہ محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔

ایرانی فوج اور مسلمانوں میں ابھی تک کوئی ایسا زور کا معرکہ نہیں ہوا تھا جس میں دونوں فوجیں جی بھر کر لڑ سکتیں۔ مگر ایک دن ایسا بھی آیا۔ جس نے ایرانی فوج کی تقدیر کا فیصلہ کر دیا۔

یہ ایک غمناک شام تھی۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے تھے۔ اور آندھی تو اس زور کی اٹھی تھی کہ باید و شاید۔ ایرانی فوج ابھی تھوڑی دیر پہلے شہر کے دروازے کھول کر میدانِ جنگ میں اتری تھی۔ اور یہ فیصلہ کر کے اتری تھی کہ آج آخری لڑائی لڑے گی۔ سچ مچ یہ آخری لڑائی ثابت ہوئی۔ آندھی لحظہ بہ لحظہ زور پکڑتی جا رہی تھی۔ اور مسلمانوں کا حملہ بھی شدت اختیار کر گیا تھا۔ ایرانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ مغلوب ہو کر پیچھے کو بھاگی۔ مگر ہاشم اور قعقاع نے اپنے مخصوص دستوں کو ساتھ لے کر ایرانی فوج کے بھاگنے کا رستہ مسدود کر دیا۔ قلعہ اور اس میں خود حائل ہو گئے۔ قلعہ کے دروازہ پر ایرانی خوب جم کر لڑے۔ اور ہوتے

ہوتے کٹتے گئے۔

نہ جانے یہ ایرانی فوج آدمیوں سے مرتب ہوئی تھی۔ یا یہ گاجر مولیاں تھیں۔ کہ دو گھنٹے کے اندر اندر ایک لاکھ کے قریب کٹ کر ڈھیر ہو گئیں۔ اور جلولہ کا مضبوط قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔

ہاشم اور قعقاع نے اس لڑائی کو جس تدبر، دانائی اور جرأت کے ساتھ جیتا۔ اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ان کے ساتھ صرف بارہ ہزار آدمی تھے۔ اور ایرانی کئی لاکھ سپاہیوں میں سے ایک لاکھ تو مار ڈالے۔ اور باقیوں کے ہاتھوں میں بزدلی کی ہتھکڑیاں پہنادیں تاکہ تاریخ میں ان کا نام رہ جائے۔

جلولاء بڑی اہم منڈی اور بڑا دولت مند شہر تھا۔ صرف اس شہر سے شہریوں کو لوٹنے سے نہیں۔ ریاست کے خزانوں اور سپاہیوں کی تھیلیوں سے مسلمان سپاہ کو تین کروڑ درہم میسر آئے۔

جلولا کے فتح ہو جانے کی خبر جیسے ہی یزدجرد کو ملی۔ بزدل بادشاہی کا جامہ پہننے کے باوجود حلوان سے بھاگ نکلا۔ قعقاع شمشیر براں بن کر حلوان جا پہنچے تھے۔ ان کے ساتھ صرف آٹھ ہزار آدمی تھے۔ انہوں نے جاتے ہی حلوان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ یزدجرد کے قائم مقام نے ان کا مقابلہ تو کیا مگر ہار گیا۔ حلوان بھی شاہی مستقر تھا۔ یہاں کے شاہی محلات سے کئی ایرانی شہزادیاں اور بیگمات بھی مسلمان سپاہیوں کو انعام میں ملیں۔ اور دولت اور جواہرات تو بے شمار ہاتھ آئے۔

حلوان اور جلولا کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ نے جب مال غنیمت تقسیم کر کے پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیجا۔ تو حضرت فاروقؓ رو پڑے!

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا خوشی کے اس موقعہ پر رونے کے کیا معنی؟ فاروق کی دوربین نگاہ مسلمانوں کے مستقبل پر تھی۔ اس لئے بولے۔

"میں روتا ہوں کہ جہاں دُنیا آتی ہے۔ جہاں دولت اور اس کے لوازم آتے ہیں۔ وہاں کردار قائم نہیں رہتا۔ دولت کا سیلاب اخلاق کو بہالے جاتا ہے"۔

جب اسلامی فوجیں حلوان تک پہنچ گئیں۔ تو حضرت فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کو حکم لکھا کہ اب اور آگے نہ بڑھیں۔ اور حلوان کی پہاڑیوں کو اسلامی حکومت اور ایرانی حکومت میں دیوار بنالیں۔ جب ان سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا!

"میری تو خواہش ہے۔ کہ عراق کے پہنے کے ممالک اور ہم میں ایک ایسی دیوار قائم ہو جائے۔ کہ نہ ہم ایرانیوں پر حملہ کرسکیں اور نہ ایرانی ہم پر چڑھ آئیں"۔

حضرت سعدؓ اور ان کے ماتحت سپہ سالار حضرت ہاشم اور قعقاع جب آگے بڑھنے سے روک دئے گئے۔ تو وہ دریائے دجلہ کے ساتھ ساتھ مدائن سے کوئی سو میل آگے تکریت تک کے علاقہ میں پھیل گئے۔ اور ہر جگہ اور ہر مقام کے اندرونی نظم ونسق اور آبادی کی بہتری اور فلاح میں دلچسپی لینے لگے۔

تکریت پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت ہاشم اور قعقاع کا دستہ موصل پر حملہ آور ہوا۔ اور اس پر قبضہ کر لینے کے بعد فرات کے ساتھ ساتھ قانی در تک پھیل گیا۔ اور ہر جگہ کامیاب ہوا۔

فرات کے کنارہ پر حیط ایک مضبوط چھاؤنی تھی جہاں ایرانی فوج کافی تعداد میں موجود تھی مسلمانوں نے جب حیط کا محاصرہ کیا۔ تو ایرانی فوج قلعہ بند ہوگئی۔ قلعہ بہت مضبوط تھا۔ اس لئے قعقاع نے آدھی فوج یہاں چھوڑی اور آدھی فوج کے ساتھ بہت تیز رفتاری کے ساتھ کرکسیہ کی طرف بڑھے۔ اور اس پر اچانک قبضہ کر لیا۔ کرکسیہ والوں کو خیال تھا کہ قعقاع ابھی حیط پر ٹھہرے ہیں۔ مگر قعقاع جب وہاں سے اچانک آگے بڑھے تو شہر والوں کے حواس باختہ ہوگئے۔ اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جب کرکسیہ پر قبضہ کی اطلاع حیط کے محصورین کو ملی۔ تو انہوں نے اس شرط پر اطاعت قبول کر لی۔ کہ انہیں وہاں سے سلامتی کے ساتھ نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ یہ درخواست قبول ہوئی۔ اور حیط اسلامی قبضہ میں آگیا۔

عراق میں اسلامی حکومت کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے حضرت عمرؓ نے یہ ضرورت محسوس کی۔ کہ خلیج فارس کے اس پہاڑی حصہ پر قبضہ کر لیا جائے جو مشرق کے رُخ واقع ہے۔ اس کام کے لئے انہوں نے عتبہ بن غزوان رضؓ کو عبولہ کی بندرگاہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ عتبہ بحرین سے روانہ ہوئے۔ اور عبولہ جا پہنچے۔ بندرگاہ کے پہرہ داروں کو شکست ہوئی اور عبولہ کی زیادہ آبادی سمندر کے راستے بھاگ نکلی۔ البتہ ایرانی فوج مسلمانوں پر حملے کرتی رہی۔ دریا کے کنارے پر ابھی مسلمان مضبوط پوزیشن حاصل نہ کر سکے تھے۔ اسی دوران میں ایک دن مسلمان عورتوں نے عجیب کارنامہ کر دکھایا۔

خیموں میں بیٹھے بیٹھے نہ جانے اُنہیں کیا سوجھی۔ کہ انہوں نے

اپنی اوڑھنیاں اتاریں خیموں کی چوبیں اکھیڑیں اور ان کے جھنڈے بنا کر فوجی لباس پہنے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگاتی اور فوجی طریق سے مارچ کرتی ہوئی اسی طرح آگے بڑھی۔ کہ دشمن سمجھا مسلمانوں کی امداد کے لئے کوئی نئی فوج آگئی۔ اس خیال سے اس کی ہمت جواب دے گئی اور عبدلہ پر مسلمان قابض ہو گئے۔

ساتواں باب

عراق وطن بن گیا

مدائن کی فتح کے بعد عراق کی تسخیر کا کام انجام کو پہنچ گیا۔ اور عراق کو تسخیر کرنے والی مسلمان فوج کو حکم ملا، عراق میں بس جائیں۔ اب ان کی حیثیت آباد کاروں کی سی ہوگی۔ اور عام آباد کاروں کی طرح انہوں نے حضرت فاروق رضؓ سے درخواست کی کہ ہمیں خالدیہ کی زمین بخش دی جائے۔ ہم نے اسے بزورِ شمشیر فتح کیا ہے۔ خالدیہ کی زمین زرخیزی اور شادابی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔

یہ درخواست جب حضرت فاروق رضؓ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ تو انہیں اس درخواست کی نوعیت پر بہت رنج ہوا۔ تاہم انہوں نے اکابر صحابہ کو جمع کیا۔ اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ ان سب کی رائے ہوئی کہ یہ درخواست رد کر دی جائے۔ اور عراق کے مسلمان سپاہیوں کو لکھا جائے۔ کہ عراق کی عام زمین جسے عام کاشتکار کاشت کرتے ہیں

عراق کے کسانوں کی ہے۔ وہ خواہ بھاگ گئے۔ یا نہیں بھاگے۔ یہ زمین ان سے چھینی نہیں جا سکتی۔ یہ زمین اگر ان سے چھین لی جائے۔ تو یہ لوگ زندگی کیسے گزاریں گے۔

البتہ تمہیں وہ زمین مل سکتی ہے۔ جو شاہ ایران یا ان نوابوں یا جاگیرداروں کی تھی جنہوں نے تم سے مقابلہ کیا۔ اور ہار گئے۔

خلافت کا یہ صحیح اور جائز فیصلہ تھا۔ ایک امن پسند اور رعایا پرور حکومت کو ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا جو حضرت فاروق رضؓ نے کیا۔

حضرت سعدؓ کو یہ جواب ملا تو انہوں نے فوج کے بڑے افسروں کو بلا کر یہ فیصلہ سنا دیا۔ اور حکم دیا اس کی تشہیر کر دی جائے۔

فتح کا کام ہو چکا تو حضرت سعدؓ کو ہدایات ملیں کہ ملک کے نظم و نسق کو درست فرمائیں۔ کاشتکاروں اور دوسری رعایا کی فلاح کے کام شروع کریں۔ اور انہیں اس قابل بنا دیں۔ کہ وہ اپنی ضروریات کی کفایت آپ کر سکیں۔

نئے مفتوح ملک میں از سرِ نو امن قائم کرنے کا کام بہت مشکل ہوتا ہے یہی مشکل کام اب سعدؓ کے سپرد کیا گیا۔ حضرت فاروق رضؓ نے ان کی سہولت کے لئے ہر باب میں ان کی رہنمائی فرمائی۔

حضرت فاروق رضؓ کے حکم سے علاقہ بھر کے چودھریوں کی ایک کانفرنس طلب کی گئی۔ اور ان لوگوں کو جو اسلام نہیں لائے تھے۔ یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے باہمی جھگڑوں کو اپنے مذہب کی روشنی میں طے کریں۔ معابد کی اصلاح و تعمیر اور دوسرے مذہبی مسائل کی تکمیل میں بھی انہیں پوری آزادی دی گئی۔ ان کی جانوں اور مال کی حفاظت حضرت سعدؓ نے اپنے ذمے لی

اور اس کے عوض انہیں حکم ملا۔ کہ ضرورت کے وقت فوجی خدمت انجام دو۔ یا ٹیکس ادا کرو۔ ٹیکس کی شرح بہت کم تھی۔ اور یہ ٹیکس صرف وہی لوگ ادا کرتے جو بالغ تندرست اور کماؤ تھے۔ عراق کی اسلامی حکومت کی یہ بات بہت زیادہ قابل لحاظ ہے۔ کہ ذمیوں کے ساتھ ہر طرح سے شرافت اور نیکی کا سلوک کیا گیا۔ فتوحات کے دوران میں جو کاشتکار اپنی اپنی بستیاں چھوڑ کر کہیں باہر چلے گئے تھے۔ بڑی محنت اور جستجو کے بعد واپس بلایا گیا۔ انہیں ہر قسم کی سہولتیں دی گئیں۔ تقاوی تقسیم ہوئیں جن کے پاس بیل نہ تھے۔ انہیں بیل دئے گئے۔ جن کے پاس بیج نہ تھے انہیں بیج ملے۔ جن کے پاس ہل نہ تھے انہیں ہل ملے۔ ان میں سے اکثر عیسائی تھے۔ مگر اسلامی حکومت نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا۔ جو مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا جاتا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر آبادی اسلام لے آئی۔

کسانوں اور کاشتکاروں کی زمین کے علاوہ جو زمین لوالوں۔ جاگیرداروں اور بادشاہوں کی ملکیت تھی۔ وہ چونکہ اسلامی حکومت کی تحویل میں آگئی۔ اس لئے جو کاشتکار موروثی طور پر کاشت کر رہے تھے ان سے یہ زمین چھینی نہیں گئی۔ ان کے حق کو مقدم جانا گیا۔ البتہ جو کاشتکار جنگ میں شامل ہو کر اپنی جگہ خالی کر چکے تھے۔ ان کی بجائے ان مسلمان سپاہیوں کو رکھا گیا۔ جنہیں زمین کاشت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ یہ عجیب بات تھی کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت سعدؓ کو سب سے زیادہ ذمی کاشتکاروں کے حال پر مہربان رہنے کا حکم دیا۔

بصرہ اور کوفہ کی بناء

عبولہ کے کھنڈرات پر جب پہلے پہل مسلمانوں نے نئی عمارات تعمیر کیں تو وہ کوئی زیادہ مضبوط نہ تھیں لیکن جیسے جیسے عرب سے اور مسلمان آتے گئے۔ عبولہ کی آبادی بڑھتی گئی۔ اور اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عمارات بہتر طریق پر بنائی جائیں لیکن جلد ہی مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ عبولہ کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے وہاں بے شمار مچھر تھے۔ اور یہ مچھر بہت سی بیماریاں پھیلانے کا باعث بنے۔ یوں ساحلی مقام ہونے کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا بھی عربوں کے مزاج کے خلاف تھی۔ اس لئے تین بار آبادی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کیا گیا۔ آخر بصرہ کی موجودہ جگہ پسند کی گئی اور ایک خوبصورت شہر کی بنا پڑ گئی۔

کوفہ کی بناء کے اسباب بھی کچھ اسی قسم کے تھے۔ یوں حضرت سعد اور ان کی فوج نے مدائن میں رہائش تو اختیار کر لی تھی۔ لیکن جب مدائن میں بسنے والے فوجیوں کا ایک وفد مدینہ پہنچا۔ اور حضرت فاروق نے ان کی صحت بگڑی دیکھی تو حال پوچھا! ان لوگوں نے کہا، مدائن کی آب و ہوا ہمارے موافق نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت فاروق نے حضرت سعدؓ کو لکھا ایک ایسی مناسب اور موزوں جگہ تلاش کی جائے۔ جہاں نیا دارالحکومت تعمیر کیا جا سکے۔ کوفہ کا میدان اس چیز کے لئے بہت موزوں تھا۔ یہ صحرا سے قریب بھی تھا اور پانی بھی یہاں کافی تھا۔

شہر کی تعمیر شروع ہوئی تو حضرت فاروقؓ نے سپاہیوں کو اختیار

دے دیا کہ اگر چاہیں کوفہ جا بسیں یا مدائن میں رہیں۔

کوفہ کی آب و ہوا عربوں کو خوب موافق آئی اور وہ کافی تعداد میں مدائن سے نکل کر کوفہ آن بسے۔ شروع میں کوفہ اور بصرہ دونوں شہر لکڑی کے تعمیر ہوئے۔ مگر چونکہ آگ لگ جانے کی کئی وارداتیں ہوئیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا۔ عمارتیں اینٹوں کی بنائی جائیں۔

حضرت سعدؓ کو یہ حکم بھی ملا۔ کہ کوئی سپاہی یا سردار تین کمروں سے زیادہ کمرے بنانے کا حقدار نہیں۔ شہر کی نئی تعمیر بہت تناسب اور اچھے انداز میں ہوئی۔ بازار بنے۔ اور گلیوں کے حلقے تیار کئے گئے۔ مرکز میں ایک عمدہ اور بڑی مسجد تعمیر کی گئی جس میں سنگِ مرمر استعمال کیا گیا۔ خود حضرت سعدؓ نے ایک عمدہ سا مکان بنوایا جس کی ایک ڈیوڑھی بھی تھی۔ اس ڈیوڑھی کی غرض یہ تھی۔ کہ مکان اور بازار میں ایک حد فاصل بن جائے۔ اور بازار کا شور اندر رسائی نہ دے سکے۔

خبر پھیلی کہ حضرت سعد نے ایک شاندار محل تعمیر کیا ہے۔ یہ خبر ہوتے ہوتے حضرت فاروق تک بھی پہنچ گئی۔ حضرت فاروقؓ کو سخت رنج پہنچا اور انہوں نے ایک صحابی کے ذریعہ حضرت سعد کو کہلا بھیجا۔ کہ اس ڈیوڑھی کو فوری طور پر گرا دیا جائے۔ یہ صحابی حضرت فاروق کا پیغام لے کر جب کوفہ آئے تو حضرت سعدؓ نے انہیں اپنے ہاں ٹھیرنے کی دعوت دی۔ مگر صحابی نہ مانے حضرت سعدؓ خود ان کے پاس گئے۔ تو انہوں نے حضرت سعدؓ کے نام کا خط انہیں دے دیا۔

اس خط میں لکھا تھا!

"مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ تم نے اپنے لئے ایک محل بنوایا ہے جسے لوگ سعد

کا محل کہتے ہیں۔ اور پھر تم نے لوگوں کو اپنے سے دور رکھنے کے لئے اپنے مکان کے سامنے ایک ڈیوڑھی بھی بنوا رکھی ہے ۔ اسے فوراً گروا دیا جائے"

حضرت سعدؓ نے یہ ڈیوڑھی فوراً گروا دی ۔ اور حضرت فاروقؓ کو لکھا ۔ کہ اس کے متعلق آپ کو صحیح اطلاع نہیں پہنچی ۔ اس سے مقصود یہ نہ تھا ۔ کہ اس طرح رعایا اور میرے مابین ایک پردہ حائل ہو جائے ۔

ان دونوں شہروں میں جو لوگ آباد ہوئے ۔ ان میں زیادہ تعداد ان کی تھی جو عرب کے بنجر اور بے آب و گیاہ صحرا میں پروان چڑھے تھے ۔ ان کے مزاج تلخ اور عادتیں ناپسندیدہ تھیں ۔ پھر ان ہی ناپسندیدہ عادات کا سرمایہ لے کر وہ اسلامی فوج میں داخل ہوئے ۔ یہ عام بھرتی کے لوگ تھے ۔ رنگروٹ قسم کے اور ان کی تربیت اور اصلاح پر حضرت فاروقؓ کو بہت توجہ کرنی پڑی ۔ سعدؓ عبداللہ بن مسعود، ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ اور کئی دوسرے معلم اخلاق صحابی وہاں بھیجے گئے ۔ تاکہ ان صحرا نشینوں کو اسلامی اداب سے آشنا کریں ۔ کئی اور بدری صحابہ جو اس مہم میں شامل ہوئے تھے ۔ یہاں بس گئے تھے ۔ ان کی وجہ سے بھی ان لوگوں کے اخلاق پر بہتر اثر پڑا ۔

مگر یہ اثر ابھی کمزور تھا ۔ بحثیں چھڑ گئی تھیں ۔ صواب دنیز کی حلت و حرمت کی ۔ مگر صحیح اسلامی جذبہ ان کے دل میں ابھی گھر نہیں کر پایا تھا ۔ اس لئے آگے چل کر یہی دو شہر اسلام کے لئے ایک بڑی مصیبت بن گئے ۔ یہاں سے خوارج کا فرقہ پیدا ہوا ۔ یہاں سعدؓ پر الزام لگے ۔ یہاں ابو موسیٰ اشعری ۔ اور مغیرہ بن شعبہ جیسے بزرگوں کی پگڑیاں اتاری گئیں ۔ اور سب سے بڑھ کر یہاں علیؓ سے غداریاں اور بے وفائیاں ہوئیں ۔ یہاں خلافت کو زوال آیا ۔ اور یہاں حسینؓ شہید ہوئے ۔

اے کاش یہ دونوں شہر آباد نہ ہوتے۔ اگر ہوتے تو ان کی حیثیت محض وقتی چھاؤنیوں کی ہوتی۔ سپاہیوں کی بارکیں اسلامی حکومت خود تعمیر کرتی۔ اور سپاہیوں کو محض سپاہی ہی رہنے دیا جاتا۔ شہری نہ بنایا جاتا۔

آٹھواں باب

شام میں

مثنیٰؓ کی فوج جس وقت بویب فتح کر کے مدائن کے دروازوں پر پہنچ گئی۔ قریب قریب اسی وقت حضرت خالدؓ بن ولید کی فوج دمشق کے سرسبز اور شاداب میدانوں کو روند رہی تھیں۔ دمشق اپنی عظمت اور قدامت کے اعتبار سے دنیا بھر میں انوکھا شہر ہے۔ اور اس وقت تو یہ عظیم الشان شہر تجارت، تمدن اور صنعت و حرفت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ محفوظ ترین شہر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے چاروں طرف بیس فٹ اونچی اور پندرہ فٹ چوڑی فصیل بنی تھی۔ اور اس قدر مضبوط تھی کہ کوئی حملہ آور اسے توڑ نہ سکتا تھا۔

محرم ۱۴ھ کی سولھویں تاریخ تھی جب حضرت خالد بن ولید نے اس شہر کا محاصرہ شروع کیا۔ عربوں کو فصیلوں والے شہروں کا محاصرہ کرنے کا تجربہ نہ تھا۔ اور نہ ان کے پاس ایسے آلات تھے جو ایسے شہروں کی فصیل توڑنے میں کام آئیں۔ جب کوئی صورت کامیابی کی نہ پائی۔ تو حضرت خالدؓ

نے شرجیل بن حسنہ عمرو بن عاص اور یزید بن ابو سفیان کو بھی بلا بھیجا۔ جب یہ لوگ آ گئے تو دمشق کا محاصرہ مکمل صورت اختیار کر گیا۔ مسلمان فوج شہر کے چاروں طرف پھیل گئی۔ اور کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہ گئی تھی۔ جہاں مسلمان سپاہی پہرہ نہ دے رہے ہوں۔ شروع شروع میں دمشق کے لوگوں نے محاصرہ کی شدت کو بڑی پامردی سے برداشت کیا۔ کبھی کبھی وہ دروازے کھول کر باہر آتے اور خوب حوصلے آزما کر پھر اندر بند ہو جاتے جب تک بند رہتے اس وقت بھی ہاتھ پاؤں مارتے۔ فصیل کے اوپر سے اسلامی فوج پر پتھروں اور آگ کی متواتر بارش کرتے رہتے ان کو امید تھی۔ باہر سے ان کی مدد کے لئے کوئی فوج آئے گی۔ لیکن جو فوج آئی حضرت خالدؓ نے اسے رستہ ہی میں روک لیا۔ اور اس کے بہت سے افراد کاٹ کر ڈال دیے۔

پورے چھ مہینہ کے محاصرہ کے بعد خالدؓ نے ایک کمزور جگہ کا پتہ چلا لیا۔ اور اسے توڑ کر فصیل کے اندر پہنچ گئے۔ یہ عجیب اتفاق ہوا۔ مسلمان اس شہر میں دو رستوں سے داخل ہوئے مشرقی دروازہ سے خالد اور مغربی سے ابو عبیدہ۔ دونوں کو ایک دوسرے کے داخلہ کا حال معلوم نہ تھا۔ دونوں بیستے ایتیل بازار میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تو انہیں بہت تعجب ہوا۔ خالدؓ کے ساتھی تلواریں بے نیام کئے تھے۔ اور ابو عبیدہ کے ساتھی تلواریں نیاموں میں رکھے تھے [1]

یہاں پہنچ کر عقدہ کھلا کہ شہر کے گورنر نے قلعہ کی دیوار ٹوٹتے وقت

---

[1] ابن خلدون۔ بعض مورخین کا بیان اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں ابو عبیدہ بزور شمشیر داخل ہوئے۔ اور خالد بذریعہ صلح۔

اپنی نازک حالت کا احساس کر کے ابو عبیدہ سے صلح کی درخواست کی اور دروازہ کھول دیا۔ چونکہ ابو عبیدہ نے شہریوں کو امان دے دی تھی۔ اس لئے خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ تلواریں نیام میں ڈال لی جائیں۔ شہر میں مکمل امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔ اور داخلہ بزور قوت نہیں بذریعہ صلح قرار پایا۔

رجب کا مہینہ تھا۔ جب خالد بن ولید اور دمشق کے گورنر کے مابین صلح نامہ مرتب ہوا۔

صلح نامہ کے الفاظ یہ تھے۔

یہ وہ معاہدہ ہے۔ جو خالد بن ولید نے، دمشق شہر میں داخلہ کے وقت یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ کیا۔

خالد بن ولید، شہر کے سارے باشندوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ شہر کی دیواریں توڑی نہ جائیں۔ اور گرجے باقی رکھے جائیں گے۔ کوئی مکان گرایا نہ جائیگا اور نہ اس کے مالک سے چھینا جائے گا۔

اس معاہدہ کے ضامن خداوند عزوجل، رسول اللہؐ آپ کے خلیفہ اور مسلمان ہیں۔

اختلاف رائے

مورخین کا اس باب میں اختلاف ہے۔ کہ دمشق کی فتح کے وقت مسلمان افواج کا بڑا سپہ سالار کون تھا۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ خالدؓ

تھے ۔ اور یہی قرین قیاس بھی ہے ۔ کیونکہ معاہدہ میں حضرت خالد کا نام آتا ہے بعض کا خیال ہے کہ ابو عبیدہ سپہ سالار تھے ۔ اور حضرت عمرؓ نے دمشق کے محاصرہ کے دوران میں خالدؓ کو ان کے اونچے منصب سے الگ کر دیا تھا ۔ اور اب وہ محض ایک رضاکار کی حیثیت سے جنگ میں شریک تھے ۔

نواں باب

یرموک کی لڑائی

حضرت عمرو بن عاص کو فلسطین میں شرجیل کو جرجان میں اور یزید کو دمشق کے ضلع میں چھوڑ کر حضرت خالدؓ حضرت ابوعبیدہ کی معیت میں شمالی شام کی طرف بڑھے۔

خالدؓ ابھی رستہ میں تھے کہ ایک بہت بڑی رومی فوج ان کی راہ روکنے کے لئے آگے بڑھی حضرت خالدؓ کے لئے اس فوج کی پیش قدمی کی خبر کچھ زیادہ پریشانی کا موجب نہ ہوئی۔ وہ اس وقت جس علاقہ میں تھے۔ یہ ان کے دوستوں کا علاقہ تھا۔ یہ ان کا علاقہ تھا جنہیں انہوں نے رومی ظالم بادشاہوں اور ان کے عمال سے نجات دی تھی۔ انہوں نے نہ کسی شامی کسان سے اس کی زمین چھینی اور نہ املاک پر قبضہ کیا۔ ان کا مقابلہ صرف رومی فوج سے تھا۔ عوام کو وہ اپنا بھائی سمجھتے اور شام میں ان کے آنے کی جہاں غرض اسلام کی اشاعت تھی۔ وہاں یہ بھی تھی کہ وہ اللہ کی اس

مخلوق کو ظالم رومیوں سے بچائیں۔

اس لئے شامی ان سے بہت خوش تھے۔ اور ان کی آرزو تھی کہ مسلمانوں کی حکومت کو دوام نصیب ہو۔ حمص ابھی ابھی فتح ہوا تھا۔ ان چند دن کے اندر اندر حمص والوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے ان سے انتہائی محبت ہو گئی تھی۔ اور انہوں نے طے کر لیا تھا کہ اگر یونانی آگے بڑھے تو وہ شہر کے دروازے ان پر بند کر دیں گے

مسلمانوں کی شرافت اور احساس فرض کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ جب رومی فوج قریب آ گئی۔ تو مسلمانوں نے مفتوح ذمیوں سے ان کی حفاظت کی خاطر جو ٹیکس لئے تھے وہ سب کے سب ان کو واپس کر دئے۔ اور کہہ دیا کہ چونکہ ہمیں ہماری حکومت کے دوام کا یقین نہیں رہا۔ اس لئے ہم تمام محاصل کو واپس کرتے ہیں۔ اگر ہمیں فتح حاصل ہو گئی۔ اور ہم ذمہ داری قبول کرنے کے قابل ہو گئے تو یہ محاصل پھر لے لئے جائیں گے۔

ایک[۱] عیسائی پادری کا بیان ہے۔ کہ جب یونانی فوج آگے بڑھ رہی تھی تو عربوں نے تمام ٹیکس واپس کر دئے جو ہم سے لئے تھے۔ یہ عرب جن کو اللہ نے ہمارا حاکم بنایا ہے۔ گو ہمارے مالک ہیں۔ لیکن ہمارے مذاہب کا پورا احترام کرتے ہیں۔ اور نہ صرف احترام کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دیتے۔ وہ ہمارے پادریوں سے عزت کے ساتھ پیش آتے۔ ہمارے گرجوں کو نذرانے دیتے اور ان کی دیکھ بھال میں دلچسپی لیتے ہیں۔

۱۔

یہ ایک عیسائی پادری کا بیان ہے حقیقت بھی یہی تھی مسلمانوں نے اپنے مفتوحین کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ روا رکھا تھا۔ اور عجیب بات یہ تھی کہ دمشق کے مشترکہ معبد میں مسلمان اور عیسائی ایک ہی دروازہ سے اندر داخل ہوتے۔ شانہ بہ شانہ اور پہلو بہ پہلو اور کوئی ایک دوسرے سے نہ الجھتا۔ ایک حصہ میں مسجد تھی اور دوسرے میں گرجا۔

یہ نئی یونانی فوج بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کے بینڈ باجوں کی آواز میلوں سے سنائی دیتی۔ اس میں نہ صرف رومی سپاہی تھے بلکہ غسانی عرب بھی تھے۔ ہزاروں آرمینی اور شامی بھی رومی فوج کی مدد کو آئے تھے۔

صرف رومی فوج دو لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ بارہ ہزار غسانی اور بارہ ہزار آرمینی تھے۔ جیسے جیسے یہ فوج آگے بڑھتی گئی۔ حضرت خالدؓ اپنی فوج کو پیچھے ہٹاتے گئے۔ اور آخر یرموک کے میدان میں آن پہنچے۔ یونانی فوج بھی یہیں آن رکی

بارہ جمادی الثانی کا دن تھا جب رومی فوج اور اسلامی فوج ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئیں اور یرموک کی مشہور اور خوفناک لڑائی کا آغاز ہوا۔ ایک مہینہ تک دونوں فوجیں ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کرتی رہیں کبھی کبھی ایک آدھ دستہ دونوں طرف بزدآزمائی کے لئے بڑھتا اور پلٹ جاتا۔ دونوں طرف سے شاہسوار جوہر مردانگی دکھلاتے رہتے۔ رات کے وقت شب خون بھی مارے جاتے۔ لیکن پورے ایک مہینہ تک کوئی بڑا معرکہ نہ ہوا۔

رجب کے مہینے میں ایک دن جبکہ بڑے زور کی آندھی اٹھی مسلمان

فوج نے رومی فوج پر بہت زور کا حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ رومی لڑتے لڑتے اسلامی کیمپ کے عقب تک پہنچ گئے۔ اور مسلمان عورتوں نے تلواریں ہاتھ میں لے کر ان کا مقابلہ کیا۔ اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔

رومی پیادہ فوج زنجیر میں پاؤں ڈال کر میدان جنگ میں اتری تھی تاکہ کوئی سپاہی بھاگ نہ سکے۔ لیکن عربوں کے نیزوں نے ان کے منہ پھیر دئے۔ اور وہ بوجھل بوجھل قدم اٹھاتی پیچھے کو پلٹی۔ رومی سواروں کا بھی یہی حشر ہوا۔ ان میں سے اکثر مارے گئے۔ سپہ سالار اور کئی بڑے سردار اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ موت کے دامن میں جا سوئے۔

کہتے ہیں یرموک کے میدان میں دو لاکھ رومی سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں اور ان پر کوئی رونے والا نہ تھا۔

یرموک کی اس لڑائی نے شام میں رومی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ شاہ روم نے اپنی ساری فوج اس میدان میں بھیج دی تھی۔ اس کے ساتھ اب صرف چند ہزار سپاہی رہ گئے تھے۔ اور جیسے ہی یرموک کی شکست کی اطلاع اسے ملی۔ تو وہ شام سے بھاگ نکلا۔ بھاگتے وقت اس نے بڑے ہی دردناک الفاظ کہے۔

اے میرے اچھے شام الوداع۔

یرموک کی فتح سے سارا شام مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہ رہ گئی۔ جو مسلمانوں کو شام سے نکال سکے۔

حضرت خالدؓ نے مفتوحہ علاقہ کا از سر نو انتظام کیا۔ اور ان لوگوں نے

گھی کے چراغ جلائے جنہیں یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ شائد اتنی بڑی رومی فوج کے مقابلہ میں مسلمان ہار جائیں گے۔

یرموک کی فتح کے وقت شام کی تاریخ میں ایک عجیب باب کا اضافہ ہوتا ہے۔ مورخین نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب شام فتح ہو چکا تھا۔ اور عراق کی جو فوج حضرت خالدؓ کی معیت میں شام کو فتح کرنے آئی تھی۔ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اب ملک شام کو کسی فاتح کی احتیاج نہیں تھی۔ اب تلوار کا کام باقی نہ تھا قلم کی ضرورت تھی۔ اس لئے حضرت فاروقؓ نے فوجوں کی کمان اور مفتوح علاقہ کی حکومت حضرت ابو عبیدہ کے سپرد فرما دی اور خالدؓ کی حیثیت ایک کمانڈنگ جرنیل کی رہ گئی۔

دسواں باب

حمص اور دوسرے شہر

یرموک کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے ساری فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ اور حمص کی طرف پیش قدمی کی۔

حمص، شام کے اہم مقامات میں سے ایک تھا ضلع کا صدر مقام ہونے کی وجہ سے اسے ایک قسم کی مرکزیت حاصل تھی۔ یرموک کے میدان میں جن رومیوں کو شکست ہوئی۔ ان میں سے کچھ بھاگی ہوئی فوجیں حمص آئیں۔ خود بادشاہِ روم ہرقل بھی وہیں تھا۔ اسے اس شکست کا انتقام لینے کی سوجھی۔ اس نے ایک بہت بڑی فوج جمع کی۔ اس فوج کے اجتماع کی خبر پاکر حضرت ابوعبیدہ خالدؓ کو ساتھ لے کر حمص کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خالدؓ کی حیثیت ابھی کمانڈر انچیف کی نہ تھی۔ فوجوں کی نقل وحرکت کی ذمہ داری ان پر باقی نہیں رہی تھی۔ البتہ وہ میدان جنگ کے سالار اب بھی تھے۔ اور ان کی آئینی پوزیشن بڑے سپہ سالار کے نائب کی تھی۔ آئینی طور پر ابوعبیدہ ان سے

بڑھے تھے۔

ابھی ابو عبیدہؓ ذوالکلاع کے مقام پر پہنچے تھے۔ کہ قیصر روم نے توذر بطریق اور شمس بطریق کو بہت بڑی فوج دے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ آج پھر حضرت خالدؓ نے میدانِ جنگ میں فوج کو لڑایا۔ دونوں طرف کے بہادر خوب جی کھول کر لڑے۔ شمس بطریق اور ابو عبیدہؓ میں دست بدست جنگ ہوئی۔ بطریق مارا گیا۔ اور رومی فوج میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ اس حال میں حضرت خالدؓ نے اس زور کا حملہ کیا۔ کہ رومی صفیں بکھر گئیں۔ اور ایسی بکھریں کہ ہزاروں آدمی میدان جنگ میں کود کر بھاگ نکلے حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کا تعاقب کیا اور حمص آن پہنچے۔ اسلامی فوج ابھی حمص کی راہ میں تھی کہ قیصر روم حمص سے بھاگا اور رہے جا پہنچا۔

حمص والوں نے میدان میں نکل کر لڑنے کی بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنے کو ترجیح دی۔ اور شہر کے دروازے بند کر لئے۔ ان کو خیال تھا کہ بادشاہ ان کی مدد کے لئے کوئی کمک بھیجے گا مگر جب محاصرہ طول کھینچ گیا۔ اور اسلامی فوج کی سختیاں بڑھ گئیں۔ اور بادشاہ کی طرف سے کوئی مدد بھی نہ آئی۔ تو شہر والوں نے ان ہی شرائط پر ہتھیار ڈال دئے جن پر دمشق والوں نے ہتھیار ڈالے تھے۔

حمص پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہ حماۃ کی طرف بڑھے حماۃ کے لوگ بھی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے۔ انہیں بھی امان دے دی گئی۔ پھر شیزر اور معرہ پر اسلامی فوج بڑھی۔ ان دونوں شہروں کے باشندوں نے بھی ہتھیار ڈال دئے۔

اب لاذقیہ کے میدان حضرت ابو عبیدہؓ کی فوج کے نعروں سے گونج اٹھے۔ شہر والوں نے بڑی حمایت اور بہادری سے لڑائی کی طرح ڈالی۔

مگر خالدؓ نے ان کی صفیں الٹ ڈالیں۔ اور شہر پر قبضہ کر لیا۔

لاذقیہ کے بعد سلمیہ کی باری آئی۔ وہاں بھی مقابلہ ہوا۔ اور وہاں بھی خالدؓ کے سامنے کفر کی فوج کے پاؤں نہ جم سکے۔

سلمیہ پر قبضہ کیا جا چکا تو حضرت خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کو پیچھے چھوڑا۔ اور ان سے اجازت لے کر خود قنسرین کی طرف یلغار کی۔ ان کے ساتھ صرف ان کا مخصوص سوار ڈویژن تھا۔ خالد قنسرین پہنچے ہی تھے۔ کہ قیصر کے نائب السلطنت میناس نے اپنی فوج کے ساتھ قنسرین سے نکل کر خالدؓ کی راہ روک لی۔

ابن خلدون اور واقدی کا بیان ہے کہ قنسرین کے میدان میں ایک ہولناک لڑائی کا منظر سامنے آیا۔ میناس کی موجودگی کے باعث رومی فوج کے حوصلے بہت بڑھے ہوتے تھے۔ مگر حضرت خالدؓ اور ان کے نائب ضرار بن ازور کے پے در پے حملوں نے رومی فوج میں انتشار پیدا کر دیا۔ صفیں الٹ گئیں اور جب صفیں الٹیں تو میناس پسپا ہوا اور رہے سہے ہوئے پیچھے ہٹ کر قنسرین کی شہر پناہ میں داخل ہو گیا۔ اور شہر کے دروازے بند کر لئے!

حضرت خالدؓ نے شہر کو محاصرہ میں لے لیا۔ شام کی ساری لڑائیوں میں کسی شہر کے محصورین نے محاصرہ کی حالت میں اتنی سرگرمی نہ دکھائی تھی۔ جتنی قنسرین والوں نے دکھائی۔ وہ شہر پناہ پر کھڑے ہو کر اس زور کی تیروں کی بارش کرتے کہ ایسا معلوم ہوتا کہ تیر ہیں کہ باندھ کر چلے آ رہے ہیں۔ خالدؓ کے ساتھی بھی بڑے سخت تھے۔ انہوں نے ان تیروں کے رخ پھیر دئے۔ اور کئی دن کے محاصرہ کے بعد شہر والوں کی ہمتیں توڑ ڈالیں۔ اور قنسرین کی دیواریں توڑ کر شہر میں گھس گئے۔

خالدؓ کی یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔ ان کے ساتھ بہت کم سپاہ تھی مگر اس تھوڑی سی جمعیت کے باوجود انہوں نے جس ہنرمندی اور مہارت فن کا ثبوت دیا۔ اس کی شہرت ہوا کے دوش پر اڑتی حضرت فاروقؓ کے کانوں تک بھی پہنچی سو وہ اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت خالدؓ کے اختیارات بڑھا دئے۔ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا۔ خالدؓ کو ہماری خوشنودی کی خبر کر دی جائے۔ اور ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ پہلے ہی کی طرح سپہ سالار ہیں۔ آپ جو کام کیجئے اس میں خالدؓ سے ضرور مشورہ لیجئے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت فاروقؓ نے خالدؓ کو حمص کا گورنر بھی بنا دیا۔ اس کے معنی یہ تھے۔ کہ حضرت فاروقؓ نے تلوار اور قلم دونوں کو یکجا کر دیا۔

حضرت خالدؓ قنسرین سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت ابو عبیدہؓ انہیں ساتھ لے کر حلب کی طرف بڑھے۔ راستہ میں انہیں اطلاع ملی۔ کہ قنسرین کے لوگوں نے پھر بغاوت کر دی ہے۔ خالدؓ پچھلے پاؤں لوٹے۔ اور قنسرین پر اس پھرتی کے ساتھ حملہ کیا۔ کہ قنسرین کے لوگوں کے مزاج درست ہو گئے انہوں نے اب حضرت خالدؓ کو بہت سا روپیہ تاوان کے طور پر دے کر امان چاہی۔ حضرت خالدؓ نے یہ تاوان قبول کر لیا۔

ادھر حضرت ابو عبیدہؓ راہ ہی میں رک گئے۔ اور عیاض بن غنم کو حلب کی طرف بھیجا۔ حلب والے پہلے تو لڑے مگر پھر صلح کر لی۔ خالدؓ بھی قنسرین سے واپس آ گئے۔ تو حضرت ابو عبیدہ انطاکیہ کی طرف بڑھے۔ انطاکیہ ہرقل کا الثانی مستقر تھا۔ یہاں بہت سے شاہی محل تھے۔ بادشاہ یہاں سال میں کئی مہینے قیام کرتا۔ اس لئے یہاں دوسرے شہروں کی نسبت سے بہت زیادہ محافظ فوج رکھی گئی تھی۔ ابھی حضرت ابو عبیدہؓ انطاکیہ

کے قریب آئے ہی تھے کہ انطاکیہ کی محافظ فوج نے ان کا رستہ روکا۔ بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔ ضرار بن آزور نے اس دن دو سو آدمی ایک ہی نیزے سے چھید ڈالے۔ اس طرح دوسرے مسلمانوں نے بھی غیر معمولی بہادری دکھائی۔ اور کفر کی صفیں الٹ ڈالیں۔ انطاکیہ والے بھاگے اور شہر میں داخل ہو کر محصور ہو گئے۔

ابو عبیدہ نے حکم دیا سارے شہر کی خوب اچھی طرح ناکہ بندی کر لی جائے۔ گو شہر کے اندر کھانے پینے کا سامان بہت کافی تھا۔ مگر اسلامی فوج کی منجنیقیں شہر پناہ پر آگ برسا برسا کر دیوار کو چاٹتی جا رہی تھی۔ انطاکیہ والوں نے حوصلے ہار دیئے۔ اور خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی اور ہتھیار رکھ دیے۔

انطاکیہ ابھی ابھی فتح ہوا تھا کہ خبر آئی۔ مصر کے قریب رومی فوج بہت بڑی تعداد میں جمع ہو گئی ہے۔ اور مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنا چاہتی ہے۔ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی حضرت ابو عبیدہ رض کچھ پریشان ہو گئے۔ مگر خالد رض نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور انتہائی دانائی سے کام لے کر کہنے لگے۔

حب ہم بہت تھوڑے تھے تو اللہ نے ہماری دستگیری کی۔ اور ہمیں غالب کیا اور اب تو ہم فاتح ہیں بسم اللہ کیجئے اور آگے بڑھیئے۔ میں خود آگے بڑھتا ہوں۔ مقدمتہ الجیش کے طور پر جنگ کی طرح ڈالتا ہوں۔ آپ میرے پیچھے آئیے۔

یہ کہکر خالد رض گھوڑے پر بیٹھے۔ ان کے ساتھ ان کا مخصوص دستہ بھی گھوڑوں کی پیٹھوں پر پہنچ گیا۔ اور خالد اسے لے کر ہوا کے

دوش پر اُٹھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے ۔ آج انہوں نے غیر معمولی بہادری دکھائی ۔ وہ اکیلے دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ۔ وہ کبھی ایک ہاتھ سے تلوار چلاتے اور کبھی دونوں سے انہوں نے دشمن کو حیرت میں ڈال دیا ۔ اس عالم میں ابو عبیدہ باقی فوج لے کر آن پہنچے ۔ اور آتے ہی حملہ کر دیا ۔ دشمن کچھ دیر ٹھہرا ۔ لیکن پھر بری طرح بھاگا ۔ دشمن کے بے شمار سپاہی مارے گئے ۔ اور بہت سا سامان اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے ۔ فوج نے شکست کھائی تو مصرہ والوں نے صلح کر لی حضرت ابو عبیدہؓ ابھی یہیں تھے ۔ کہ خبر آئی انطاکیہ والے پھر باغی ہو گئے ہیں عیاض اور حبیب بن مسلمہ وہیں تھے ۔ انہوں نے مل کر انطاکیہ پر پھر حملہ کیا ۔ اور رات کے انطاکیہ والوں کو خوب جھنجھوڑا انطاکیہ والے پھر صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہوئے ۔ عیاض بن غنم نے حضرت ابو عبیدہ کو اس درخواست کی اطلاع دی ۔ اُنہوں نے درخواست تو قبول کر لی ۔ البتہ حضرت فاروقؓ کو لکھا ۔ کہ شام کے لوگ دو دفعہ ایسا کر چکے ہیں ۔ اس کی کچھ تدبیر فرمائیے ۔ حضرت فاروق رضؓ نے جواب دیا ۔ ہر بڑے شہر میں ایک معقول فوج متعین کی جائے جس کی تنخواہ اور اخراجات خلافت کا خزانہ ادا کریگا انطاکیہ کے بعد شام میں کوئی خاص بڑی لڑائی نہیں ہوئی ۔ اب قریب قریب تمام بڑے شہر فتح ہو چکے تھے ۔ بادشاہ پہلے ہی شام چھوڑ چکا تھا ۔ اس کے جو سردار باقی تھے وہ بھی مارے گئے ۔ اور شام میں اسلامی حکومت اپنے پورے ضبط و نظم کے ساتھ قائم ہو گئی ۔

شام میں اب مقابلہ کی سکت باقی نہ تھی ۔ اس لئے بعد کی

لڑائیاں لڑائیاں نہیں معمولی جھڑپیں تھیں محض بقراس، مرعش اور مرث پر جو فوج کشی ہوئی۔ اس میں کوئی خاص مقابلہ نہیں ہوا۔ ان تینوں معرکوں میں سے ایک معرکہ حضرت خالدؓ نے سر کیا۔

گیارھواں باب

یروشلم (بیت المقدس)

شام اور فلسطین کی سرزمین ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ اسی لیے حضرت ابوبکرؓ نے جب شام کی فتح کا ارادہ کیا۔ تو فلسطین پر بھی فوج بھیجی۔ حضرت عمرو بن العاص اس فوج کے سپہ سالار تھے۔ جنگ یرموک تک، وہ اور شرجیل اجزجان کے بہت سے مقامات فتح کر چکے تھے۔ اور فلسطین میں یروشلم رسلہ اور کیبسریہ کے علاوہ باقی سب جگہوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

یرموک کے میدان میں حضرت خالدؓ نے بڑے سپہ سالار کی حیثیت سے عمرو بن العاص کو واپس ہونے کی اجازت دی۔ تو وہ سیدھے یروشلم کی طرف بڑھے۔ یروشلم کے لوگ لڑاکو نہ تھے۔ انہوں نے لڑنا پسند نہ کیا۔ اور شرط پیش کی کہ ہم شہر کا دروازہ اس وقت کھولیں گے جب حضرت فاروقؓ خود یروشلم (بیت المقدس) آئیں گے۔

حضرت فاروقؓ کو جیسے ہی اس شرط کی اطلاع ملی۔ وہ حضرت علیؓ

کو اپنا قائم مقام بنا کر یروشلم کی طرف چلے یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت فاروقؓ نے خلافت کی مسند پر بیٹھنے کے بعد عرب سے باہر کی دُنیا کا سفر کیا۔

تعجب ہوتا ہے کہ یہ فاروق اعظم کتنے بڑے اور کتنے اونچے انسان تھے۔ کہ انہیں کسی چیز کا ڈر نہ تھا۔ انہوں نے بیک وقت دُنیا کی دو بڑی سلطنتوں کو اُلٹ ڈالا تھا۔ مگر ان کا سفر عام آدمیوں کا سا سفر تھا۔ وہ کسی محافظ دستہ کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے نہیں نکلے۔ اسی سفر میں ان کا صرف ایک خادم ساتھ تھا۔ اور اس آقا اور خادم کے پاس صرف ایک اونٹنی تھی۔

اللہ کے اس بہادر اور بے غرض بندے کی مساوات دیکھو کہ اس نے اپنے اس خادم سے باری مقرر کر لی۔ اور طے کر لیا کہ آدھا رستہ اونٹ پر وہ بیٹھے گا اور آدھا رستہ عمر بیٹھیں گے جس وقت عمر فاروق اونٹ پر چڑھتے خادم اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے پیدل چلتا اور جب خادم کی باری چڑھنے کی ہوتی تو وہ اونٹ پر چڑھتا۔ اور حضرت فاروق بادشاہوں کے بادشاہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے بڑھتے۔

اسی طرح سفر کرتے کرتے یہ دونوں آقا اور خادم جابیہ پہنچ گئے۔ جہاں شام اور فلسطین کی ساری فوج اور سپہ سالار ان کے استقبال کو جمع تھے۔ سفر کی اطلاع مل چکی تھی۔ اور مسلمانوں کی آنکھیں اپنے محبوب خلیفہ کی راہ تک رہی تھیں۔ عجیب بات تھی کہ سفر کے خاتمے کے وقت خادم کے چڑھنے کی باری تھی۔ خادم اونٹ پر بیٹھے تھے۔ اور آقا نکیل تھامے اسلامی کیمپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ عمر جس کے نام سے لوگ کانپتے تھے۔ اس سادگی سے آئے کہ ابوعبیدہؓ اور دوسرے صحابہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حضرت عمرؓ اس وقت جو لباس پہنے تھے ۔ وہ کمبل کا تھا ۔ اور اس پر کئی پیوند لگے تھے ۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے درخواست کی ۔

"خدا کے لئے یہ لباس بدل دیجئے ۔ آپ غیروں میں آئے ہیں ۔"

لیکن حضرت فاروق نے ان کی بات نہ مانی ۔ وہ نمائشی نہ تھے ۔ وہ خدا کے دربار میں یہ کہلوانے کے لئے تیار نہ تھے ۔ کہ عمرؓ نے خلافت کے خرچ سے اچھا لباس پہنا ۔

مورخین نے اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے ۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت فاروق جابیہ کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ تو رستہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے ۔ نہائے ۔ کپڑے دھوئے اور اونٹ کی نکیل پکڑ کر جنگل میں نکل گئے ۔

حضرت ابو عبیدہ نے اعتراض کیا ۔

آج آپ نے ایک بہت بودی حرکت کی ۔ یہاں کے لوگوں نے آپ کو اونٹ چلاتے دیکھا ہو گا ۔ تو کیا کہتے ہوں گے ۔

حضرت فاروقؓ کو اس بات کا سخت رنج پہنچا ۔ انہوں نے جواب دیا ۔ اگر تمہارے سوا یہ بات کوئی اور کہتا ۔ تو میں اسے سبق دیتا ۔ تم خود جانتے ہو ۔ ہم کتنے ذلیل ، حقیر اور کمزور انسان تھے ۔ خدا نے ہمیں اسلام کا شرف بخشا اور ہمیں باعزت فرمایا ۔ اگر تم اسلام کے سوا کسی اور ذریعہ سے بزرگی پانا چاہو ۔ تو خدا تمہیں رسوا کرے ۔

پھٹے ہوئے کمبل کا کرتہ پہنے اور اونٹنی پر سوار ہو کر حضرت فاروق یروشلم کے دروازے پر پہنچے ۔ لوگوں نے آپ سے بہت اصرار کیا کہ لباس بدل لیں اور اونٹ کی بجائے گھوڑے پر سواری کریں ۔ پہلی بات تو حضرت فاروق نے رد کر دی ۔ البتہ دوسری مان لی ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جب

گھوڑے کی رفتار آپ کو پسند نہ آئی۔ تو آپ پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔

یروشلم کے دروازے پر لاکھوں آنکھیں دنیائے اسلام کے اس سب سے بڑے تاجدار کو دیکھ رہی تھیں۔ یروشلم کے لاٹ پادری اور دوسرے پادری دروازہ پر کھڑے تھے۔ وہ سب اس مقدس خلیفہ کی سادگی دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اور ان میں سے کئی چلائے۔

"جس قوم کا سردار ایسا ہو۔ وہ یقیناً دنیا پر فتح پائے گی"

یروشلم کا لاٹ پادری حضرت فاروقؓ کی پیشوائی کو بڑھا۔ اور کعبۃ اللہ کے بعد دنیا کے اس سب سے مقدس شہر کے دروازوں کی کنجیاں حضرت فاروق کے حوالہ کر دیں۔

حضرت فاروق اس شہر میں جس طرح داخل ہوئے۔ اس کی کیفیت ایک عیسائی مورخ کی زبان سے سنئے۔

"عمر یروشلم میں اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے پھٹے ہوئے کرتے میں لپٹے داخل ہوئے۔

انہوں نے یہودیوں سے درخواست کی کہ انہیں سلیمان کا بنایا ہوا معبد دکھائیں"

حضرت فاروقؓ جب یروشلم میں داخل ہوئے تو لاٹ پادری نے ان کی خدمت میں ایک جوڑا عمدہ کپڑوں کا نذر کیا۔ حضرت فاروق نے یہ تحفہ قبول تو کر لیا۔ لیکن اسے اسی وقت تک پہنا جب تک ان کا اپنا کرتہ دھل نہ گیا۔ جیسے ہی یہ پھٹا پرانا کرتہ دھل کر آ گیا۔ انہوں نے اسے پہن لیا۔ اور لاٹ پادری کے کپڑے اسے واپس کر دئے۔

یروشلم میں داخلے سے پہلے حضرت فاروق اور یروشلم کے باشندوں میں ذیل کا معاہدہ ہوا۔

یہ وہ معاہدہ ہے جو اللہ کے بندے اور مسلمانوں کے امیر نے اہلیہ (یروشلم) کے باشندوں کے ساتھ کیا۔

مسلمانوں کے امیر کی طرف سے یروشلم کے باشندوں کو ان کی جانوں اور اموال کی امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجے اور صلیبوں کی حفاظت کی جائیگی اور ان لوگوں کا بھی احترام کیا جائے گا۔ جو گرجوں میں رہتے اور صلیبوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ گرجے نہ مسمار کئے جائیں گے اور نہ انہیں مسجدوں میں تبدیل کیا جائے گا۔ ان کی جاگیروں اور جائدادوں پر بھی قبضہ نہیں کیا جائے گا۔ مذہب کے باب میں کسی پر کوئی سختی نہ کی جائے گی۔ اور نہ مذہبی رسوم کی راہ میں کوئی روکاوٹ ہی ڈالی جائے گی۔

یہود اور نصاریٰ اس شہر میں مل کر رہیں گے۔ اور ان کو وہی ٹیکس دینا پڑے گا۔ جو دوسرے شہروں کے لوگ دیتے ہیں۔

یونانی اور دوسرے لٹیرے شہر سے نکل جائیں۔ ان کی بھی اس وقت تک حفاظت کی جائے گی جب تک وہ کسی محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائیں۔

اجنبی ان ہی شرائط پر رہ سکتے ہیں جو شرائط عام شہریوں پر لگائی گئی ہیں اس وقت تک شہریوں کو کچھ نہ دینا پڑے گا جب تک نئی فصل پک کر تیار نہیں ہو جاتی۔

مسلمان اس معاہدہ کا ضامن اپنے خدا، اپنے رسول اور سارے مسلمانوں کو بناتے ہیں۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ جب تک یروشلم کے لوگ ٹیکس دیتے رہیں گے مسلمان اس معاہدہ کو نہیں توڑیں گے۔"

اس معاہدہ پر سب سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید پھر عمرو بن العاص عبدالرحمان بن عوف اور معاویہ بن ابوسفیان کے دستخط ہوئے۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت سلیمان کی مسجد کا پتہ چلایا۔ پھر انہوں نے حضرت مریم علیہ السلام کے گرجا کے قریب نماز پڑھی۔ اور پھر لاٹ پادری کی معیت میں شہر کے مختلف گرجوں اور دوسرے اہم مقامات پر تشریف لے گئے۔ اور ہر جگہ سے واقفیت حاصل کی۔

عیسائی مورخین کا بیان ہے کہ حضرت فاروق جب گرجے دیکھ رہے تھے تو نماز کا وقت آ گیا۔ لاٹ پادری نے آپ سے درخواست کی کہ گرجے میں نماز پڑھ لیں۔ مگر حضرت فاروق نے انتہائی مہربانی اور دانائی سے کام لے کر یہ درخواست قبول نہ کی اور فرمایا کہ اگر میں نے یہاں نماز پڑھ لی تو مسلمان اسے مسجد سمجھیں گے اور اس جگہ کو مسجد بنا لیں گے۔

حضرت عمرؓ نے بیت اللحم کو بھی دیکھا۔ انہوں نے اسے عیسائیوں کی ملکیت قرار دے دیا۔ اور بیک وقت وہاں ایک مسلمان سے زیادہ کے داخلہ کی ممانعت فرما دی۔

حضرت فاروقؓ نے فلسطین کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک صوبہ یروشلم کو قرار دیا اور دوسرا رملہ کو۔

حضرت عمر فاروقؓ کے یروشلم آنے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ فلسطین اور شام کے مفتوحہ ممالک میں نئی تنظیم پیدا کریں اور محاصل کو بہتر صورت میں لائیں۔

حضرت فاروقؓ نے مالگزاری کے اعتبار سے زمین کو دو حصوں میں بانٹا ایک حصہ عشریہ قرار دیا گیا اور دوسرا خراجیہ عشریہ میں ان علاقوں کی زمین

شامل تھی جہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے تھے۔ یا جہاں مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح پائی اور وہاں کی زمین آپس میں بانٹ دی۔ خراجیہ وہ علاقے قرار دیے گئے۔ جہاں کے لوگوں نے مسلمانوں سے معاہدے کئے۔ اور جنہوں نے خراج دینا قبول کیا۔ شام کی ساری زمین خراجیہ قرار دی گئی۔ اور اسلام لانے یا نہ لانے کی صورت میں کسی قسم کی تبدیلی سے انکار کر دیا گیا۔

جزیہ

فلسطین اور شام کی غیر مسلم آبادی پر جزیہ بھی لگایا گیا۔ جزیہ صرف وہی لوگ ادا کرتے جو بالغ اور قوی ہوتے۔ جو ہتھیار اٹھا سکتے۔ عورتوں، بچوں بوڑھوں اور معذور اشخاص کو جزیہ سے معاف رکھا گیا۔ جزیہ کی کئی قسمیں قرار دی گئیں۔ امیر لوگ ہر سال چالیس درہم یا دس روپے ادا کرتے۔ حالانکہ موجودہ دور میں امرا کو ہزاروں روپے ہر سال ٹیکس میں دینے پڑتے ہیں۔ مرفہ الحال اشخاص پر صرف بیس درہم یعنی پانچ روپے سالانہ دینا ضروری سمجھا گیا۔ اور جو غریب تھے۔ ان پر کوئی جزیہ نہیں لگایا گیا۔

پانچ اور دس روپے سالانہ ٹیکس لگانے والے فاروق رضؓ کے خلاف غیر مسلم مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور اسلام کے جزیہ کو ناقابل برداشت ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ رقم موجودہ دور کے ٹیکسوں اور سوپر ٹیکسوں کے مقابلہ میں انتہائی حقیر ہے۔

مفتوحہ علاقہ کے لوگوں کو ذمی قرار دیا گیا۔ یہ لوگ جن کی جان اور مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ تھی۔ اس خدمت کے عوض ان

ذمیوں پر ذیل کی پابندیاں لگائی گئیں۔
یہ لوگ نہ اسلام کو برا بھلا کہیں اور نہ رسول اللہ کی بے حرمتی کریں۔
اور نہ قرآن کی تذلیل کے مرتکب ہوں۔
کسی مسلمان کو قتل نہ کریں۔ دشمن کا ساتھ نہ دیں۔ جاسوسی نہ کریں
کسی مسلمان عورت کو نکاح میں نہ لائیں۔
یہ واضح کر دیا گیا کہ جو ذمی ان شرائط کا لحاظ نہ رکھے گا مسلمان اس کی حفاظت کے ذمہ وار نہ ہوں گے۔
مسلمان سپہ سالاروں نے مختلف شہروں کے لوگوں سے جو معاہدے اس وقت تک کئے تھے حضرت فاروقؓ نے ان کو بھی ضبط تحریر میں لانا ضروری سمجھا اور ان کی تصدیق بھی فرما دی۔
طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ جبلہ بن الیہم غسانی بادشاہ نے حضرت فاروق سے درخواست کی کہ اسے جزیہ سے معاف رکھا جائے۔ تو اس کی بجائے اس سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے۔ مگر حضرت عمر نے اس کی درخواست نہ مانی۔ کیونکہ اس طرح سارے نظام میں ابتری پیدا ہونے کا امکان تھا۔

بارھواں باب

شمالی شام میں بغاوت

حضرت فاروق رض کی خلافت کے پچھلے سال شمالی شام میں بغاوت نے سر اٹھایا۔ اور وہ دیہاتی قبائل پھر مخالف ہو گئے جو شمالی سرحد کے آس پاس آباد تھے۔

مورخین نے اس بغاوت کے اسباب بیان کرتے وقت اس بات پر زور دیا ہے کہ چونکہ شام کے ساحلی علاقے زیادہ محفوظ تھے۔ اس لئے رومی فوج جب بھی چاہتی سمندر کے سینہ پر سوار ہو کر ساحلی مقامات پر اتر آتی۔ آس پاس کے قبائل کو انعام و اکرام کا لالچ دیتی اور اسلامی قلمرو پر چھاپے مارتی۔

شمالی شام میں جو بغاوت اٹھی وہ پہلے سے زیادہ منظم تھی۔ بادشاہ روم کے مبلغ ساحلی مقامات کے آس پاس پھیل کر قبائل کو بغاوت کی تعلیم دے رہے تھے۔ یہ تعلیم رنگ لائی اور بدوی قبائل ہتھیاروں سے سج کر سرحدی

مقامات پر جمع ہونے لگے ۔ ادھر شاہِ روم نے اُن کی مدد کے لئے سمندر کے رستہ ایک جرار فوج بھیجی ۔ یہ فوج ساحل پر کیا اتری ۔ رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی اور قریب قریب تمام ساحلی علاقہ میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی ۔

ابو عبیدہ کو اس بغاوت کی اطلاع ملی تو بہت پریشان ہوتے حضرت فاروق رضؓ کو لکھا ، ہماری مدد فرمایئے ۔

فاروق رضؓ گو دور بیٹھے تھے ۔ مگر یہ دوری گو فاصلے کی دوری تو تھی مگر دل کی دوری نہ تھی ۔ ابو عبیدہ رضؓ کا خط ملتے ہی انہوں نے ایک نامہ بر کو حکم دیا ۔ بجلی کی سی سرعت سے سعد رضؓ کے پاس پہنچو ۔ اور اسے ہمارا پیغام دو ۔ قعقاع کی قیادت میں پانچ ہزار سپاہی شام پہنچ جائیں ۔ سعد رضؓ کو پیغام ملا اور قعقاع جو خود برق ساماں تھے ۔ بڑی تیزی کے ساتھ شام کی طرف بڑھے ۔

رستہ میں کئی جگہ ایسی بھی تھیں ۔ جہاں کچھ باغی قبیلے رہتے تھے قعقاع جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے ۔ باغی قبائل ان کی پیش قدمی کی خبر سنتے اور پیچھے ہٹتے گئے ۔

جو رومی فوج ان باغی قبائل کے بل بوتے پر روم سے آئی تھی ۔ وہ حمص کے قریب ڈیرے ڈالے پڑی تھی ۔ باغی قبائل واپس ہو گئے ۔ تو مسلمان فوج نے اسے آڑے ہاتھوں لیا ۔

خالد رضؓ نے آج کے معرکہ کی قیادت فرمائی ۔ اور اس جیرت اور جرأت کے مظاہرے کئے کہ اپنے اور بیگانے سب دنگ رہ گئے ۔

رومی بھاگے اور بہت سا ساز و سامان پیچھے چھوڑ گئے ۔

ادھر حضرت فاروق رضؓ کی بے چینی بہت بڑھ گئی تھی ۔ اور وہ مدینہ سے نکل آئے تھے اور جابیہ پہنچ گئے تھے ۔ یہیں انہیں فتح کی نوید ملی ۔

پرچہ نویسوں نے خالدؓ کی حد سے بڑھی ہوئی جرأت کے قصے بھی سنائے۔ فاروقؓ کے نزدیک اس قسم کے تہور اور بہادری کے مظاہر خطرہ کے موجب ہو سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے خالدؓ کو تنبیہ فرمائی اور یہیں سے مدینہ لوٹ آئے۔

تیرھواں باب

تکریت و جزیرہ

تکریت اور جزیرہ گو شام اور عراق میں شامل ہیں ۔ لیکن ان دونوں مقامات کی فتح شام اور عراق پر قبضہ پا لینے کے بعد ہوئی ہے ۔

تکریت ایرانی حکومت کے تابع تھا ۔ اور ایرانی گورنر وہاں رہتا ۔ اس کے ساتھ بیس تیس ہزار فوج بھی رہتی ۔ مگر عراق کی جنگ کے وقت تکریت کی بہت سی سپاہ مسلمانوں سے لڑتی ہوئی کام آئی مدائن کی فتح سے پہلے تکریت کو اپنے انجام کا کچھ زیادہ فکر نہ تھا ۔ مگر مدائن جیسے ہی فتح ہوا تکریت کے گورنر کے حواس جلتے رہے ۔ اور اس نے رومی اور ایرانی دونوں بادشاہوں سے مدد مانگی ۔ تکریت ایک سرحدی مقام ہونے کے باعث رومی حکومت سے بھی قریبی تعلق رکھتا تھا ۔ اس لئے اسے بچانے کے لئے دونوں حکومتوں نے گورنر تکریت کی امداد کی ۔ کچھ آس پاس کے قبائل جن میں بنو عیاض ، تغلب اور نمر زیادہ ممتاز ہیں ۔ کئی کئی ہزار کے جتھے لے کر تکریت پہنچ گئے ۔ اور تکریت کے میدان میں ایک

بڑی فوجی چھاؤنی کی صورت اختیار کر گئے۔

عراق کی قریبی سرحد ہونے کی وجہ سے حضرت سعدؓ کو سب سے پہلے اس نئے اجتماع کا علم ہوا۔ انہوں نے فاروق اعظمؓ کو لکھا۔ اور تکریت پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ حضرت فاروق نے حکم دیا۔ عبداللہ بن المعتم کو پانچ ہزار سپاہی دے کر تکریت بھیج دو۔

حیرت ہوتی ہے کہ حضرت فاروقؓ کو اپنی سپاہ پر کس قدر اعتماد تھا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ تکریت کے فوجی اجتماع کی تعداد پچاس ہزار سے کسی طرح کم نہیں۔

اور سچ مچ مسلمان بڑے بہادر تھے۔ حضرت فاروق کا اعتماد صحیح تھا۔ عبداللہ بن المعتم جن پانچ ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر تکریت پہنچے۔ انہوں نے تکریت پر جمع ہونے والے رومیوں، ایرانیوں اور عیسائی عربوں سب کو حیرت انگیز شکست دی۔ عرب قبائل میں سے اکثر اسلام لے آئے۔ بیس ہزار رومی اور ایرانی وہیں کھیت رہے۔ اور عبداللہ بن المعتم جب واپس آئے۔ تو ان کے ساتھ بے شمار روپیہ اور سامان تھا۔ جس میں خلافت کا پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ہر سپاہی کو تین تین ہزار درہم ملے۔

جزیرہ

تکریت پر عراقی فوج نے فتح پائی تو جزیرہ شامی فوج کے حصہ آیا۔ شروع میں عیاض بن غنم چند ہزار آدمیوں کا دستہ لے کر ادھر بڑھے۔ یہ جزیرہ کافی طویل و عریض تھا جزیرہ کے لوگوں نے کئی مقامات پر عیاضؓ کی فوج کو روکا۔ اور ایک بار تو صورت حال مخدوش ہو گئی۔ عیاض

نے خالدؓ سے امداد کی درخواست کی اور خالدؓ اپنے مخصوص دستہ کو ساتھ لے کر ہوا کے دوش پر اڑے۔ رسول اللہؐ کا دیا ہوا سیاہ علم ہوا میں لہراتے جزیرہ میں جا پہنچے۔ اور جزیرہ کے اس سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اس تیزی سے یلغار کی۔ کہ جزیرہ والوں نے ہر جگہ ہتھیار ڈال دئے۔ خالد بن ولیدؓ کی یہ آخری فوج کشی تھی۔

چودھواں باب

خالدؓ کا قصّہ

خالدؓ کا قصہ بھی کچھ عجیب ہے۔ جزیرہ کی فتح کے بعد جب وہ دارالحکومت کو پلٹے، تو ان کے پاس بہت کافی روپیہ تھا۔ اور یہ روپیہ انہیں مال غنیمت کے طور پر ملا تھا۔

دوستوں نے ان کی دولت مندی کی خبر سنی۔ تو ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ ان دوستوں میں ان کے دوست اور مشہور شاعر اشعث بھی تھے جنہیں حضرت خالدؓ نے دس ہزار درہم عطا کئے۔ پرچہ نویسوں نے یہ خبر فاروقؓ کو لکھ دی۔ فاروقؓ کی اپنی حالت کا اندازہ آپ کر چکے ہیں۔ وہ خلافت کے مال سے اچھا کپڑا نہ پہنتے۔ اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا کرتہ ان کے جسم کو ڈھانپنے کے لئے کافی ہوتا۔ کرتہ پھٹ جاتا تو اس پہ پیوند لگ جاتے! پرچہ نویس نے حضرت خالدؓ کے اس عطیہ کی خبر بہت بڑھا چڑھا کر فاروقؓ کو پہنچائی۔ انہوں نے لکھا خالدؓ بیت المال

کے روپے کو اس بے دلی کے ساتھ خرچ کر رہے ہیں۔ حضرت فاروق کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی۔ اس سے تھوڑی مدت بعد ان کو اطلاع ملی۔ کہ حضرت خالدؓ نے شراب سے ملے ہوئے پانی کے ساتھ غسل کیا ہے۔ اس میں بھی مبالغہ سے کام لیا گیا تھا۔

خالدؓ اس وقت قنسرین میں تھے۔ جب حضرت فاروق کا عتاب نامہ ابو عبیدہ کو ملا۔ حضرت بلالؓ یہ خط لے کر مدینہ سے حمص آئے۔ جہاں اسلامی فوجیں ڈیرے ڈالے تھیں۔ خط میں یہ ساری باتیں لکھی تھیں۔ اور حکم دیا گیا تھا کہ اس کی تحقیقات بر سر عام کی جائے حضرت ابو عبیدہ نے خالدؓ کو قنسرین سے بلایا۔ حمص کی مسجد میں لوگوں کو جمع کیا۔ یہ سب وہ لوگ تھے۔ جو خالدؓ کے ماتحت سینکڑوں لڑائیوں میں شریک رہے تھے۔ یہ سب خالدؓ کی عظمت کے معترف تھے۔ خود ابو عبیدہ حضرت خالدؓ کی بہادری کے معترف تھے۔ اور انہوں نے اس فریضہ کو بڑی بد دلی کے ساتھ پورا کیا۔

وہ ممبر پر چڑھے۔ خطبہ پڑھا۔ اور پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا۔ خلیفہ کا منشا پورا کریں۔ حضرت بلالؓ اٹھے۔ انہوں نے بلند آواز سے پوچھا۔

خالدؓ تم نے جو رقم الشیث کو دی۔ وہ کہاں سے آئی؟

یہ غیر متوقع سوال تھا۔ خالدؓ کو یہ وہم و گمان تک بھی نہ تھا۔ کہ انہیں اس مجمع عام میں اس لئے بلایا گیا ہے۔ اور یہ سارے لوگ یہاں اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ ان پر اس قسم کے سوال کئے جائیں۔ خالدؓ کے حواس قریب قریب گم ہو گئے۔ انہیں اپنا سر اور سر کے ساتھ ساتھ سارے حاضرین گھومتے اور ناچتے دکھائی دئے۔ وہ کچھ کہہ نہ سکے۔ دوستوں

نے ان سے کہا۔ اس سوال کا جواب دو۔ لیکن اتنی بڑی شخصیت کا مالک جس نے عراق اور شام میں دو حکومتیں الٹ ڈالی تھیں۔ جس نے لڑائی کے ہر میدان میں کودنا اپنے لئے شرف سمجھا۔ جس نے اللہ کے لئے جان ہتھیلی پر رکھی تھی۔ جو رسول اللہؐ سے اتنی عقیدت رکھتا کہ حضورؐ کے بال اپنی ٹوپی میں سی رکھے تھے۔ جسے حضورؐ نے اللہ کی تلوار کا خطاب بخشا تھا۔ یہ سوچ ہی نہ سکا کہ اس کے ساتھ ایسا بھی واقعہ پیش آسکتا ہے۔ مگر خالدؓ محض سپہ سالار تھے۔ وہ سپاہی تھے اور فاروقؓ کو اسلامی نظام کی تکمیل کا کام سپرد ہوا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے نظام کی بنا رکھ رہے تھے۔ ایسے نظام کی جس پر دنیا کئی ہزار سال بعد پہنچنے والی تھی۔ اس لئے وہ خالدؓ یا کسی اور کے ساتھ کسی قسم کی نرمی نہ کر سکتے تھے) یقیناً عمرؓ یہ اچھی طرح جانتے تھے۔ صرف دو لڑائیوں میں ہر مسلمان سپاہی کو ۱۲-۱۲ اور ۲-۲ ہزار دینار مال غنیمت میں سے ملے ہیں۔ خالدؓ کو بھی یقیناً یہ دینار پہنچے ہوں گے پھر انہوں نے مختلف لڑائیوں میں جتنے شہزادوں اور نوابوں کو قتل کیا۔ ان کے اسلحہ اور گلوں کے قیمتی زیورات بھی اصولاً ان کے حصہ میں آتے۔ عمرؓ کو یہ بھی معلوم تھا کہ خالدؓ نے اسلام کے لئے ہزار لڑائیاں لڑیں۔ انہوں نے عراق اور شام میں لڑتے لڑتے سینکڑوں زخم کھائے۔ ان کا سارا جسم زخموں سے چھدا تھا۔ لیکن اصول بہر حال اصول تھا۔

بلالؓ نے خالدؓ سے دوبارہ یہی سوال کیا۔

خالدؓ الشلث کو تم نے جو روپے دئے کہاں سے آئے؟

خالدؓ نہیں بولے۔ حضرت ابو عبیدہ کو بھی رنج تھا۔ وہ بھی دم بخود تھے۔ مگر بلال حبشی جنہیں محمد عربیؐ کے موذن ہونے کا شرف حاصل تھا۔

جو حبشی تھے۔ مگر محمدؐ کی غلامی نے انہیں شاہی بخش دی تھی۔ آگے بڑھے۔ انہوں نے حضرت فاروقؓ کا حکم پڑھ کر سنایا کہ خالد اگر مجرم ثابت ہوں تو انہیں معزول کر دیا جائے۔ انہوں نے معزولی کا اعلان کرنے کے لیے دم بخود خالدؓ کے سر سے ان کا خود اتارا۔ یہ خود اس شخص کے سر سے اتارا گیا جو عربوں کی تاریخ میں سب سے بڑا بہادر اور سب سے بڑا کامیاب جرنیل تھا۔ مگر محمد عربیؐ پر سچا ایمان رکھنے والے خالدؓ نے صرف آنکھ اٹھا کر بلال کی طرف دیکھا۔ بلال نے خالدؓ کے رومال ہی سے ان کے ہاتھ باندھے۔ اور ایک بار پھر وہی سوال دہرایا۔

خالدؓ تمہارے پاس یہ روپیہ کہاں سے آیا؟

بات حد سے بڑھ گئی تھی۔ خالدؓ جھنجھلا کر بولے۔

یہ میرا ذاتی روپیہ تھا! میں نے خیانت نہیں کی۔

اسلام کا اعجاز

یہ اسلام کی خوبی تھی کہ مسلمان کی زبان۔ جھوٹ نہ بول سکتی تھی۔ اس بات کو بلال بھی جانتے تھے۔ کہ خالدؓ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ ان کی زبان سچائی کی خود سند تھی۔ بلالؓ کے ہاتھ کانپ گئے۔ انہوں نے انتہائی ندامت کے ساتھ۔ خالدؓ کے دونوں بندھے ہوئے ہاتھ کھولے۔ انہیں سپہ سالاری کی ٹوپی پہنائی۔ اور انتہائی نرم آواز میں بولے۔

امیر! ہم پہلے ہی کی طرح آپ کا احترام کرتے ہیں۔ اور ہم آپ

کو اپنا سب سے بڑا سپہ سالار ملتے ہیں۔

ابوعبیدہؓ چپ تھے۔ وہ کچھ نہیں بولے۔ ان کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی خالدؓ بھی کچھ نہیں بولے۔ اور اپنے کیمپ کو چلے گئے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاروقؓ کو لکھ بھیجی۔ اور حضرت فاروقؓ نے حضرت خالدؓ کو مدینہ طلب کیا۔ ان کے بہی خواہوں نے اور بعض منافقین نے انہیں اکسانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا۔

فاروقؓ نے تمہاری بے عزتی کی۔ حالانکہ ان کی ساری عظمت کی عمارت تمہارے ہاتھوں سے تعمیر ہوئی ہے۔

مگر حضرت خالدؓ نے انہیں ڈانٹ دیا۔ البتہ جب وہ خود مدینہ پہنچے تو ایک پرانے ساتھی کی حیثیت سے عمرؓ سے شکایت کی۔

عمرؓ تم نے ایک سچے خادم اور دوست سے زیادتی کی۔ ایسے دوست سے جس نے تمہاری خدمت کی۔ میں تمہارے اس فعل کے خلاف مسلمانوں سے اپیل کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

وہ روپیہ کہاں سے آیا؟

خالدؓ کو پھر رنج ہوا۔

حضرت فاروقؓ کے اس سوال سے وہ دل برداشتہ ہو گئے۔ اور اٹھ کر گھر چلے گئے۔ مگر حضرت فاروقؓ کا شبہ قوی ہوتا جا رہا تھا۔ انہوں نے کئی بار خالدؓ سے یہی سوال کیا۔ اور آخر خالدؓ نے تنگ آ کر کہا۔

حضرت ابوبکرؓ اور تمہارے زمانہ میں میں نے جو لڑائیاں لڑیں۔ ان میں

مجھے مالِ غنیمت ملا! یہ روپیہ اس میں سے میں نے دیا تھا۔ ابوبکرؓ کے زمانہ میں مجھے ساٹھ ہزار دینار ملے۔ اس سے زیادہ جو کچھ ملا۔ وہ تمہارے زمانہ میں حاصل ہوا۔ تم چاہو تو یہ روپیہ مجھ سے لے سکتے ہو۔

حضرت فاروق رضؓ نے یہ بات مان لی۔ حساب کیا گیا تو حضرت خالدؓ کے حصہ میں ۸۰ ہزار دینار آئے تھے۔ ساٹھ ہزار ان کے پاس رہنے دیے گئے اور باقی بیس ہزار حضرت فاروق رضؓ نے ان سے لے کر بیت المال میں ڈال دیئے۔

اور حضرت فاروقؓ کا بس چلتا تو وہ یہ سارا روپیہ لے کر بیت المال میں ڈال دیتے۔ اور نہ صرف یہ روپیہ بلکہ ہر مسلمان مالدار کے خزانے بیت المال میں الٹ دیتے۔ اور پھر بیت المال سے ہر مسلمان کو برابر برابر روپے دیئے جاتے۔

حضرت فاروق اب مطمئن ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمام ماتحت صوبوں کے گورنروں اور عمال کے نام فرمان لکھے۔ ہر جگہ اعلان کر دیا جائے۔ کہ حضرت خالدؓ کو ان کے اونچے منصب سے اس لئے الگ نہیں کیا گیا۔ کہ ان پر خیانت یا ظلم کا الزام تھا۔ بلکہ اس لئے کہ عوام میں سے یہ غلط فہمی دور ہو جائے۔ کہ عراق اور شام کی فتوحات محض خالدؓ کی بہادری سے ہوئیں۔ اس میں خدا کی مہربانی کا شامل نہ تھی۔

یہ یقیناً صحیح استدلال تھا۔ اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ خالدؓ کی بہادری، شام۔ روم اور ایران میں ایک عجوبہ چیز بن گئی تھی اور مسلمان سپاہی تک یہ سمجھنے لگے تھے۔ کہ یہ ساری فتوحات حضرت خالدؓ کی وجہ سے حاصل ہو رہی ہیں۔ اس قسم کے خیال کے اسباب بھی بہت

تھے۔ سپاہی برابر دس بارہ سال یہ دیکھ رہے تھے۔ کہ اللہ کے بندے خالدؓ کو کبھی کسی میدان میں شکست نہ ہوئی۔ رسول اللہ کے زمانہ میں وہ دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ انہیں اکیدر دومہ کو گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ جگہ شامؑ کی سرحد پر تھی۔ مگر خالدؓ کی بہادری اور جرأت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ چند سو سواروں کے ساتھ مدینہ سے اتنی دُور گئے۔ اور اکیدر کو نہ صرف شکست دی۔ بلکہ اسے گرفتار کرکے حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ اکیدر معمولی شخصیت کا آدمی نہ تھا۔ مگر خالدؓ کا مقابلہ نہ کر سکا۔

پھر ارتداد کے وقت خالدؓ نے اپنی جرأت ایمانی کے خوب جوہر دکھائے۔ ارتداد کا فتنہ بہت سر پکڑ گیا تھا۔ مسلمہ کذاب۔ طلیحہ۔ سجاع۔ ملک بن نویرہ سرداران عرب باغی ہو گئے تھے۔ ان میں سے تین تو نبوت کے مدعی تھے۔ مگر ابوبکرؓ کے حکم سے خالدؓ نے ان سب سرداروں کو شکست دی۔ اور عرب کے گوشہ گوشہ میں امن و سکون کی لہر دوڑا دی۔ پھر وہ عراق کی طرف آئے عراق میں انہوں نے قریب قریب آدھا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ جب انہیں شام کی طرف بڑھنے کا حکم ملا۔ شام میں آنے سے پہلے۔ شام میں فتوحات کی رفتار بہت سست تھی۔ مگر ان کے آتے ہی ہوا کا رُخ پلٹ گیا۔ اور انہیں کسی مقام پر بھی شکست نہیں ہوئی۔ وہ ہزاروں کے مجمع میں اکیلے گھس گئے۔ انہوں نے ایک بار صرف ساٹھ اشخاص کے ساتھ ساٹھ ہزار دشمنوں کا مقابلہ کیا اور ایک بار صرف ۱۱ اشخاص کے ساتھ نوے ہزار کی فوج میں گھس گئے۔ وہ ینبع سے لے کر شام تک اپنا ایک ساتھی کھوئے بغیر لڑتے رہے۔

اتنے بڑے سپہ سالار کی موت میدان جنگ میں نہیں بستر پر ہوئی۔ وہ

حضرت عمرؓ کی خلافت کے آٹھویں سال میں بیمار پڑے۔ اور بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑتے وقت انہوں نے انتہائی حسرت کے ساتھ کہا۔

آہ میں کتنی بزدلی کی موت مر رہا ہوں۔

انہوں نے اپنی اس بیماری میں ملنے والوں کو اپنے جسم کے وہ زخم دکھلائے جو مختلف لڑائیوں میں انہیں پہنچے۔ یہ زخم سینکڑوں میں تھے اور سب سینہ کی طرف تھے۔ حمص میں جہاں وہ رہتے تھے انہیں دفن کر دیا گیا۔ مشہور سیاح ابن جبیر نے جب حمص کی سیاحت کی تو ان کی قبر بھی دیکھی اور مکان بھی دیکھا۔ اور اب کوئی نہیں جانتا کہ اتنے بڑے سپہ سالار کی قبر کہاں ہے۔ جو نپولین اور سٹالین سے بھی بڑا سپہ سالار تھا۔ جس نے کبھی کوئی شکست نہ دیکھی۔ مگر جو انتہائی رحم دل۔ فرض شناس اور پاکیزہ اخلاق مسلمان تھا۔

پندرھواں باب

سچا سوشلزم

حضرت فاروقؓ کی خلافت کے پانچویں سال ملک میں ایک ہولناک قحط پڑا۔ ملک کے طول و عرض میں کہیں ہینہ کی ایک بوند نہ ٹپکی۔ کھیتیاں اُجڑ گئیں۔ باغ سوکھ گئے۔ منڈیاں ویران ہو گئیں۔ اور جانور پیاسے اور بھوکے مرنے لگے۔ اور عوام کی حالت یہ ہوئی کہ ان میں سے اکثر مدینہ کی طرف بھاگے۔ وہ سب بھوکے اور پیاسے تھے۔ حضرت فاروق نے بیت المال کے دروازے ان پر کھول دیے۔ اور بیت المال کا دانہ دانہ ان کے سپرد کر دیا۔ اور شام اور عراق کے گورنروں کو حکم بھیجا کہ غلہ بھیجیں۔

حضرت فاروق کی فرض شناسی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے گھر کا سارا غلہ اور ہر کھانے کی چیز عوام میں تقسیم کر دی۔ وہ خود عوام کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اگر عوام بھوکے رہتے تو وہ بھی بھوکے رہتے۔ اگر عوام پیاسے ہوتے تو وہ بھی پیاس کو برداشت کرتے۔ حضرت فاروقؓ

نے قسم کھالی کہ جب تک عوام کو پیٹ بھر کر کھانا نہ ملے گا۔ اس وقت تک وہ نہ گوشت کھائیں گے نہ مکھن اور حتیٰ کہ دودھ تک نہ پئیں گے ایک بار ایسا ہوا کہ ان کے خدام نے بڑی قیمت دے کر دودھ اور گھی کے دو مشکیزے خریدے۔ اور حضرت فاروق کے پاس لائے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ مشکیزے عوام کے پاس بھجوا دئے اور خود ان میں سے ایک قطرہ بھی استعمال نہ کیا۔ انہوں نے یہ مکھن اور دودھ عوام میں تقسیم کرتے وقت فرمایا۔

میں ایسی قیمتی چیزیں استعمال نہیں کرونگا جنہیں عوام حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر میں یہ چیزیں کھانے لگوں تو مجھے کیسے معلوم ہو کہ میری رعایا کو بھوک کی وجہ سے کتنی تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے۔ میں ان میں سے ایک ہوں۔ اور مجھے ان کے ساتھ بھوک میں برابر کا حصہ لینا چاہیئے۔

اس قحط کو دور کرنے کے لئے حضرت فاروق نے ہر تدبیر کی۔ اور باہر سے غلہ منگوایا۔ حضرت ابوعبیدہ شام سے غلہ کی چار ہزار بوریاں، اونٹوں پر لاد کر مدینہ لائے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن عاص نے فلسطین سے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عراق سے بہت سا کھانے کا سامان بھجوا دیا۔

مدینہ کے باہر کیمپ

مدینہ کے باہر لاکھوں، بدویوں کے کیمپ نصب تھے۔ عرب کی قریب قریب ساری آبادی ان کیمپوں میں آن آباد ہوئی تھی۔ حضرت فاروق نے اپنے ہاتھوں سے باہر سے آنے ہوئے غلہ کو عوام میں تقسیم کیا۔

جو اونٹ غلہ لاد کر باہر سے آئے تھے۔ انہیں ذبح کر کے عوام کو گوشت مہیا کیا۔ اور اس طرح قحط پر وقتی طور پر قابو پالیا۔

پورے نو مہینے کے ابتلا کے بعد مدینے کے باہر سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور حضرت عباس حضور کے پاک چچا کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی حضرت فاروق ؓ نے دونوں ہاتھ خدا کی طرف پھیلا رکھے تھے۔ اور انتہائی عجز کے ساتھ روتی آنکھوں کے ساتھ اپنے خدا سے کہہ رہے تھے۔

اے خدا، اپنے محبوب نبی ؐ کے اس چچا کے صدقہ میں عوام کے حال پر رحم فرما اور بادلوں کو حکم دے کہ حجاز کی زمین پر برسیں۔

دعا قبول ہوئی۔ اور طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ابھی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ نہ جانے کہاں سے آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ اور ہر طرف موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ دعا مانگنے والے اس بارش میں خوب نہائے۔ یہ بارش سارے حجاز میں یکساں ہوئی۔ ہر طرف ندی نالے بہ نکلے کھیتیاں سر سبز ہو گئیں۔ اور بازار غلے سے بھر گئے۔ عوام اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور حجاز قحط سے پاک ہو گیا۔)

قسم توڑ دی

(جب سارا ملک سر سبز و شاداب ہو گیا جب ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق غلہ ملنے لگا۔ تو حضرت فاروق ؓ نے اپنی قسم توڑ دی۔ اور دودھ اور مکھن کو چکھا۔

کیا دنیا کی تاریخ میں ایسے اونچے کردار اور ایسی فرض شناسی کی

کوئی مثال ملتی ہے۔ کیا سوشلزم کی اس ترقی کے دور میں بھی کوئی بادشاہ ایسا نظر آتا ہے۔ جو عوام کے ساتھ بھوکا اور پیاسہ رہے۔ جو دودھ اور مکھن اس لئے چھوڑ دے کہ عوام کو کھانا نہیں ملتا۔ جو کئی کئی دن خود بھوکا رہے تاکہ عوام کو روٹی ملے۔

اس دور اور اُس دور میں بڑا فرق ہے اس وقت عرب میں کہیں کوئی ریل گاڑی نہ تھی۔ نہ ہوائی جہاز تھے اور نہ موٹریں۔ صرف اونٹوں کے کارواں چلتے۔ مگر اس کے باوجود حضرت فاروق رضؓ کے حسن انتظام اور عوام سے جذبہ محبت کا اندازہ اس سے کرو کہ انہوں نے پورے عرب سے چند ہفتوں کے اندر اندر قحط کی وبا دور کر دی۔ لیکن اس دور میں بنگال کی مثال ہمارے سامنے آتی ہے۔ اور اس وقت آتی ہے جبکہ ریل گاڑیوں کا جال چاروں طرف پھیلا ہے۔ ہوائی جہاز بھی ہیں اور موٹریں بھی۔ ان ساری چیزوں کے باوجود چالیس لاکھ آدمی بھوکے مر گئے۔ اور قحط پر پورا ایک سال قابو نہ پایا جا سکا۔

کیا یہ متمدن دور ہے۔ یا متمدن دور عمر فاروق کا تھا؟

سولھواں باب

قیصرہ پر قبضہ

قیصرہ شام کا آخری سرحدی ساحلی مقام تھا جو فتح ہونے سے باقی رہ گیا تھا یہی وہ جگہ تھی جہاں رومی فوج سمندر کے رستہ آسکتی تھی۔ اس لئے اس کو فتح کرنا ضروری سمجھا گیا اور دمشق کے گورنر جناب یزید نے مسلمان فوج کو اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان فوج جب وہاں پہنچی تو اس نے قیصرہ کا محاصرہ کر لیا۔ قیصرہ بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ جسے سمندر کے کنارے پر ہونے کے باعث سمندر کے رستے ہر قسم کی امداد پہنچ سکتی تھی۔ سامان اور سپاہیوں سے بھری ہوئی کشتیاں اور جہاز ہر روز قیصرہ پہنچ رہے تھے۔ مسلمان بے بس تھے۔ ان کے پاس کشتیاں اور جہاز نہ تھے۔ اور وہ سمندر میں لڑائی کرنے کے قابل نہ تھے۔ محاصرہ نے طول پکڑا۔ یزید نے مسلمان فوج کی مدد کے لئے اپنے بھائی معاویہ کو بھیجا۔ لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

قیصرہ کی آبادی بہت تھی۔ دو لاکھ تو صرف یہودی تھے۔ ستر ہزار یونانی تیس ہزار سمریطی اس کے علاوہ تھے۔ گویا اس وقت اس شہر کی آبادی تین لاکھ تھی اور تین لاکھ کی آبادی بہت ہوتی ہے۔ تین لاکھ فوج بڑی سے بڑی فوج کے مقابلہ میں پیچھے نہیں رہتی۔ قیصرہ کے لوگ اس لئے کئی سال تک مقابلہ کرتے رہے۔ مسلمان محاصرے سے تنگ آ گئے تھے۔ ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ شہر کی فصیل میں شگاف کر سکتے۔ مگر ان کے ایک جاسوس نے شہر پناہ کی ایک کمزور جگہ کا پتہ لگا لیا۔ مسلمانوں نے اچانک اس جگہ اس زور سے پتھر برسائے۔ کہ دیواریں چھید ہو گیا۔ اس سوراخ کے رستے مسلمان بڑے جوش و خروش کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ اور اتنا بڑا اسلامی شہر چند گھنٹوں کے اندر فتح ہو گیا۔

یہودیوں اور سماریطیوں نے مقابلہ نہیں کیا۔ یونانی لڑے اکا فی قتل ہوئے اور بیس ہزار قیدی بنے۔ جن میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی صرف چار ہزار قیدی مال غنیمت کے پانچویں حصے کے طور پر مدینہ بھیجے گئے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس شہر کی فتح سے مسلمانوں کو کئی لاکھ روپے کا سونا اور چاندی ملے۔ ابھی تک یہ تحقیق نہیں ہو سکا۔ کہ اس شہر پر قبضہ کس نے کیا۔ آیا عمرو بن العاص نے یا یزید یا معاویہ نے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عمرو بن العاص کو فتح نصیب ہوئی۔ بعض معاویہ کو خوش نصیب ٹھہراتے ہیں اور بعض ان کے بھائی یزید کو جو ابو عبیدہ کے بعد شام کے گورنر بنائے گئے تھے۔ مگر یہ تحقیق شدہ بات ہے۔ کہ یزید سنہ ۱۹ھ میں انتقال کر چکے تھے اور ان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ نے لی تھی۔

قیصرہ کی فتح کے زمانہ میں شام اور عراق کی سرحد پر ایک اور اہم

واقعہ پیش آیا۔ ان دونوں سرحدوں کے آس پاس رہنے والے اکثر عرب قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن بنو تغلب اور بنو عیاض اپنے مذہب پر قائم رہے تھے۔ نہ جانے کیوں اچانک بنو عیاض سرحدی علاقہ سے اُٹھ کر علاقہ غیر میں چلے گئے۔ اور بادشاہ نے انہیں جاگیریں دے دیں۔ یہ ایک مستقل خطرہ تھا اور اندیشہ تھا کہ یہ لوگ کہیں پھر نہ پھل پھول جائیں۔ اور اسلامی سرحد پر حملہ کر دیں۔ اس لئے حضرت فاروق نے رومی بادشاہ کو لکھا۔ ان لوگوں کو واپس کر دیا جائے۔ ورنہ وہ ان سارے عیسائیوں کو ملک بدر کر دیں گے۔ جو ان کی قلمرو میں رہتے ہیں۔

یہ دھمکی چل گئی اور بادشاہ نے ان لوگوں کو واپس کر دیا۔ اس قسم کا قصہ بنو تغلب کے ساتھ بھی پیش آیا۔ یہ بڑا بہادر قبیلہ تھا۔ اس نے حضرت خالدؓ کی اطاعت قبول کر لی۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان پر یہ پابندی لگائی کہ وہ اپنے مذہب پر قائم نہ رہیں۔

حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ کی یہ بات پسند نہ آئی اور انہوں نے ابو عبیدہ کو لکھا یہ پابندی اٹھالی جائے۔ اور ہر شخص کو اس کے مذہب پر قائم رہنے دیا جائے۔

ستر ھواں باب

شام میں طاعون

شام میں طاعون نے زور پکڑا۔ طاعون کا آغاز عمواس سے ہوا۔ اس لئے اس کا نام طاعونِ عمواس پڑا عمواس سے یہ طاعون حمص اور دمشق تک پھیل گئی۔ اور پھر صوبہ کا کوئی شہر بھی اس سے محفوظ نہ رہا مسلمانوں کی ساری چھاؤنیوں میں روزانہ ہزاروں آدمی اس طاعون سے مرتے بڑے اور چھوٹے سب اس میں مبتلا تھے حضرت خالدؓ کے چالیس بیٹے اس وبا کی نذر ہوئے۔ اور اس طرح اور بہت سے صحابہ موت کے دامن میں جا سوئے۔

حضرت فاروق کو اس وبا کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کو لکھا فوراً مدینہ پہنچیں۔ انہوں نے وجہ نہیں لکھی۔ اس لئے وہ جانتے تھے کہ ابوعبیدہ کبھی ساتھیوں کو پیچھے نہ چھوڑیں گے۔ حضرت ابوعبیدہ مقصد سمجھ گئے اور جواب لکھا۔

آپ کا حکم بجا لاتا ہوں۔ تو اپنا فرض پورا نہیں کرتا۔ میرا فرض ساتھیوں کے ساتھ رہنا ہے۔ اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونا ہے۔ میں ساتھیوں کو وبا میں مبتلا چھوڑ کر اکیلا مدینہ آنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میں ساتھیوں کے ساتھ ہی زندہ رہوں گا اور ان کے ساتھ ہی مروں گا۔

حضرت فاروق رض نے ابو عبیدہ کا خط پڑھا تو رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا آپ روتے ہیں۔ کیا ابو عبیدہ انتقال فرما گئے۔

حضرت فاروق نے جواب دیا مرے تو نہیں اور لوگوں کو خط سنا دیا لوگ بھی بہت متاثر ہوئے۔

حضرت فاروق رض یہ خط پاتے ہی شام کی طرف بڑھے۔ اور تبوک کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ ابو عبیدہ خود ان سے ملنے کے لئے وہاں آ گئے حضرت فاروق رض نے فوج کی تباہ حالت دیکھی تو سرداران فوج سے مشاورت کی سب لوگوں نے حضرت عمر رض سے اصرار کیا کہ وہ خود شام سے مدینہ لوٹ جائیں بعض لوگوں نے کہا۔

خدا کے فیصلہ سے بھاگنا ٹھیک نہیں۔

حضرت عمر رض نے جو سب سے دانا تھے فرمایا۔

لیکن خدا کے فیصلہ سے بھاگ کر ہم خدا کے فیصلہ کی طرف ہی جا رہے ہیں۔

حضرت فاروق بادل ناخواستہ مدینہ واپس آ گئے۔ واپسی کے وقت انہوں نے ابو عبیدہ کو حکم دیا کہ شام کی ساری فوج کو شہروں میں سے نکال کر کسی صحت افزا مقام پر لے جائیں۔

ابوعبیدہ کی شہادت

ابوعبیدہ نے حکم کی تعمیل کی اور فوج کو شہروں سے نکال کر ہوران کی طرف بڑھے۔ ابھی وہ الجابیہ پہنچے تھے۔ کہ طاعون نے ان کو آلیا۔ اور وہ اور ان کے صاحبزادے دونوں طاعون کا شکار ہو گئے۔

ابوعبیدہ پہلے اسلام لانے والے صحابہ میں بہت ممتاز تھے۔ انہیں حضورؐ نے امین الامت کا خطاب دیا تھا۔ حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ دونوں کو ان سے بڑی محبت تھی حضرت فاروقؓ ان کا بہت احترام کرتے مرتے وقت انہیں افسوس تھا کہ ابوعبیدہؓ زندہ نہیں ہیں۔ اگر زندہ ہوتے تو انہیں اپنی قوم کا پاسبان بنا جاتا۔ ابوعبیدہ سچ مچ اسی اعزاز کے قابل تھے۔ وہ بڑے مدبر، معاملہ فہم اور صلح جو آدمی تھے۔ اور غالباً اسی لئے حضرت فاروقؓ انہیں حضرت خالدؓ کی جگہ سپہ سالار مقرر کیا۔ اور تلوار کی جگہ قلم لے لی۔

ابوعبیدہ کے علاوہ حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت معاذ بن جبل اور یزید بن ابی سفیان جیسے نامور سپہ سالار بھی طاعون کی نذر ہوئے۔ سپہ سالاروں میں حضرت عمرو بن العاص صرف بچ رہے۔ وہ فوج کو ساتھ لے کر ہوران جا پہنچے۔ ہوران پہاڑی مقام تھا۔ اس کی آب و ہوا بہت اچھی تھی۔ فوج کو خوب موافق آئی۔ اور طاعون سے پیچھا چھوٹا۔

پچیس ہزار اشخاص

اس وبا نے اسلامی فوج کے پچیس ہزار جواں مرد سپاہیوں اور حیرت

انگیز قسم کے جانبازوں کو موت کے دامن میں سلا دیا۔ یہ اتنی بڑی فوج تھی کہ بڑے سے بڑے ملک کی فتح کے لیئے کافی تھی۔

طاعون کے اثرات

طاعون کے اثرات رنگ لائے پچیس ہزار سپاہی مسلمان فوج سے کم ہو گئے۔ تو شام پر رومی حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ مرنے والوں کی جائدادوں کی تقسیم نے عربوں کے تعلقات آپس میں خراب کر دیئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت فاروق؄ کو ایک بار پھر شام کا سفر کرنا پڑا۔

اس سفر کی کیفیت بھی پہلے سفروں جیسی تھی۔ فاروق جس وقت مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تو ان کے ساتھ صرف ایک خادم تھا۔ نہ کوئی محافظ دستہ ساتھ تھا اور نہ کوئی اور ہی ہم سفر تھا۔ خلیفہ وقت اس سادگی سے ایلہ آئے۔ شہر کے لوگ ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ بادشاہ عرب و شام و عراق کی سواری آ رہی ہے۔ بڑی شان و شوکت ہوگی۔ جب وہ شہر کے سامنے آئے تو مشتاق شہریوں نے انہیں خلیفہ وقت کا کوئی خادم سمجھا۔ اور انتہائی اشتیاق سے پوچھا۔

خلیفہ کہاں ہیں۔

حضرت فاروق؄ نے مذاق میں جواب دیا۔

وہ آپ کے سامنے ہیں۔

مشتاق شہری سمجھے حضرت کی سواری پیچھے آ رہی ہوگی ماس

لئے وہ پیچھے کی طرف لپکے۔ اور حضرت فاروق رضؓ نے سواری آگے بڑھائی اور شہر کے پادری کے مکان پر جا اترے۔ انہوں نے دوپہر پادری صاحب کے ساتھ بسر کی۔ رستہ میں ان کی قمیض پھٹ گئی تھی۔ یہ قمیض انہوں نے پادری کو دی کہ اس کی مرمت کر دے۔ پادری نے اس کی مرمت کرا دی۔ اور ایک قمیض نئی ان کو دی۔ مگر فاروق اعظم نے۔ جو بادشاہوں کے بادشاہ تھے۔ یہ نئی قمیض واپس کر دی اور اپنی ہی قمیض پہن کر دوپہر کے بعد سفر جاری رکھا حضرت فاروق شام کو آئے تو انہوں نے مختلف مقامات کا دورہ کیا مختلف فیہ جھگڑے سنے اور چونکہ بڑے صحابہ میں اور کوئی شام میں باقی نہ تھا اس لئے معاویہ بن ابوسفیان کو شام میں بڑا سپہ سالار بنایا۔ معاویہ بڑے بہادر آدمی تھے۔ وہ عقلمند بھی تھے۔ عمر فاروق نے ان کی یہ صلاحیتیں دیکھیں وہ غیب دان نہ تھے۔ اگر غیب دان ہوتے تو معاویہ کو کبھی شام کا بڑا سپہ سالار اور گورنر نہ بناتے۔

دل ہلا دینے والا منظر

حضرت فاروقؓ جس دن شام سے مدینہ کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو دمشق کے لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ بلالؓ سے کہیں اذان دیں حضرت بلالؓ حضور پاک کے موذن تھے۔ بلالؓ کو حضورؐ سے اتنی محبت تھی کہ حضورؐ کے وصال کے بعد بلالؓ نے عہد کر لیا۔ کہ وہ کبھی اذان نہیں دیں گے۔ اور اصل میں وہ دے سکتے ہی نہ تھے۔ جیسے ہی وہ اذان پڑھتے لگتے۔ انہیں حضورؐ یاد آجاتے۔ اور وہ روتے روتے بے حال ہو جاتے

جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت فاروق رضؓ نے بلال رضؓ سے درخواست کی۔ اور حضرت بلال رضؓ نے یہ درخواست رد کرنی مناسب نہ سمجھی۔ وہ دمشق کی سب سے بڑی مسجد کے مینار پر چڑھ گئے۔ اور اپنے مخصوص انداز میں اذان پڑھنے لگے۔

ابن اثیر اور طبری نے لکھا کہ یہ دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ جو صحابہ وہاں تھے۔ وہ زار زار رو رہے تھے۔ حضرت فاروق رضؓ کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی تھی۔ اور جب وقت بلال اذان دے چکے۔ تو خود ان کی حالت بڑی خراب تھی۔

محمد عربیؐ ان سب کے آقا، ان سب کے مولا ان کو یاد آ گئے تھے اور جس خوش نصیب نے محمدؐ کو دیکھا۔ وہ اس وجود پاک کی یاد پر کیسے قابو رکھ سکتا۔

اٹھارھواں باب

مصر میں

مصر کی فتح کا خیال سب سے پہلے حضرت عمرو بن العاص کو ہوا اسلام لانے سے پہلے وہ مصر کا سفر کر چکے تھے۔ اور اس ملک کی زرخیزی اور جاہ و جلال کا ان پر بہت اثر ہوا تھا۔

حضرت فاروق جب تیسری بار شام آئے۔ تو حضرت عمرو بن العاص نے ان سے مصر کی طرف پیش قدمی کی اجازت چاہی۔ قیصرہ فتح ہو چکا تھا۔ اور عمرو بن العاص کے حوصلے بہت تیز تھے۔ مسلمان فوج کے سامنے اور کوئی منزل بھی اس کے سوا نہ تھی۔ سپاہی لڑائی سے بہلتا ہے۔ یہ اس کا دلپسند کھلونا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص کو مصر کی طرف بڑھنے کی اجازت مل گئی۔ تو فوج کا ہر سپاہی بہت خوش تھا۔

مصر اپنی عظمت، اور جاہ و جلال کے اعتبار سے مثال نہیں رکھتا یہی وہ ملک ہے جہاں کے فرعون اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ انہیں اپنی طاقت پر اتنا غرور تھا۔ کہ وہ کسی انسان کو اپنا مدِ مقابل نہ سمجھتے یہی

وہ جگہ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام عصائے کلیمی ہاتھ میں لے کر تشریف لائے۔ اور بنی اسرائیل کی پریشان حال بھیڑوں کو فرعونِ مصر کے چنگل سے چھڑایا۔ اس وقت اسکندریہ مصر کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس میں دنیا بھر کی قومیں آباد تھیں۔ یونانیوں، شامیوں، عربوں اور آرمینیوں کی یہاں کافی آبادی تھی۔ اور ہر قوم اپنے آپ کو اسکندریہ کا باشندہ سمجھتی۔

اسکندریہ اونچی اونچی عمارتوں، شاندار حماموں اور تھیٹروں کی وجہ سے مرجع خاص و عوام تھا۔

اسکندریہ اس وقت بہت بڑی بندرگاہ تھی۔ جہاں ہر وقت سینکڑوں جہاز کھڑے رہتے۔

مصر اپنی زرخیزی اور پیداوار کے اعتبار سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ یہاں کا غلہ بیرونِ ملک جاتا۔ اسکندریہ کے آس پاس کی وادی خوب غلہ پیدا کرتی۔ مگر اس وادی کے رہنے والے غریب اور مفلس تھے۔ وہ جو کچھ پیدا کرتے حکمران قوم اسے ان سے چھین لیتی۔ اس لئے وہ ہمیشہ اپنے حکمرانوں کے خلاف رہتے۔ اور جب کبھی انہیں حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔

اس لئے عمرو بن العاص صرف چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ فلسطین سے مصر روانہ ہوئے۔ انہیں خبر تھی کہ مصر کے لوگ اپنے حکمرانوں سے خوش نہیں ہیں۔ وہ ان کا خیر مقدم کریں گے۔

یلغار

اٹھارہ ہجری کا آخری مہینہ تھا جب عمرو بن العاص کا قافلہ وادی

الدیش میں داخل ہوا۔ رومی سرحدی فوج نے ان کی راہ روکنی چاہی۔ مگر مسلمانوں کا سیلاب رُک نہ سکا مکسانوں نے نئی حملہ آور فوج کا خیر مقدم کیا۔ اور وہ رومیوں کے روز روز کے ظلموں اور زیادتیوں سے تنگ آچکے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو غیبی نجات دہندہ سمجھا۔ اور ہر طرح سے عمرو بن العاص، کیسانوں کو امن و امان دیتے۔ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا یقین دلاتے۔ فرامہ تک پہنچ گئے۔ فرامہ کافی مضبوط قلعہ تھا۔ اور وہاں کافی یونانی فوج جمع تھی۔ اس قلعہ کی فتح میں ایک مہینہ لگا۔ شہر والے یونانی فوج کے ساتھ محصور ہو گئے تھے۔ فرامہ پر قبضہ کے بعد حضرت عمرو بن عاص نیل کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے۔ نیل کو عبور کیا۔ اور بلبیس پر قبضہ کر لیا۔

۱۹ھ کا ابھی شروع تھا۔ کہ عمرو بن العاص زیریں مصر کے کئی اہم شہروں پر قبضہ کر کے عین شمس تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں سے انہوں نے پھر نیل کو عبور کیا۔ اور فیوم پر چھاپہ مارا۔

حضرت زبیر

ابھی وہ یہیں تھے۔ کہ حضرت زبیرؓ مدینہ سے دس ہزار تازہ دم فوج لے کر ان سے آملے حضرت زبیرؓ بہت مقتدر صحابی تھے۔ اور حضورؐ سے قرابت کی وجہ سے مسلمان ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ وہ اپنی بہادری جرأت اور ایمان کی وجہ سے بھی بہت نمایاں تھے۔ مسلمان عین شمس کے قریب پہنچے ہی تھے۔ کہ عین شمس کے لوگوں نے مصر کے گورنر پر

زور ڈالا۔ کہ وہ عربوں سے لڑائی نہ کرے اور ہتھیار ڈال دے۔ انہوں نے گورنر کو مشورہ دیا کہ ایسے لوگوں سے تم جیت نہ سکو گے جو قیصر و کسریٰ کو شکست دے چکے ہوں۔ مصر کے گورنر نے ان لوگوں کی درخواست پر غور کرنے کے لئے پانچ دن کی مہلت مانگی۔ اصل میں گورنر مقابلہ کی تیاری کرنا چاہتا تھا جب پانچ دن گزر گئے تو رومی فوج مقابلہ کے لئے نکلی اور عمرو بن العاص کی فوج کے سامنے پہنچ کر میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ رومی فوج نے حملہ کا آغاز کیا گھمسان کا رن پڑا۔ دونوں فوجیں دادِ شجاعت دے رہی تھی کہ زبیر اپنی مخصوص فوج کو لئے ہوئے پیچھے ہٹتے گئے۔ انہوں نے اس دانائی سے کام لیا کہ رومیوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ان کو تو اس وقت پتہ چلا جب حضرت زبیرؓ کی فوج نے پیچھے سے آن کر ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ رومی عمر اور زبیر کی فوجوں کے مابین پھنس گئے۔ تو پیچھے ہٹے۔ اور کشتیوں کے ذریعہ راہ فرار اختیار کی۔ ان میں سے کئی ہزار میدان جنگ میں کھیت رہے تھے۔ وہ جو کچھ اپنے ساتھ لائے تھے وہ بھی بھاگتے وقت پیچھے چھوڑ گئے اور سب سے بڑھ کر مصر شہر کی حفاظت سے منہ موڑ اور پانی کی پیٹھ پر سوار ہو کر ایسے بھاگے کہ مڑ کر نہ دیکھا حضرت عمرو بن عاص بڑی سادگی مگر بڑی شان کے ساتھ مصر میں داخل ہوئے۔ رعایا کو امن و امان دی۔ اور حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ابھی کچھ دن ہوئے تھے نیل میں ہولناک سیلاب اٹھا۔ اور سارے علاقہ نے جھیل کی صورت اختیار کر لی۔ اور مزید پیش قدمی رک گئی۔ جگہ عمرو بن العاص نچلے بیٹھ نہ سکتے تھے۔ سیلاب نے انہیں آگے بڑھنے سے

روکا۔ تو انہوں نے بابیلان کا محاصرہ شروع کر دیا بابیلان کا قلعہ بہت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا عمرو اس کے گرد آٹھ مہینے تک پڑے رہے کبھی کبھی جھڑپیں ہوتیں دو تین دفعہ بہت سخت لڑائی بھی ہوئی۔ ایسی ہی ایک لڑائی ہو رہی تھی اسلامی فوج کی منجنیقیں شہرپناہ پر آگ اور پتھر برسا رہی تھیں۔ کہ حضرت زبیرؓ نے غیر معمولی جرأت سے کام لیا انہوں نے چند بہادر اپنے ساتھ ملائے۔ ایک سیڑھی تیار کی اور یہ سیڑھی شہرپناہ کے ساتھ کھڑی کر دی۔ اور خود اس پر چڑھ گئے۔ وہ سب سے آگے تھے۔ پہرہ داروں نے ان کی راہ روکنی چاہی۔ مگر زبیرؓ دونوں ہاتھ لڑتے۔ ان کے پیچھے پیچھے چند اور جوانمرد بھی چڑھ آئے حضرت زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو فصیل پر چڑھتے دیکھ کر رومی ایسے گھبرائے کہ انہوں نے عمرو بن العاص سے مصالحت کی درخواست کی۔ حضرت عمرو بن العاص دوسرے رخ پر تھے۔ اور انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت زبیر فصیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے رومیوں کی درخواست کو شرف قبول بخشا۔ اور ایک طرف سے وہ بذریعہ صلح اور دوسری طرف سے حضرت زبیرؓ بزور شمشیر داخل ہوئے۔ دمشق کی طرح بیچ شہر میں دونوں دستوں کا سامنا ہوا۔ تو حقیقت حال کھلی۔ زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی تلواریں میان میں آ گئیں۔ انہوں نے جو مال غنیمت حاصل کیا تھا۔ وہ واپس کر دیا گیا۔ اور پورے شہر میں مصالحت کی شرطیں کارفرما نظر آئیں۔

رومی فوج بچ کر نکل گئی تھی۔ اور جو باقی بچی تھی۔ وہ محکوم بنی۔

بابیلان کی فتح نے مصر میں رومی قوت کی کمر توڑ دی۔ بچھی کھچی رومی فوج ہر جگہ گھری ہوئی تھی۔ اور ختم کی حالت ہی تھی۔ مصر کے اصل باشندے قبطی

رومیوں سے اپنا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ مل گئے تھے
بابیلان پر قبضہ کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے نیل پر کشتیوں کا پل باندھا۔ اور دریا کو عبور کر کے اسکندریہ کی طرف بڑھے۔

اسکندریہ

اسکندریہ، مصر کا دارالسلطنت تھا۔ اور اپنی شان و شوکت کے اعتبار سے دنیا کا متمدن ترین شہر سمجھا جاتا تھا۔ رومی فوج کا بڑا سپہ سالار تھیوڈور بھی یہیں رہتا تھا
اسکندریہ کی طرف بڑھتے وقت رستہ میں جتنے شہر پڑے عمرو بن العاص نے ان پر قبضہ کر لیا۔ اور آخر کار اسکندریہ سے سولہ میل کے فاصلہ پر آن پہنچے۔
تھیوڈور اپنی فوج لے کر مقابلہ کے لئے آیا۔ لیکن فاتح مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ کر پیچھے کو بھاگا اور شہر میں گھس کر دروازے بند کر لئے۔ یہاں بھی محاصرے کافی طول پکڑا۔ خشکی کی راہیں گو شہر والوں پر بند کر دی گئی تھیں۔ لیکن سمندر کا رستہ کھلا تھا۔ اور انہیں ہر قسم کی امداد برابر پہنچ رہی تھی۔
مصر کا گورنر سائرس روم واپس جا چکا تھا محاصرے نے طول کھینچا۔ تو محصورین نے سائرس کو عرضداشتیں بھیجیں۔ اور جب سائرس آیا۔ تو سب نے اس کا استقبال کیا۔ لیکن سائرس بھی مقابلہ جاری نہ رکھ سکا۔ اور آخر ۱۲۱ھ کے موسم خزاں میں اس نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی اور مصر رومیوں کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

حضرت عمرو بن العاص، اسکندریہ ہی کو پایہ تخت بنانا چاہتے تھے لیکن حضرت فاروق رضؓ نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ اسکندریہ کو پایہ تخت بنانے سے حضرت عمر کی فوجی چھاؤنی دور رہ جاتی۔ اس لئے انہیں بالائی مصر کی طرف لوٹنا پڑا۔ جہاں اسلامی فوج خیموں میں رہنے لگی۔ جمبفر کے قریب فوج کا ہیڈ کوارٹر بنا خیموں نے ہولے ہولے بارکوں کی صورت اختیار کی۔ اور یہ بارکیں بڑی بڑی عمارتوں سے بدل گئیں۔ یہ مصر کا نیا پایہ تخت تھا۔ جس نے بعد میں قاہرہ کا نام پایا۔ اور اب دُنیا کے متمدن شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

یہیں حضرت عمر نے ایک عظیم الشان مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہ مسجد اب تک اپنی عظمت کی یاد دلاتی ہے۔ اور حضرت عمر کے نام سے مشہور ہے۔

مصر کا نظم و نسق

گو مصر کی حکومت بھی سادگی اور ضبط کے اعتبار سے دوسرے مفتوحہ علاقوں کی طرح تھی۔ مگر یہاں ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آتی ہے۔ کہ یہاں کے گورنر یعنی حضرت عمرو کو مصر میں مکان بنانے کی اجازت نہیں دی گئی گویا اس کے معنی یہ تھے۔ کہ حضرت فاروق رضؓ عربوں کو یہاں بسانا نہ چاہتے تھے۔ عمرو نے جب حضرت فاروق سے مکان بنوانے کی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ تمہارے پاس جو مکان مدینہ میں ہے۔ وہی تمہارے لئے کافی ہے۔" اگر عمرو مکان یہاں بنواتے۔ تو ان کی دیکھا دیکھی فوج کے دوسرے سردار بھی یہاں مکان تعمیر کرتے۔ اور پھر ان کو جاگیروں کی ضرورت

بھی ہوتی۔ مگر حضرت فاروق رضؓ مصر کی زمین اس کے اصل مالکوں یعنی مصریوں سے چھیننا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے ساری زمین پر پہلے مالکوں کا حق تسلیم کر لیا۔ اور مناسب مالگزاری مقرر کر دی۔

نہر سویز

(فسطاط کو دارالسلطنت بنانے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عمروؓ نے یہ کیا۔ کہ مصر کا غلہ حجاز بھیجنا شروع کر دیا۔ مصر میں بہت غلہ پیدا ہوتا تھا۔ مگر حجاز میں غلہ کی پیداوار بہت کم تھی۔ مصر اور حجاز میں سلسلۂ آمدورفت قائم کرنے کے لئے حضرت عمروؓ نے نہر سویز پر توجہ کی۔ اس کو اور زیادہ کھدوایا اور اسے اس قابل کر دیا کہ اسکندریہ کے جہاز بحیرہ احمر اور بحیرہ روم میں پہنچ سکیں۔ نہر سویز کی بنا اصل میں شاہ رامیس ثانی نے کی۔ اسے کارآمد بنانے کے لئے دوسرے بادشاہ بھی کوشش کرتے رہتے۔ یہ اب پھر مٹی سے بھر گئی تھی حضرت عمروؓ نے اس کو صاف بھی کرایا۔ اور از سرِنو کھدوایا بھی۔)

مصریوں کے ساتھ حُسنِ سلوک

حضرت عمرو بن العاص نے مصریوں کو مفتوح نہیں سمجھا۔ انہیں اوپر اُٹھنے اور ترقی کرنے کی پوری سہولتیں بہم پہنچائیں۔ ان کی تعلیم کے لئے ان ہی کی نگرانی میں مدرسے قائم کئے۔ ان کے گرجوں اور معبدوں کو جاگیریں دیں۔ اور حتیٰ کہ ان کے روحانی پیشوا کو بڑی دشواری سے ڈھونڈ کر اس کے

منصب پر بحال کیا۔ مصر کے لوگوں کو مذہبی مسائل میں ہر طرح کی آزادی دی گئی۔ وہ جو چاہتے تھے کوئی انہیں روکنے والا نہ تھا۔

قبطی

مصر کے اصل باشندے قبطی تھے یہ عیش و عشرت کی زندگی کے عادی تھے۔ مدتوں رومی تاجداروں کے زیر حکومت رہنے کی وجہ سے ان کے مزاج رومیوں جیسے عیاش پسند ہو گئے تھے۔ وہ عربوں کی سادگی پر ناک منہ چڑھاتے اور کبھی کبھی طعنے بھی دیتے۔ حضرت عمرو بن العاص نے قبطیوں کو دوستانہ طور پر سبق دینے کے لئے ایک تقریب منانے کا اعلان کیا۔ قبطی سرداروں کو بھی اس میں شریک کیا گیا اور عام منادی کرا دی گئی۔ کہ ہر شخص اس میں شریک ہو سکتا ہے۔ پہلے دن عربوں کی عام رسم کے مطابق اونٹ ذبح کئے گئے۔ جگہ بہ جگہ آگ روشنی کی گئی۔ اور عرب، گروہوں میں بٹ کر چاروں طرف بیٹھ گئے۔ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے بھونے جاتے اور کھائے جانے لگے۔ عرب سپاہیوں نے خوب پیٹ بھر کر گوشت کھایا۔ قبطی دیکھ رہے تھے۔

دوسرے دن پھر دعوت ہوئی۔ میز بچھے اور مصر کے رسم و رواج کے مطابق ہر قسم کے کھانے میزوں پر چنے گئے۔ عربوں نے یہ کھانے بھی خوب سیر ہو کر کھائے۔

تیسرے دن فوجی مظاہرہ کیا گیا عربوں نے اپنے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر مصنوعی لڑائی لڑی قبطی ان کے طریق جنگ سے بہت مرعوب ہوئے اور اس دن کے بعد کسی نے عربوں کو ان کی سادگی پر طعنے نہیں دئے۔

نیل کا قصہ

قبطیوں میں ایک عجیب رسم تھی۔ کہ ہر سال اپنے ملک کی سب سے خوبصورت نوجوان کنواری لڑکی کو بنا سنوار کر دریائے نیل کی نذر کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح دریائے نیل ان پر مہربان رہتا ہے۔ اور ان کی زمین کو فیاضی کے ساتھ سیراب کرتا ہے۔ مسلمانوں نے مصر پر قبضہ کیا تو اس رسم کو بُرا سمجھا۔ اور اسے بند کرا دیا۔ متواتر دو سال تک نیل میں طغیانی نہ آئی۔ اور آس پاس کی زمین جو طغیانی ہی سے سیراب ہوتی تھی۔ خشک پڑی رہی۔ قبطیوں نے شکایت کی۔ عمرو بن العاص نے حضرت فاروق رضؓ کو اس کیفیت سے آگاہ کیا۔ اور حضرت فاروقؓ نے دریائے نیل کے نام ایک خط لکھا۔ اور حکم دیا یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا جائے۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

اے دریائے نیل! مسلمانوں کے امیر۔ تجھ کو سلام کہتے ہیں۔ اگر زمانہ گذشتہ میں، تم میں طغیانی تمہاری مرضی سے آتی رہی۔ تو تم اپنی طغیانی کو روکے رکھو اور اگر تمہاری طغیانی خدا کی مرضی کی پابند تھی اور ہے۔ تو ہم خدا سے دعا کرتے ہیں۔ کہ تم میں طغیانی پیدا ہو تاکہ تیرا پانی آس پاس کی زمین کو سیراب کر دے۔

مورخ طبری کا بیان ہے۔ کہ حضرت فاروقؓ کا یہ گرامی نامہ حسب بے شمار تماشائیوں کی موجودگی میں دریائے نیل کی موجوں سے کھیلنے لگا۔ تو نیل میں دفعتاً ایک زور کا طوفان اٹھا۔ اور چند دن کے اندر اندر وادی نیل میں پانی ہی پانی پھیل گیا۔ زمین خوب سیراب ہوئی۔ اور پہلے کی نسبت کہیں زیادہ اچھی فصل

تیار ہوئی۔

طرابلس کی طرف پیشقدمی

مصر کے نظم و نسق کو درست کرنے اور اس کی سرحدوں اور اندرونی حالت کو بہتر بنانے کے بعد عمرو بن العاص نے مغرب کی طرف پیش قدمی کی ۔ اور فتح کا علم لہراتے طرابلس تک جا پہنچے ۔ اور اسلامی فتوحات اور قلمرو کا دائرہ بہت وسیع کر دیا۔

رومیوں نے اسکندریہ پر قبضہ کرنے کی ایک بار پھر کوشش کی۔ انہوں نے سمجھا اسلامی فوج بہت دور آگے بڑھ گئی ہے۔ وہ سمندر کے رستے تین سو جہازوں میں لد کر اسکندریہ آئے۔ اسکندریہ کا محاصرہ کیا۔ اور اسے اسلامی قبضے سے چھین لیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ طرابلس سے لوٹے۔ اور رومیوں پر بہت سخت حملہ کیا۔ کئی دن تک خوب لڑائی ہوئی۔ رومی عمرو کے حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ بری طرح ہارے اور کشتیوں پر بیٹھ کر دم بھاگ گئے۔ اور اسکندریہ پر دوبارہ اسلامی علم لہرانے لگا۔ رومیوں کے اس حملہ سے عمرو بن عاص پر یہ بات کھل گئی۔ کہ سکندریہ کی حفاظت سے غفلت اچھی نہیں انہوں نے نئی فوج بھرتی کی۔ اور اسے اسکندریہ میں متعین کر دیا۔

مصر کا مالیہ

مصر کی زمین چونکہ یہاں کے اصل باشندوں کے پاس ہی رہی۔ اس

لئے انہیں ہر سال اسلامی حکومت کو مالیہ دینا پڑتا جس کی شرح موجودہ شرح مالیہ کے مقابلہ میں بیسوں گنے کم تھی۔ اور اس وجہ سے مصر کے کسان بہت جلد خوشحال ہو گئے۔ اور انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے منصف بندوں کو ان پہ حاکم بنایا۔ ورنہ مسلمانوں کے تسلط سے پہلے ان کی حالت یہ تھی کہ مصر کی اکثر پیداوار پہ حکمران قوم قبضہ کر لیتی۔ مصریوں کی حیثیت محض کاشتکاروں کی تھی۔ حکمران قوم کے ممتاز افراد ان سے کاشت کا کام لیتے۔ اور جب فصل کٹنے کا وقت آتا تو ساری پیداوار حکمران قوم کے اژدہا پیکر پیٹ میں چلی جاتی یہی سبب تھا کہ مصر کے لوگ رومی حکمرانوں سے خوش نہ تھے۔ اور جب عمرو بن العاص اسلامی پرچم لہراتے ہوئے مصر کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ تو مصریوں نے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور پہلے حکمرانوں کے مقابلہ میں نئے حکمرانوں کی مدد کی۔ اور ان کے ساتھ ہو کر رومیوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔

انیسواں باب

جنوبی ایران

یاد ہوگا کہ حضرت فاروق نے حلوان کی فتح کے بعد یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اے کاش عراق ہمارے اور ایرانیوں کے مابین ایک آہنی دیوار بن جائے اور نہ ہم آگے بڑھ سکیں اور نہ ایرانی ہم پر حملہ کر سکیں۔ لیکن چند سال کے اندر ہی ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ حضرت فاروق کو پیش قدمی کی اجازت دینی پڑی۔ اس وقت تک اسلامی سرحدات کی حالت یہ تھی۔ المدائن کے شمال میں حلوان وہ آخری جگہ تھی۔ جہاں اسلامی علم لہراتا نظر آتا۔ حضرت سعد نے اس پہاڑی علاقہ کو خوب محفوظ کر لیا تھا۔ زیریں عراق میں حضرت عتبہ نے بصرہ کو اپنی سرحد قرار دے لیا تھا۔ اور ایرانیوں پر پے در پے کئی حملہ کر کے اسے بہت محفوظ کر لیا تھا۔ مگر اس سے سویل دور کے شہروں، اہواز اور رام ہرمز پر ایرانی سردار، ہرمزان مستی میں مشغول تھے۔ ہرمزان کی مخالفانہ سرگرمیوں کی اطلاع عتبہ کو ملتی رہتی۔ مگر حضرت فاروق رضؓ کی ممانعت کی وجہ سے انہیں کبھی آگے بڑھنے

کا حوصلہ نہ ہوا۔

یعلیٰ

مگر بحرین کے عامل جناب یعلیٰ نے جنہوں نے بحرین کی بغاوت فرو کی تھی اور بڑا نام پایا تھا حضرت فاروق کی اجازت کے بغیر اصطخر پر چڑھائی کی اور سمندر کے رستے جہازوں میں بیٹھ کر ایرانی ساحل پر اُتر گئے۔ شروع شروع میں انہیں خوب کامیابی ہوئی لیکن ابھی وہ اصطخر سے تھوڑے فاصلہ پر تھے۔ کہ ایرانیوں نے ہر طرف سے بڑھ کر انہیں گھیرے میں لے لیا۔

ایلچی جب فتح کی نوید لے کر حضرت فاروق رضہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت فاروق نے حسب عادت اس سے مسلمانوں کے حالات خوب کرید کرید کر پوچھے۔ ایلچی جانتے نہ تھے کہ حضرت فاروق رضہ کو کس بات سے رنج ہوگا۔ اور کس سے نہیں۔ اس لئے جب حضرت فاروق رضہ نے پوچھا مسلمانوں کی مالی حالت کیسی ہے۔ تو ایلچی نے جواب دیا۔

ان میں سے ہر ایک کافی دولت مند ہو گیا ہے۔ حضرت عمر کو اس چیز کا سخت رنج پہنچا۔ اور انہوں نے عتبہ رضہ کو حکم لکھا۔ فوراً مدینہ پہنچیں۔ عتبہ مدینہ آئے تو ان کی جگہ عارضی طور پر حضرت مغیرہ گورنر بنائے گئے۔ مگر عتبہ رضہ کی شاید موت انہیں یہاں لائی تھی۔ حج سے واپس آ رہے تھے۔ کہ انتقال فرما گئے۔ اور بصرہ کی گورنری مستقل طور پر مغیرہ کے سپرد کر دی گئی۔

ہرمزان پھر اُٹھا

اس سال ہرمزان نے پھر سر اٹھایا۔ اس نے مسلمانوں کے حلیف بدوی قبائل پر حملہ کر دیا۔ اور اس کی سرحد کو کاٹتا ہوا آگے بڑھا۔ بدوی قبائل نے حضرت مغیرہ کو حالات سے آگاہ کیا۔ اور حضرت مغیرہ مسلمانوں کا ایک جرار لشکر لے کر بدوی قبائل کی مدد کو گئے۔ ہرمزان اور ان میں پھر ایک زور کی لڑائی ہوئی۔ ہرمزان ہارا۔ اور بھاگ نکلا۔ مگر ہرمزان بڑی فسادی طبیعت لے کر پیدا ہوا تھا۔ اسے یہ بات گوارا نہ تھی کہ مسلمان قوم اس کے ہمسایہ علاقہ پر قابض رہے۔ وہ دوبارہ اُٹھا اور دونوں بار ہارا۔ خود کو اکیلا کافی نہ سمجھ کر اُس نے آس پاس کے دوسرے سرداروں کو ساتھ ملایا۔ اور ایک بڑے اور نتیجہ خیز حملہ کی سکیم تیار کر لی۔ مسلمان مخبر نے حضرت فاروق کو اس سکیم سے آگاہ کر دیا۔ اور خود اس خطرہ کے سدِباب کے ذرائع سوچنے شروع کئے۔ اُن کا خیال تھا کہ مزید پیش قدمی نہ کی جائے۔ مگر حالات نے یہ رائے بدل دی۔ اور انہوں نے کوفہ اور بصرہ کی فوجوں کو آگے بڑھنے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ حضرت نعمان ایک جوانمرد اور بہادر سپاہی تھے۔ وہ ان فوجوں کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔

پیش قدمی

حضرت نعمان اس فوج کو لے کر آگے بڑھے۔ ہرمزان اپنی فوج کے

ساتھ پسپا ہوا۔ ہرمزان پر وہ تھوڑی دیر رُکا۔ اور جب اسلامی فوج یہاں آن پہنچی۔ تو وہ طستار کی طرف بھاگا۔ طستار، اہواز سے پچاس میل شمال میں واقع تھا۔ اور بہت مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے کئی مہینہ تک اس کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ کی سختی سے تنگ آکر ہرمزان نے صلح کی درخواست کی اور اپنے مستقبل کا فیصلہ حضرت فاروق پر چھوڑ دینے کی شرط لگائی۔ یہ شرط منظور ہوئی۔ اور حضرت نعمان نے اسے گرفتار کر کے حضرت فاروق کی خدمت میں مدینہ بھیج دیا۔

طستار کے بعد حضرت نعمان اور آگے بڑھے۔ اور سوس کا محاصرہ کیا۔ اور سوس اپنی خوبصورتی اور دلآویزی کی وجہ سے مثال نہ رکھتا تھا۔ ایرانی بادشاہ اکثر گرمیوں کے دنوں میں وہاں آتے۔ اور اس کی برف سے ڈھکی ہوئی شاداب و سرسبز پہاڑیوں سے لطف اندوز ہوتے۔

جب مسلمان فوجیں اس کے قریب پہنچیں۔ تو ایرانی فوج محصور ہو گئی سوس کا محاصرہ کچھ زیادہ دن نہیں چلا۔ چند دن کے اندر اندر محصورین تنگ آ گئے۔ اور سوس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

یہیں مسلمانوں کو حضرت دانیال کی قبر کا پتہ چلا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت دانیال کے مقبرہ کے باقی رکھنے کا حکم دیا۔ اور اس کی حفاظت کا سامان بھی مہیا کر دیا۔

سوس پر قبضہ کے بعد حضرت نعمان جند صبور کی طرف بڑھے۔ اندر بیٹھے ہوئے اصفہان کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے۔ وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ کہ اس دوران میں خراسان میں حالات نے یک دم پلٹا کھایا۔ اور حضرت نعمان کی توجہ اس طرف ہو گئی۔

ہرمزان کا انجام

جو وفد ہرمزان اور مالِ غنیمت کو لے کر حضرت فاروق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے حضرت فاروق کی رائے بدل دی اور انہیں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ پیش قدمی کو روکنے کی حکمت عملی صحیح نہ تھی۔

ہرمزان کا قصہ بھی عجیب ہے۔ طبری کا بیان ہے۔ کہ جب نعمان کے سفیر اسے لے کر مدینہ پہنچے۔ تو حضرت فاروق مسجد نبوی کے ایک کونہ میں حسب دستور کوڑا ہاتھ میں لئے سو رہے تھے۔ ہرمزان نے مسجد میں پہنچ کر پوچھا خلیفہ اور ان کے محافظ کہاں ہیں۔ مسجد میں خلیفہ تو تھے۔ مگر محافظ نہ تھے۔ اور نہ کوئی شان و شوکت ہی کہیں نظر آتی تھی۔ اور ہرمزان ایرانی دربار دیکھے تھا۔ اس کے سامنے ایرانی بادشاہوں کے دربار اور ان کی شان و شوکت تھی۔ سفیر مسجد میں داخل ہوئے۔ تو خوب شور اٹھا۔ اور حضرت فاروق جاگ اٹھے۔ سفیروں نے ہرمزان کو پیش کیا۔

ہرمزان کئی بار غداری کر چکا تھا اس نے دھوکہ سے کئی مسلمانوں کی جان لی تھی۔ اسے یقین تھا کہ حضرت فاروق اسے قتل کرا دیں گے۔ اس لئے جیسے ہی اسے حضرت فاروق کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو اس نے ایک چال چلی۔ یوں ہی بے ہوش ہو گیا۔ اور حضرت معاذ کے ذریعہ پانی مانگا جب اسے پانی دیا گیا۔ تو اس نے حضرت فاروق سے کہا۔

مجھے ڈر ہے کہ کوئی مجھے پانی پینے سے پہلے ہی قتل نہ کر دے

حضرت عمر رضؓ نے فرمایا۔

نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ جب تک تم پانی نہ پی لو تمہیں قتل نہ کیا جائے گا۔

ہرمزان مسکرایا۔ پانی کا پیالہ زمین پر پھینک دیا۔ اور بولا مجھے پیاس نہ تھی۔ میں نے تو یہ سب کچھ وعدہ لینے کی خاطر کیا تھا۔ سو آپ نے مجھے وعدہ دے دیا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہوگیا۔ وہ نہ جانتے تھے کہ یہ شخص اتنا دھوکہ باز ہے۔ مگر اب قول دے چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا۔

میں تمہاری جان اس شرط پر بخش سکتا ہوں کہ تم اسلام لے آؤ۔

ہرمزان اسلام لے آیا۔ اس کی جان بخش دی گئی۔ اور وہ مدینہ ہی میں رہنے لگا۔ اسلام لانے کے باوجود اس کی فطرت نہ بدلی۔ اور ایک روایت کے مطابق اس نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کے لئے سازش کی۔

ایران پر عام حملہ

گو یزدجرد عراق سے نکال دیا گیا تھا۔ اور اسے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر جگہ شکست ہوئی تھی لیکن پھر بھی اسے یقین تھا کہ مسلمان عراق سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ یہ یقین صحیح بھی تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی خواہش بھی یہی تھی کہ وہ عراق سے آگے نہ بڑھیں۔ اگر عراق کی سرحد پر بسنے والے ایرانی باغیانہ سرگرمیوں سے باز رہتے تو فاروق اعظم کی یہ خواہش قائم رہتی لیکن ایرانی بغاوتوں سے انہیں اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ سو ہر اسلام قبضہ

اور اصفہان کی طرف پیش قدمی اس بدلے ہوئے ارادہ کا نتیجہ تھی۔ یزدجرد نے یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ اور آنے والے خطرہ کو دور کرنے کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے اپنے ملک کے سارے صوبہ داروں کو احکام بھیجے کہ زیادہ سے زیادہ فوجیں بھرتی کریں۔ پورے ایران میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہر جگہ بھرتی کے دفتر کھل گئے۔ اور بھرتی شدہ فوجیں ہر طرف مارچ کرتی نظر آئیں۔ ایرانی سرداروں اور صوبہ داروں کے لئے یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اس لئے وہ اپنے سارے اختلافات بھول گئے۔ اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اکٹھے ہو گئے۔

ہمدان کے قریب ایرانی فوج کا کیمپ نصب ہوا۔ ہر طرف سپاہی ہی سپاہی نظر آتے تھے۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ فیروزان نے جب فوج کی کمان ہاتھ میں لی تو اس وقت اس کے جھنڈے تلے ڈیڑھ لاکھ سپاہی جمع تھے۔ فیروزان ہمدان سے حلوان کی طرف کوچ کرنے والا تھا۔ جب مسلمان مخبر حضرت سعد رضؓ کے پاس آئے۔ حضرت سعدؓ نے ساری کیفیت حضرت فاروقؓ کو لکھ بھیجی۔ یہ ایک بڑا خطرہ تھا جو اسلامی سرحد کے قریب امنڈ رہا تھا۔ حضرت نعمان کو خوزستان سے طلب کیا گیا اور تیس ہزار سپاہی ان کی کمان میں دے کر انہیں آگے بڑھنے کا حکم ملا۔

اروند کی لڑائی

سوس پر جو اسلامی فوج موجود تھی۔ اسے وہیں رہنے کی ہدایت کی گئی۔ تاکہ وہاں کی ایرانی فوج دوسری ایرانی فوج کی مدد پر نہ آسکے۔ یونہی

تو ایرانی فوج اروند پر ڈیرے ڈالے تھی۔ لیکن جب اسلامی فوج کی پیش قدمی کی خبر عام ہوئی تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر نہاوندان پہنچی یہیں اسلامی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا۔

مسلمانوں کی تعداد صرف تیس ہزار تھی اور ایرانی ڈیڑھ لاکھ تھے۔ دو دن تک دونوں فوجوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں تیسرے دن ایرانی پیچھے ہٹ کر قلعہ بند ہو گئے۔ اور ایک ایک دو دو دستے میدان میں بھیجنے لگے۔ اس طرح کی جھڑپیں بے کار تھیں۔ ان سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ حضرت نعمان نے ایرانیوں کو حرکت میں لانے کے لئے ایک چال چلی۔ انہوں نے فوج کو حکم دیا۔ ایرانی دستے کے سامنے سے اس طرح بھاگا جائے کہ ایرانی سمجھیں ہم حوصلہ ہار گئے۔ مسلمان فوج نے ایسا ہی کیا۔ وہ پیچھے کو بھاگ رہی تھی۔ ایرانی پھولے نہ سمائے اور آگے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے لگے۔ طلیحہ کے مقام سے اسلامی فوج ایرانیوں پر لپکی۔ اور ان کی واپسی کی راہ کاٹ ڈالی۔ ایرانیوں پر واپسی کی راہ مسدود ہو گئی۔ تو وہ مایوس بلی کی طرح خوب لڑے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت نعمان ایرانی صفوں میں گھس گئے۔ انہوں نے صفیں الٹ ڈالیں۔ ایک ایرانی نے یہ حال دیکھا تو تاک کر پیچھے سے تیروں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ نعمان شہید ہو گئے۔ نعمان تو شہید ہو گئے۔ مگر دشمن کی صفیں الٹ چکے تھے۔ اس لئے ایرانی فوج بری طرح بھاگی۔ اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

دشمن کے تیس ہزار آدمی میدانِ جنگ میں کھیت رہے۔ باقی ساتھ کی پہاڑی پر جا چڑھے۔ مسلمانوں نے وہاں بھی ان کا تعاقب کیا۔ اور اس قدر قتلِ عام ہوا کہ اسی ہزار ایرانی مارے گئے۔ باقی جو بچے وہ بھاگ

نکلے۔ فیروزان ایرانی کمانڈر بھی بھاگا۔ ہمدان کو جو سڑک پہاڑوں میں سے ہو کر آگے بڑھتی تھی۔ فیروزان اس پر بھاگا جا رہا تھا۔ رستہ میں ایک درہ پڑتا جس پر شہد کی مکھیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ فیروزان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہاں سے چھپ کر نکل جائے۔ مگر کامیاب نہ ہوا اور ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھوں بزدلی کی موت مرا۔

ہمدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ شاہی خزانہ سے جواہرات بھی قبضہ میں آئے۔ ہمدان مغربی ایران کا سب سے بڑا مقام تھا۔ مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا۔ تو سارے مغربی ایران میں ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ ایرانی سردار ایک ایک کر کے مسلمان سپہ سالار کی خدمت میں آئے اور اطاعت قبول کرتے گئے۔

جو مالِ غنیمت خمس یا پانچویں حصے کے طور پر مدینہ بھیجا گیا تھا۔ اس میں دو عجیب و غریب ہیرے بھی تھے۔ حضرت فاروق رضؓ نے انہیں بیت المال کے خزانہ میں رکھوا دیا۔ کہتے ہیں رات انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ جس میں انہیں حکم ملا کہ یہ موتی بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔

صبح ہوئی تو حضرت فاروق رضؓ نے مالِ غنیمت لانے والوں کو بلایا۔ اور ان کو ہیرے دے کر حکم دیا۔ انہیں بیچ دیا جائے اور ان کی قیمت فوج میں تقسیم کر دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ دونوں قیمتی ہیرے چالیس لاکھ درہموں میں بکے اور یہ درہم مسلمان فوج میں بانٹ دیے گئے۔

ہمدان کی شکست کے باوجود یزدجرد مایوس نہیں ہوا۔ اس نے اطاعت

قبول نہیں کی اور رے میں بیٹھ کر مسلمان حملہ آور فوج کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس نے نئی فوج بھرتی کی اور اسفندیار نامی ایک مشہور ایرانی سردار کو نئی فوج کا کمانڈر بنایا! اسفندیار نے رے کے قریب مسلمانوں کا رستہ روکنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام ہوا۔ یہ لڑائی بھی بڑے زور کی تھی۔ اس میں بھی ایرانی لاکھوں کی تعداد میں شریک ہوئے تھے مسلمان صرف پچیس ہزار تھے۔ مگر ان پچیس ہزار مسلمانوں نے ایرانیوں کو بڑھ بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے لیا۔ پچیس ہزار ایرانی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ باقی بھاگ گئے۔ اور بادشاہ کا دوسرا دارالسلطنت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔

رے سے یزدجرد اصفہان کی طرف بھاگا۔ وہاں ٹھیرنے کی جگہ نہ پائی۔ تو کرمان آیا۔ اور وہاں سے بلخ پہنچا۔ آخر کار وہ مرو جا چھپا اور ترکوں سے مدد مانگی۔

رے کی فتح کے بعد اسلامی فوج ہوا کی طرح ایران پر چھا گئی۔ عبداللہ بن اصفہان پہنچے۔ نعیم بن مقرن آذربائی جان گئے۔ اور سوید بن مقرن نے قومس فتح کیا۔ قومس کے بعد سوید جرجان آئے۔ اور اسے بھی فتح کر لیا حضرت بکیر آرمینیا میں پھیل گئے۔ اور اس کے گوشے گوشے میں اسلامی علم لہرانے لگا۔ عبدالرحمان بن ربیعہ شہر بیضا اور خزر پہنچے۔ اور اسے انہیں فتح کر لیا۔ عاصم بن عمر سیستان میں پہلے اور سہیل بن عدی کرمان پہنچے۔ حکم نے بلوچستان پر حملہ کیا اور اس ملک کے راجہ راسل کو خوفناک شکست دی۔

بلوچستان فتح کرنے کے بعد اسلامی فوج بلوچستان کی سمت آگے بڑھنے سے روک دی گئی۔ البتہ احنف بن قیس خراسان کی طرف بڑھتے ہی گئے۔ انہوں نے پہلے ہرات پھر مرو اور پھر بلخ پر حملہ کر دیا۔ یہ سارے صوبے یکے بعد دیگرے احنف کے قبضہ میں آگئے۔ اور خراساں کی زمین یزدجرد پر تنگ ہو گئی۔ وہ

بے چارہ خراسان چھوڑ کر ترکستان پہنچا۔ اور پھر چین جا پہنچا چین کے خاقان نے یزدجرد کا خیر مقدم کیا اور اس کے حال پر رحم کھا کر ایک بڑی فوج لے کر خراسان کی طرف بڑھا۔ احنف نے اسے شکست دی اور وہ ساری ہمدردیوں کو اپنے دامن میں ڈال کر چین لوٹ گیا۔

(فاروق رضؓ کے دور میں خدا نے مسلمانوں کو بڑی عزت دی اور اسلامی علم عراق، شام، تکریت جزیرہ، ایران خراسان بلخ بخارا، آذربائیجان اصفہان، جرجان، آرمینیا، کرمان اور بلوچستان کی فضا میں لہرانے لگا۔

اپنی حکومت کے آخری دور میں حضرت فاروق نے حبشہ کے مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک بحری مہم بھی روانہ کی۔ یہ پہلی بحری مہم تھی۔ مسلمان پہلی بار سمندر کا سینہ چیر کر حبشہ کی طرف بڑھے۔ مگر مشاق نہ تھے اس لئے ناکام ہوئے۔ سارے جہاز راہ ہی میں ڈوب گئے۔ اور حضرت عمر رضؓ نے عہد کر لیا کہ اب پھر سمندر کی راہ اختیار نہ کریں گے۔)

بیسواں باب

طریقِ کار

عوام پر حکومت ہر کوئی کر سکتا ہے جس کو بھی بھیڑیوں کے اس گلے پر اختیار مل جائے۔ وہ ڈنڈا ہاتھ میں لے کر اپنا کام چلا سکتا ہے لیکن فرض شناسی اور ذمہ داری کا احساس اور جذبہ ہے حضرت فاروق رضی اپنے گورنروں اور کارکنوں میں فرض شناسی اور ذمہ داری کا صحیح احساس پیدا کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر حج کے موقعہ پر اپنے گورنروں اور بڑے عہدیداروں کو مدینہ میں جمع کرتے۔ اور انہیں عوام کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرنے کی ہدایت فرماتے۔

(قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایسے ایک اجتماع کا ذکر کیا ہے۔ حج کے دن تھے حضرت فاروق نے اپنے سارے گورنروں اور ان کے ماتحت بڑے افسروں کو مکہ طلب کیا حج کی وجہ سے ہر ملک اور علاقہ کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع تھے حضرت فاروق نے ان سب لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے لوگو! یہ تمہارے حاکم ہیں۔ لیکن یاد رکھو میں نے انہیں یہ اختیار نہیں دیا۔ کہ یہ تمہیں ماریں پیٹیں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مالوں پر قبضہ کریں۔ میں نے ان کو یہ بات پہلے ہی سمجھا دی تھی۔ اس کے باوجود اگر تم میں سے کسی کو ان میں سے کسی سے کوئی شکایت پہنچی تو اس وقت مجھ سے کہہ دو۔)

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ لاکھوں کے مجمع میں سے سوائے ایک شخص کے کسی اور نے شکایت نہیں کی۔ یہ شخص اٹھا اور اس نے شکایت کی کہ اسے اس کے حاکم نے سو کوڑوں کی سزا دی ہے۔ حضرت فاروق رضؓ نے اسے اجازت دی کہ اگر وہ بدلہ لینا چاہے تو بدلہ لے لے۔ اس مرحلہ پر حضرت عمرو بن عاص کھڑے تھے۔ اور انہوں نے عرض کیا۔

اے امیر آپ اگر اسے بدلہ لینے کی اجازت دیں گے۔ تو عوام کے مزاج بدل جائیں گے۔ اور وہ سرکشی اختیار کریں گے۔

حضرت عمر رضؓ نے بات کاٹ لی اور فرمایا۔

خدا کی قسم رسول اللہ بھی ایسا کرتے تھے۔ میں اسے ضرور بدلہ لینے کی اجازت دوں گا۔ حضرت عمرو بن عاص پھر اٹھے اور اجازت چاہی کہ ہمیں اس شخص کو رضامند کرنے دیجئے حضرت عمر رضؓ نے اجازت دے دی عمرو بن عاص نے اسے سو دینار دیئے۔ تو اس نے بدلہ لینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب ازالتہ الخفا میں ایک اور بنیادی چیز یہاں بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ جب بھی کسی نئے شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنا کر بھیجتے۔ تو اس سے صحابہ کے روبرو یہ اقرار لیتے۔

گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک لباس نہیں پہنے گا۔ میدے کی صاف

ستھری روٹی نہیں کھائے گا۔ اور دروازہ بند نہیں رکھے گا۔ اور اس پہ پہرہ نہیں بٹھائے گا۔

ذرا اس اقرار کے الفاظ کو دیکھئے۔ اور غور فرمائیے۔ کہ فاروق کسی قسم کا نظام حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے نزدیک حکومت پھولوں کی سیج نہ تھی۔ ایثار و قربانی کا مقام تھا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت فاروق اپنے حاکموں میں بندگانِ خدا کی خدمت کا احساس پیدا کرنا چاہتے تھے۔ وہ حکام کو حکومت کی مسند پر اس لئے نہ بٹھلاتے۔ کہ وہ عوام کو تنگ کریں ان کی جانوں اور مال کو نقصان پہنچائیں۔ اور اگر کبھی انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کا کوئی گورنر ان پابندیوں کی مخالفت کرتا ہے۔ تو وہ اسے فوراً واقعی سزا دیتے۔ کتاب الخراج میں حضرت امام ابو یوسف نے ایسا ایک واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق سے کسی نے شکایت کی حضرت عیاض بن غنم گورنر مصر کے مکان پر پہرہ بھی ہے۔ اور وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ کو جیسے ہی اس شکایت کا علم ہوا۔ انہوں نے محمد بن مسلمہ کو مصر بھیجا۔ اور ان کو ہدایت کر دی کہ عیاض بن غنم کو جس حال میں وہ ہوں میرے پاس لے کر آؤ۔ محمد بن مسلمہ جس وقت۔ حضرت عیاض باریک کرتہ پہنے تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے عیاض کو حضرت عمرؓ کا حکم سنایا عیاض نے اٹھ کر اندر جانا چاہا۔ تاکہ کرتہ بدل لیں محمد بن مسلمہ نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور اسی حال میں مدینہ لے آئے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ عیاض ایک بڑے صوبہ کے گورنر تھے۔ اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا۔ اپنا یہ باریک کرتہ اتار دو۔ ایک موٹا کرتہ منگوا کر انہیں پہنایا۔ بکریوں کا ریوڑ منگوایا۔ اور ہاتھ میں چھڑی

دے کر حکم دیا۔ جاؤ تم آدمیوں کے چرانے کے قابل نہیں۔ ان بکریوں کو چراؤ۔ ان کا دودھ پیو۔ اور جو تمہارے پاس آئے اسے بھی دودھ پلاؤ۔ یہ سزا بڑی سخت تھی۔ عیاض نے عرض کیا امیرالمومنین اس سے تو بہتر ہے کہ آپ مجھے موت کی سزا دے دیں حضرت عمرؓ بولے۔ آخر اس میں کیا برائی ہے۔ تمہارے باپ بھی تو بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جواب میں عیاض نے ایک نکتے کی بات کہی۔ کہنے لگے۔

مگر امیرالمومنین! خدا نے مجھے ایمان کی دولت اور رسول اللہؐ کی محبت کا شرف بخشا ہے۔ امیرالمومنینؓ خاموش ہو گئے۔ عیاض کے گلے سے موٹا کرتہ اتار لیا۔ اور حکم دیا مصر جاؤ اور آئندہ احتیاط رکھو۔

امام یوسف فرماتے ہیں۔ کہ اس واقعہ کے بعد عیاض کی حالت بالکل بدل گئی۔ وہ گورنروں میں نرالے گورنر تھے۔ ان کی فرض شناسی اور ان کا ایثار اپنی نظیر آپ تھا۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کو جیسے ہی معلوم ہوتا کہ ان کا مقرر کیا ہوا کوئی گورنر یا کوئی حاکم بیماروں کی مزاج پرسی کو نہیں جاتا اور اپنے دربار میں غریبوں کو آنے نہیں دیتا تو وہ اسے معزول کر دیتے۔ ابو موسیٰ اشعری بصرے کے گورنر تھے حضرت فاروق نے انہیں لکھا کہ لوگوں سے انتہائی ہمدردی سے پیش آیا کرو۔ کمزور سے کمزور آدمی تمہارے انصاف سے محروم نہ رہیں۔ اور نہ تمہاری سختی کا نشانہ بنیں۔

اسی طرح ابوعبیدہ بن جراح کو لکھا۔ کہ جب کوئی دعویٰ تمہارے پاس آئے۔ کوئی کمزور آدمی کسی زبردست کی شکایت کرے۔ تو اسے انتہائی نرمی سے بات چیت کرو تاکہ وہ اپنی شکایات آزادی سے بیان کر سکے۔

قاضی ابو یوسف ہی کی روایت ہے۔ کہ ایک بار حضرت فاروق شام تشریف لے گئے۔ امیر معاویہ وہاں کے عامل تھے۔ امیر معاویہ حضرت فاروق کے استقبال کو آئے۔ تو ان کی اردل میں بہت سے سپاہی تھے۔ حضرت فاروق رضؓ نے انہیں ■ دیکھتے ہی فرمایا۔ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ یہ اپنے ساتھ اردلی رکھتے ہیں۔ ناجانے کیا بات تھی حضرت فاروق رضؓ نے جب معاویہ کا محاسبہ کیا۔ تو وہ انہیں بڑی ہوشیاری سے ٹال گئے۔ اور حضرت فاروقؓ کو باتوں میں کچھ اس طرح لگایا کہ انہیں پھر اس چیز کا خیال نہ رہا۔ اور یہی رائی ایک خوفناک پہاڑ کی صورت اختیار کر گئی۔ امیر معاویہ سچ مچ عرب کے کسریٰ ثابت ہوئے۔

فاروق رضؓ اگر جانتے ہوتے تو وہ امیر معاویہ سے حکومت چھین لیتے۔

قاضی ابو یوسف نے اس قسم کی ایک اور روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق رضؓ حکومت کے بارے میں کسی قسم کے تساہل کو برداشت نہ کرتے تھے۔ ان کے قبیلے کے ایک شخص تھے نعمان بن عدی حضرت عمرؓ نے انہیں یہاں کا گورنر بنایا۔ وہ جب مدینہ سے جانے لگے تو ان کی بیوی نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ نعمان اکیلے ہی چلے گئے۔ وہاں بیوی کی یاد آئی۔ تو چند شعر لکھ بھیجے۔ ان اشعار سے مقصود بیوی کو اشتعال دلانا تھا۔ اشعار میں شراب نوشی کا ذکر تھا حضرت فاروق رضؓ نے انہیں واپس بلا لیا۔ اور معزول کر دیا۔ نعمان نے کہا یہ تو میں نے اشتعال دلانے کیلئے لکھے تھے فاروق بولے تو تم نے جھوٹ بولا۔ تم حکومت کے قابل نہیں ہو۔

الریاض النضرہ میں اس قسم کا ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ حمص کا ایک گورنر حضرت فاروق کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت فاروق رضؓ نے اس سے

پوچھا تمہارے حاکم کیسے ہیں۔ گرد ھنے جواب دیا۔ اور تو ان میں کوئی عیب نہیں صرف ایک بات ہے کہ انہوں نے اپنے رہنے کے لئے ایک شاندار مکان بنوایا ہے۔

حضرت فاروق رضؓ نے ایک قاصد کو حمص بھیجا اور اسے حکم دیا جیسے ہی گورنر کے محل پر پہنچنا۔ لکڑیاں جمع کر کے اس کے محل کی ڈیوڑھی میں آگ لگا دینا۔

قاصد نے ایسا ہی کیا۔ لوگوں نے گورنر کو اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ وہ آئے۔ عمرؓ کے قاصد کو پہچانا۔ اور مکان سے گھر والوں کو نکال کر باہر لے آئے۔ اور مکان کو جلنے دیا۔ اور خود حضرت فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ فاروقؓ نے انہیں حکم دیا۔ کمبل کا کرتہ پہنو اور تین دن دھوپ میں بیٹھو! چوتھے دن حضرت فاروقؓ انہیں اونٹوں کی چراگاہ میں لے گئے۔ اور کنوئیں پر کھڑا کر کے بولے، سارا دن اونٹوں کو پانی پلاؤ۔ ان کے ہاتھ شل ہو گئے عمرؓ پاس کھڑے تھے۔ پوچھا کیوں؟ گورنر بولے۔ ہاتھ شل ہو گئے۔ فاروقؓ بولے۔ اب تمہارے ہاتھ شل ہو گئے ہیں۔ اور تمہیں محل بنا کر عوام سے بہتر اور نمایاں حالت میں رہتے شرم نہ آئی۔

یہ ایک ایسا واقعہ ہے۔ کہ اس کے بعد کسی اور واقعہ کا ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی!

اسلام میں سرمایہ داری کے جواز پہ بحث کرنے والے لوگوں اور ان مسلمان مالداروں کو جن کے پاس کئی کئی عالیشان مکانات ہیں۔ اس واقعہ پر غور کر کے اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیئے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام کا سوشلزم روس کے موجودہ

سوشلزم سے بہتر نہیں تھا۔ مگر آہ مسلمان قوم نے اسے مسخ کر ڈالا۔ اور ملوکیت کی بنا رکھنے والوں نے اسلام کے چہرہ پر سیاہی مل دی تھی۔

اکیسواں باب

عوام کے اخراجات

عربوں نے اسلام کے لئے جان دی۔ مال خرچ کیا اور اس کی سربلندی کے لئے ایران، توران، شام اور عراق پہنچے، اس لئے یہ بات مبنی بر انصاف تھی کہ انہیں فتوحات کے مال غنیمت اور مفتوح ممالک کے محاصل میں برابر کا شریک کیا جاتا۔ اس کے سوا ان کی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا جب تک لڑائیاں چھڑی رہیں اس وقت تک وہ کوئی اور کام نہ کر سکے اس لئے ریاست نے ان کے اخراجات کی ذمہ داری لی۔ ان کو ریاست کی طرف سے کوئی باقاعدہ تنخواہ نہ ملتی تھی اور نہ شروع میں ریاست کے خزانہ میں اتنا مال تھا۔ کہ سپاہیوں کو کوئی تنخواہ دی جا سکتی۔ مفتوحہ زمین میں جو لوگ بسے تھے۔ ان کی زمین بھی چھین کر عرب سپاہیوں میں بانٹی نہ جا سکتی تھی۔ مال غنیمت، البتہ ایسی چیز تھی جسے ان میں بانٹ دیا جا سکتا تھا۔ سو یہ مال غنیمت ہر لڑائی کی فتح پر ان میں بٹ جاتا۔ ریاست اپنے

خرچ اور سپاہیوں کے قبیلوں اور گھر والوں کے لئے مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ یعنی حضرت فاروق شروع شروع میں تو اسے اسی وقت حاضرین میں برابر برابر تقسیم کر دیتے۔

جب محاصل سے آمدنی بڑھی۔ تو حضرت فاروقؓ کو خیال پیدا ہوا کہ محاصل کی تقسیم کا کوئی نیا قاعدہ نظام قائم کیا جائے مستحقین کے وظائف مقرر ہوں اور یہ وظائف ان کو ہر مہینہ باقاعدگی کے ساتھ ملتے رہیں۔

وظائف کے تقسیم کے تین درجے مقرر کئے گئے۔ اسلام میں سبقت رسول اللہؐ سے رشتہ اور قرابت۔ فوجی خدمات۔ اور ان کی نوعیت۔

رسول اللہؐ کی ازواج مطہرات کو سب سے مقدم رکھا گیا۔ ان میں سے ہر ایک کا دس ہزار درہم سالانہ یا دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔ اسی طرح حضورؐ کے دوسرے رشتہ داروں کے وظائف مقرر ہوئے۔

جن لوگوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ انہیں پانچ ہزار درہم سالانہ یا سو روپیہ ماہوار کا حق دار سمجھا گیا۔

جنگِ حدیبیہ میں حصہ لینے والے چار ہزار درہم سالانہ پانے کے مستحق ٹھہرے جن لوگوں نے فتنۂ ارتداد کے دبانے میں حصہ لیا۔ انہیں تین ہزار۔ بدری صحابہ کے بیٹوں اور خالدیہ اور شام کی لڑائیوں میں حصہ لینے والوں کو دو ہزار اور یرموک کے سپاہیوں کو ایک ہزار منصب ملا۔

(جو سپاہی زیادہ نمایاں کام کرتے۔ انہیں پانچ سو دینار سالانہ زیادہ دئے جاتے۔ اس وظائف میں عورتوں کو بھی شریک کیا گیا۔ ہر درجہ کے لوگوں کی بیویوں کی تنخواہ شوہروں کا دسواں حصہ مقرر کی گئی)

سب لوگوں کے نام اور ان کی تنخواہیں باقاعدہ رجسٹروں میں درج

کی گئیں۔ خلافت کا ایک باقاعدہ دفتر کھلا جس میں تمام رجسٹر انتہائی حفاظت کے ساتھ رکھے جاتے۔ ہر خاندان کے ہر بچے، بوڑھے اور عورتوں کے نام ان رجسٹروں میں درج کیے جاتے حتیٰ کہ جو بچہ آج پیدا ہوتا۔ اس کا نام بھی ریاست کے رجسٹر میں درج ہو جاتا۔ اور اسے پیدا ہوتے ہی دو سو درہم یا پچاس روپے سالانہ وظیفہ کا مستحق سمجھا جاتا۔ اس کی عمر جیسے جیسے بڑھتی جاتی۔ اس کا وظیفہ بھی بڑھتا جاتا۔

یہ نظام سارے عرب تک وسیع تھا۔ اور عرب کے بچے بچے کے اخراجات کی کفالت ریاست کے ذمہ ہو گئی!

ہم تاریخ لکھ رہے ہیں۔ نظام معیشت پر بحث نہیں کر رہے۔ ورنہ ہم یہ ثابت کر سکتے تھے۔ کہ عمر فاروقؓ سوشلزم کو عملی صورت میں لانے والے پہلے شخص ہیں۔ اور کارل مارکس، اینجلز اور لینن، ان کے خوشہ چین ہیں۔

حضرت فاروقؓ نے یہ نظام اس وقت رائج کیا۔ جب دنیا کے متمدن ممالک میں انسانیت انتہائی ذلیل اور رسوا تھی۔

مساوات

تنخواہوں کی تقسیم کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ اس میں انتہائی مساوات کا لحاظ رکھا گیا۔ ہر شخص کو اس کی خوبیوں کی بنا پر تنخواہ دی گئی۔ جو پہلے اسلام لایا جنہوں نے اسلام کی زیادہ خدمات کیں۔ انہیں مقدم رکھا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو عرب کے شرفاء بدک جاتے۔ مکہ کے قریش اس تقسیم پر بدکے بھی۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا۔

ہم تنخواہیں اس معیار پر نہیں لیں گے۔ ہمارا خاندان سب سے زیادہ شریف ہے۔ ہمیں زیادہ دو۔

مگر فاروقؓ نے جواب دیا۔

میں نے طریق تقسیم میں سبقت فی الاسلام اور کارگزاری کا لحاظ رکھا ہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون کس نسل سے ہے۔

پھر فرمایا۔

خدا کی قسم۔ بیت المال میں ہر مسلمان کا حق ہے۔ خواہ وہ آزاد ہو یا غلام اور میرا حصہ اس مال میں اتنا ہی ہے۔ جتنا تم سب کا ہے۔ البتہ جن لوگوں نے اسلام کی زیادہ خدمات انجام دی ہیں۔ جو رسول اللہؐ کے پاس سب سے پہلے آئے۔ اور حضورؐ پر اس وقت ایمان لائے جب اسلام لانا بہت خطرناک تھا۔ ان کو میں عوام پر ترجیح دوں گا۔ اس لئے نہیں کہ ان کی ضروریات زیادہ ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ خدا کو زیادہ پسند ہیں۔

اور پھر فرمایا کہ خدا کی قسم میں اگر زندہ رہا۔ تو جبلِ صفاء کے چرواہوں کو ان کے حصے وہیں پہنچاؤں گا۔ انہیں مدینہ آنے کی زحمت نہیں دوں گا۔ اور خدا کی قسم میں اگر زندہ رہا تو زیادہ تنخواہ اور کم تنخواہ پانے والوں کو یکساں کر دوں گا۔ اور دونوں کی تنخواہیں ایک جتنی ہو جائیں گی۔

قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں اس ضمن میں ایک روایت کی ہے[1] قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ جب عمرؓ کے آخر میں ریاست کی آمدنی بڑھ گئی تو آپ نے عوام کو جمع کر کے کہا کہ حضرت صدیقؓ کے وقت وظائف میں پوری مساوات تھی۔ سب کو ضرورت کے مطابق خرچ ملتا تھا۔ مگر اب میں ان صحابہ کو زیادہ ترجیح دوں گا جنہوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ زیادہ خدمات انجام دیں۔ اور اسلام کے لئے زیادہ قربانیاں کیں۔

اس روایت سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ریاست کی آمدنی

---

[1] ازالۃ الخفاء۔ از شاہ ولی اللہ۔

جب کم تھی ۔ اور ابھی عوام کو آسودگی اور خوشحالی حاصل نہیں ہوئی تھی ۔ عوام بھوکے اور ننگے تھے ۔ اس وقت صدیق رض نے سب کو یکساں روٹی دی سب کو ایک جیسے کپڑے بخشے ۔ کہ یہ انسان کی لازمی ضروریات ہیں ۔ اور یہ کوئی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ قابل ہو یا ناقابل ۔ سب کے ساتھ ہیں ۔ اور ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جا سکتی ۔

حضرت صدیق رض کی توجہ اس وقت زیادہ تر ان لوگوں کی حالت سنوارنے پر بھی تھی ۔ جو آسودہ حال نہ تھے ۔

حضرت فاروق رض کے دور میں حالات بدل گئے ۔ ریاست مالدار ہو گئی اس میں اتنی گنجائش پیدا ہو گئی ۔ کہ وہ نیک خدمات کا صلہ دے سکے ۔ یہ وقت جب آیا تو فاروق رض نے نیک خدمات انجام دینے والوں کی فہرست بنائی اور جو اسلام پہلے لائے جنہوں نے حضور ؐ کے ساتھ مل کر ہر قسم کی سختیاں برداشت کیں ۔ ان کو زیادہ تنخواہیں دیں ۔ گویا ان کے نزدیک تنخواہ کی زیادتی ۔ قربانی کا صلہ تھی ۔ جنہوں نے پہلے مار کھائی ۔ جنہوں نے ہاتھ پاؤں اور جسم چھید ڈالے جنہوں نے جلاوطنی کی مصیبتیں سہیں ۔ ان کا نام رجسٹر میں پہلے لکھا گیا اور جو اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھ کر اسلام لائے ۔ اور نسبتاً کم خدمات انجام دیں ۔ ان کو بعد میں رکھا گیا ۔ اور ایسے لوگ جنہوں نے کوئی خدمت انجام نہ دی تھی ۔ مگر مستحق تھے ۔ ان سے روٹی کپڑے اور دوسری ضروریات کی کفالت اپنے ذمہ لے کر ان کو کام مہیا کر دیا ۔ فوج میں بھرتی کر لیا یا دوسری خدمات ان کے ذمہ سونپ دیں ۔ اور جو کسی کام کے قابل نہ تھے ۔ انہیں ان کے گھر بیٹھے اطمینان اور سکون کے ساتھ بٹھا کر کھلایا ۔

فرقِ مراتب ۔ ابتدائی نہیں ثانوی صورت تھی ۔ لیکن حضرت فاروق رض

اصل منشا یہ تھا۔ وہ چاہتے تو یہ تھے کہ ریاست اتنی مالدار ہو جائے کہ سب کے وظائف یا تنخواہیں ایک جیسی مقرر کر دے۔ سب کو اتنا ملے کہ انہیں تنگی داماں کی شکایت ہو جائے۔ افسوس حضرت فاروقؓ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اور وہ اگلے سال جب ریاست کو محاصل وصول ہوئے اسی دن سے رحلت فرما گئے۔

مگر ایک ضابطہ اور ایک اصول ہمارے سامنے رکھ گئے۔ اور یہ ایسا اصول ہے جس پہ اسلامی ریاست عمل کر کے دنیا کے نظام کو سنوار سکتی ہے۔

خدا کی شان علما اس چیز پر توجہ نہیں فرماتے۔ ہمارے سامنے اسوہ رسولؐ اسوہ صدیقؓ اور اسوہ فاروقؓ پیش نہیں کرتے حالانکہ یہی وہ اسوہ ہے جو مسلمان کے لئے دلیل راہ بن سکتا ہے۔

حضورؐ کے اسوہ کے متعلق ہم کسی پچھلے باب میں وضاحت کر چکے ہیں صدیقؓ کا اسوہ وظائف میں مکمل مساوات تھا۔ فاروقؓ نے اس میں درجات پیدا کئے۔ اور اس درجہ کو دنیاوی وجاہت اور خاندانی شرافت سے متعلق نہیں رکھا۔ اس کا تعلق خدا اور اس کے رسولؐ سے کر دیا۔ انہوں نے جب فہرست مرتب کی تو بنو ہاشم کو سب سے پہلے رکھا۔ سب سے پہلے حضرت عباسؓ کا نام لکھا۔ اور سب سے زیادہ تنخواہ ان کو دی۔ کیونکہ وہ رسول اللہ کے بزرگ چچا تھے حضورؐ ان کو اپنے باپ کے برابر سمجھتے پھر علیؓ کا نام لکھا گیا کہ علیؓ رسول اللہ کے بھائی۔ رسول اللہ کے داماد اور آپ کی نسل کے نانا تھے۔ اور سب سے بڑھ کر اسلام کے لئے ایسی قربانیاں کیں۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اور ہر موقعہ پہ جان ہتھیلی پہ رکھ کر رسول اللہ کے ساتھ رہے۔

عبدالرحمان بن عوف اور دوسرے لوگوں نے کہا عمرؓ مسلمانوں کے امیر اپنا نام پہلے لکھو کہ تم مسلمانوں کے امیر ہو۔ فاروقؓ نے جواب دیا۔ نہیں میں پہلے اس کو مقدم رکھوں گا۔ جسے رسول اللہؐ سے سب سے زیادہ رشتہ ہے اور جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا حضرت فاروق رضؓ نے اپنا نام بہت بعد میں رکھا۔ کہ وہ زیادہ سے زیادہ مساوات چاہتے تھے۔ عجب ہوتا ہے کہ آج کل کے سوشلزم میں یہ خامی موجود ہے کہ بڑے لوگ اور بڑے افسر آمر یا ان کے متعلقین اپنا نام سب سے پہلے رکھتے ہیں۔

اسلام کے سوشلزم میں جو بلندی ہے۔ ایسی بلندی دنیا کے کسی سوشلزم میں پائی نہیں جاتی۔ یہ ایک آئیڈیل ہے۔ وقت آئے گا۔ جب دنیا ان نکات پر متوجہ ہوگی۔

فاروقؓ کے اس طریق عمل سے ایک اور بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ فاروقؓ کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ رسول اللہ کے رشتہ دار زیادہ عزیز تھے۔ اس لئے کہ رسول اللہؐ سے انہیں سچی محبت تھی۔

بعض لوگ کہتے ہیں فاروق بنو ہاشم سے محبت نہیں کرتے تھے۔ وہ فاروقؓ پر حق تلفی کا الزام دیتے ہیں۔ اے کاش ان کے پاس بصیرت کی آنکھیں ہوتیں۔ اور وہ فاروق رضؓ کے اس جذبہ صادق کو دیکھتے۔ تاریخ میں یہ حقیقت نقش ہے۔ وظائف پانے والوں کی وہ فہرست جو فاروقؓ نے مرتب کی اس میں پہلا نام حضرت عباسؓ کا اور دوسرا نام حضرت علیؓ کا ہے۔ اور پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت فاروق رضؓ نے خیبر کا باغ فدک حضرت عباس اور حضرت علی رضؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ یہ وہی باغ تھا جس کی ملکیت کا دعویٰ حضرت فاطمہ رضؓ نے صدیقؓ کی عدالت میں کیا تھا۔ اور جسے صدیقؓ

نے اس وقت کے حالات کے ماتحت قبول نہ فرمایا تھا۔

البتہ ایک بات ذہن سے نکالنی نہیں چاہیئے۔ کہ بنو ہاشم کی فہرست جب تیار ہوئی تو عباس کے سوا باقی لوگوں کے وظائف ایک جیسے تھے۔ مثلاً حضرت علی حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن عباس ان سب کو پانچ پانچ ہزار کا مستحق ٹھہرایا گیا۔ رسول اللہ سے چونکہ آپ کی ازواج مطہرات کو بھی بہت قرب تھا۔ اس لئے ہر حرم کو دس دس ہزار درہم ملے۔ مگر ان میں حضرت عائشہ سب سے بڑھ گئیں۔ انہیں عباس کی طرح بارہ ہزار درہموں کا مستحق قرار دیا گیا۔

بدری صحابہ سب کے سب پانچ ہزار کے مستحق تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے بھی جس جرأت کے ساتھ بدر کی لڑائی لڑی۔ وہ بہت زیادہ قابل قدر تھی۔ اسلام کی مساوات دیکھو کہ بدری صحابہ میں خواہ کوئی حبشی تھا۔ یا عربی غلام تھا یا آقا سب کو پانچ پانچ ہزار دیئے گئے۔ علی بنو ہاشم میں تھے انہوں نے بدری ہونے کے باعث اگر پانچ ہزار پائے تو بلال حبشی کو بھی پانچ ہزار ملے۔

(غلامی اور آقائی اور خون کی لڑائی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ سارے بدری صحابہ، مہاجر اور انصار ایک ہی درجہ میں تھے۔ خود فاروق اس صف میں تھے۔ ان کو بھی پانچ ہزار درہم ملتے۔ اور ان میں سے بھی آدھے سے زیادہ درہم وہ غریبوں میں بانٹ دیتے۔ اور خود پانچ پانچ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے۔ (ازالۃ الخفا ۲۹۲))

حضرت فاروق کے بیٹے عبداللہ بن عمر بڑے صحابی ہیں سال کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرر ہوا۔ اور اسامہ بن زید ان سے بازی لے گئے۔

اُسامہ حضورؐ کے غلام زید رضؓ کے بیٹے تھے۔ عبداللہ رضؓ ان کے ہم عمر تھے۔ اُنھوں نے حضرت فاروق سے شکایت کی۔ آپ نے اُسامہؓ کو چار ہزار درہم وظیفہ دیا ہے۔ اور مجھے تین ہزار دئے ہیں۔ حالانکہ آپ ان کے باپ سے بڑے تھے۔

حضرت فاروق رضؓ نے بیٹے کی یہ بات سُنی۔ تو فرمایا بیٹے اسامہ کے باپ تمہارے باپ سے زیادہ رسول اللہؐ کو پیارے تھے۔ اور خود اُسامہ بھی رسول اللہؐ کو تم سے زیادہ عزیز تھے۔ یہ تھا ایمان فاروق کہ رسول اللہؐ کے پیار کا زیادہ لحاظ رکھا۔ اور باپ کی بڑائی کو نظر انداز کر گئے۔

اسی طرح حضرت حفصہ بن عمر اور حضرت جویریہ بن ابوسفیان کو چھ چھ ہزار کا مستحق قرار دیا۔ حضرت حفصہؓ نے شکایت کی۔ ہم کو کیوں دوسری ازواج سے کم وظیفہ دیا گیا۔ حضرت فاروق رضؓ نے فرمایا جن بیویوں نے رسول اللہؐ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ تم سے زیادہ مستحق ہیں۔

عرب کا کوئی کونہ اور کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہا جہاں کی ساری آبادی کے نام ریاست کے تنخواہ کے رجسٹروں میں درج نہ ہوں۔ متمدن سے متمدن دُنیا میں ایسی باضابطہ حکومت کی مثال آج تک پیش نہیں کی جاسکی۔ اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔ روس نے موجودہ دور میں بڑے تجربے کئے ہیں۔ لیکن ایسا تجربہ وہاں بھی ابھی تک نہیں ہوا۔ اور نہ ہر بستی، ہر قریہ کے ہر باشندہ بچے بوڑھے اور عورت کا نام سرکاری رجسٹروں میں درج کیا گیا ہے۔ اور نہ سرکار کی طرف سے ان کی تنخواہیں ہی مقرر ہوتی ہیں۔ البتہ اس جنگ نے روس کو کس قدر اس نہج پر چلا دیا ہے جو حضرت فاروق نے اختیار کی۔

بیت المال

بیت المال یا خزانہ ہر ریاست میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام کا بیت المال، رسول اللہؐ اور حضرت صدیقؓ کے دور میں عموماً خالی رہا۔ اتنا روپیہ ہی نہ تھا کہ بیت المال میں جمع کیا جاتا۔

فاروقؓ کے دور میں بیت المال کی حالت سنبھلی۔ فتوحات اور محاصل سے روپیہ اب اتنا آتا۔ کہ عوام کی ضروریات سے بچ رہتا۔ اسے حضرت فاروقؓ بیت المال میں ڈال دیتے۔ اور اس کی پوری حفاظت کرتے۔

روضتہ الاحباب میں لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ سمواحنف بن قیس شرفاء کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت فاروقؓ اس وقت مدینہ سے باہر تھے۔ اور سخت گرمی اور دھوپ کے عالم میں بیت المال کے ایک اونٹ کو ڈھونڈ رہے تھے۔ حنف کہتے ہیں، میں نے امیرالمومنین سے عرض کیا۔ اور لوگ بھی ہیں ان سے کہہ دیا ہوتا کہ وہ اس اونٹ کو تلاش کرتے۔ حضرت فاروقؓ نے جواب دیا۔ تم کیا باتیں کرتے ہو۔ یہ بیت المال کا مال ہے۔ اور بیت المال پر غریبوں۔ بیواؤں اور یتیموں کا حق ہے۔ اگر اونٹ گم ہو گیا تو ان لوگوں کو میں کیا جواب دوں گا۔

ریاض النضرہ میں اس قسم کی ایک اور روایت درج کی گئی ہے۔ کہ ابوبکرؓ ایک دفعہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ اس جگہ آئے جہاں بیت المال کے اونٹ رکھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان رجسٹر ہاتھ میں لے کر سایہ میں بیٹھ گئے۔ تاکہ اونٹوں کا اندراج رجسٹر میں کریں۔ حضرت

علیؓ اونٹوں کے حلیے بولتے جاتے۔ اور فاروقؓ اونٹوں کو گھیر گھیر کر لاتے۔ اور ان کی خصوصیات حضرت علیؓ سے بیان کرتے حضرت فاروقؓ کو اونٹوں کی تلاش میں کافی دور تک جانا پڑتا۔ اس وقت سخت دھوپ پڑ رہی تھی۔ مگر فاروقؓ نے اس دھوپ کی کوئی پروا نہ کی اور اپنا کام کرتے رہے۔

محمد بن علی کی روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ وہ حضرت عثمان کی معیت میں عالیہ گئے۔ یہ جگہ مدینہ کے نواح میں ہے۔ یہ سخت دھوپ کا وقت تھا سخت لو چل رہی تھی۔ اتنی سخت کہ حضرت عثمان کھڑکی میں منہ بھی باہر نہ نکال سکتے تھے۔ اس وقت وہ جس کمرہ میں بیٹھے تھے۔ وہ سڑک پر تھا۔ اور سامنے انہوں نے ایک آدمی کو دو اونٹوں کی مہاریں ہاتھ میں پکڑے ادھر آتے دیکھا حضرت عثمانؓ نے انتہائی حیرت کے ساتھ اپنے غلام سے کہا یہ عجیب آدمی ہے۔ اس گرمی کے عالم میں اونٹ ہنکائے لا رہا ہے اگر یہ وقت کسی سایہ کی جگہ میں کاٹ لیتا۔ تو کیا اچھا ہوتا۔

آدمی قریب آ گیا حضرت عثمانؓ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی یہ تو امیر المومنین عمر تھے حضرت رضؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھ کر بولے۔ عجیب بات ہے۔ اس گرمی میں اگر آپ ان اونٹوں کو ہنکا کر نہ لاتے تو کیا ہو جاتا۔

امیر المومنین نے جواب دیا۔

عثمان یہ دونوں اونٹ بیت المال کے تھے پیچھے رہ گئے تھے سبھے ڈر تھا کہ یہ کہیں گم نہ ہو جائیں۔

یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ اور اسی دھوپ کے عالم میں انہیں اسی جگہ چھوڑ آئے۔ جہاں ایسے اونٹ رکھے جاتے۔ (مسند امام شافعی)

ایک بار بحرین سے حضرت عمرؓ کی خدمت میں کچھ مشک بھیجا گیا۔ آپ گھر میں تھے۔ کچھ عورتیں آپ پاس بیٹھی تھیں۔ آپ نے ان سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

کوئی عورت اسے تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔

حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بولیں۔

لائیے اسے میں تول دوں۔

حضرت عمرؓ نے اپنا بول پھر دہرایا عاتکہ نے پھر اپنے آپ کو پیش کر دیا حضرت عمر ناراض ہوئے فرمایا

میں تم سے تلوانا نہیں چاہتا۔ تم اسے اس لئے تولنا چاہتی ہو کہ اسے تولتے وقت اس کا گرد و غبار جھاڑ کر رکھ لو۔ اور اس طرح تمہیں زیادہ حصہ ملے۔ میں یہ نہیں کرنے دوں گا۔ میرا حصہ بھی اتنا ہی ہے۔ جتنا کہ دوسروں کا۔ (احیاء العلوم)

حضرت عبداللہ اور عبیداللہ حضرت عمرؓ کے بیٹے تھے۔ ان دونوں نے ایک اونٹ خریدا۔ اور اسے بیت المال کے اونٹوں میں چھوڑ دیا۔ کہ ان کے ساتھ چرتا رہے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ خوب موٹا ہو گیا۔ تو ان دونوں نے اسے بیچ ڈالا حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی۔ تو انہوں نے بیٹوں کو بلا کر ان سے آدھی قیمت وصول کر لی۔ اور اسے بیت المال میں داخل کر دیا۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمر خراج کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر رہے تھے کہ ان کی چھوٹی بیٹی وہاں آن پہنچی اور ایک چونی منہ میں ڈال کر وہاں سے بھاگ نکلی۔ حضرت فاروقؓ سب کام چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگے لڑکی روتی ہوئی گھر میں چھپ گئی۔ حضرت عمرؓ نے اسے ڈھونڈھ نکالا

اور اس کے منہ سے چونی نکال کر بیت المال میں لے آئے۔ اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

یاد رکھو۔ بیت المال میں میرا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا تم میں سے ہر ایک کا مجھے اس میں سے ایک پائی زیادہ لینے کا حق نہیں۔

اسی طرح ایک موقعہ پر حضرت ابو موسیٰ بیت المال میں جھاڑو دے رہے تھے۔ کہ انہیں چونی گری پڑی ملی۔ عین اس وقت حضرت عمر کے ایک بچے وہاں سے گزرے حضرت ابو موسیٰ نے یہ چونی انہیں دے دی حضرت عمرؓ کہیں رستہ میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے یہ چونی بیٹے کے ہاتھ میں دیکھ کر پوچھا۔ کہاں سے لائے ہو۔ بچے نے کہا۔ ابو موسیٰ نے دی ہے۔ حضرت عمر یہ چونی لے کر ابو موسیٰ کے پاس آئے فرمانے لگے۔

ابو موسیٰ کیا تمہیں مدینہ میں اور کوئی گھر ہم سے زیادہ غریب نہیں ملا۔ جسے تم یہ چونی دیتے۔ تم نے یہ چونی دے کر ہمیں مسلمانوں کا خائن بنانا چاہا۔ (تنبیہ الغافلین)

ایک بار شام سے زیتون کا تیل آیا حضرت فاروقؓ اس تیل کو پیالہ بھر بھر کر مسلمانوں میں تقسیم کرنے لگے۔ جب تقسیم کر چکے۔ تو آپ کے ایک بیٹے نے جو پاس بیٹھے تھے۔ یہ پیالہ اٹھا لیا۔ اور اس میں جو تیل باقی رہ گیا تھا اسے اپنے سر میں مل لیا حضرت فاروقؓ سخت ناراض ہوئے فرمانے لگے۔ تمہیں مسلمانوں کے تیل میں خیانت کرنے کا کیا حق تھا۔ یہ کہہ کر اسے گھسیٹتے ہوئے حجام کے پاس لے گئے۔ اور حجام سے کہا اس کے بال مونڈھ دو۔ اس نے مسلمانوں کے تیل میں خیانت کی ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو

دیکھا کہ اونٹ کا پالان کندھے پر ڈالے۔ اونٹ تلاش کر رہے ہیں حضرت علیؓ نے انہیں روک لیا۔ فرمایا؟

آپ نے اپنے بعد آنے والے خلفا کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

میرے دوست مجھے ملامت نہ کرو۔ خدا کی قسم اگر بیت المال کی ایک بکری بھی میری غفلت سے کہیں گم ہو گئی۔ تو قیامت کے دن مجھ سے پوچھا جائے گا۔ اس وقت میں کیا جواب دوں گا۔

فاروق نے سچ مچ بیت المال کی حفاظت جس سختی سے کی۔ اس سے آنے والے خلفا کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ اور غضب تو یہ تھا کہ اللہ کا یہ محبوب بندہ فاروق رضؓ خدا کی ہزار ہزار رحمتیں اس پر نازل ہوں اسلامی ریاست کے تمول کے باوجود کمبل کے کھردرے کپڑے پہنتا۔ موٹے کھدر کی بے رنگ چادر کا تہ بند بناتا۔ اور دن بھر عوام کی مشکلات کے حل سوچتا رہتا۔ یہ سادگی پاکیزگی اور احتیاط کی انتہا تھی کس میں ہمت تھی کہ فاروق رضؓ جیسا ثابت ہوتا۔

عام نظم و نسق

(حضرت فاروق رضؓ نے پہلی دفعہ حکومت کو دو حصوں پر بانٹا۔ شہری اور فوجی دو مستقل اور الگ الگ شعبے قائم کئے۔ شہری شعبے کا انتظام بھی کئی حصوں میں بٹا۔ مال، عدالت اور امن و امان کے محکمے اس کے اہم جزو تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت فاروق ان محکموں کے ہیڈ خود مقرر کرتے۔

کہیں کہیں صوبوں کے گورنر اور سپہ سالار ایک ہی رکھے۔ اور کہیں کہیں الگ۔

فوج کا محکمہ بھی دو حصوں میں بٹا۔ ایک مخصوص فوج اور ایک عام فوج۔ عام فوج کا رکن ہر مسلمان تھا۔ مخصوص فوج وہ ہوتی جسے ریاست کے خزانہ سے فوجی شعبہ باقاعدہ تنخواہ یا جاگیر دیتا۔ ایسی فوج کی آٹھ بڑی بڑی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ ہر چھاؤنی میں کم از کم چار ہزار سپاہی ہر وقت کیل کانٹے سے لیس رہتے۔ اور جہاں کہیں فوری ضرورت پیش آتی۔ وہاں یہ سپاہی کام آتے۔ دوسرے ملک پر چڑھائی کے وقت عام بھرتی شروع ہوتی۔ اور عارضی فوج تیار کی جاتی یہ فوج ضرورت ختم ہونے کے بعد توڑ دی جاتی۔

فوجی چھاؤنیوں کے گھوڑوں کے علاوہ حضرت فاروق اپنی تحویل میں ہر وقت چار ہزار گھوڑے رکھتے۔ جس سپاہی کے پاس گھوڑا نہ ہوتا حضرت فاروق رض اسے اپنے پاس سے گھوڑا دیتے۔ البتہ اس سے عہد لیتے کہ وہ اس گھوڑے کی پوری حفاظت کرے گا۔ اسے تکلیف نہیں دے گا۔ گھوڑے اور سپاہی کے خرچ کے لئے اسے غالب وظیفہ دیا جاتا۔

سپاہیوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھی۔ جن کے پاس کافی سرمایہ تھا۔ ہر وہ سپاہی جو بڑی لڑائیوں میں شریک ہوا جس نے شام یا عراق کے معرکوں میں حصہ لیا۔ ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ ایک ایک سپاہی کے پاس بیس بیس ہزار روپے تھے۔ ان کو شاید وظیفے بھی ملتے جو ان کے اخراجات کے لئے کافی ہوتے۔ سوار کو پیادہ کی نسبت دگنی تنخواہ ملتی۔ بعض سپاہیوں کو جاگیریں بھی دی گئیں۔ کہ زمین خود ہی کاشت

کریں۔ اور خود ہی اپنے اخراجات پورے کریں۔ ہر سال چالیس ہزار اونٹ محض اس لئے نئے خریدے جاتے۔ کہ فوج کی نقل وحمل کے کام آئیں۔ یہ ٹرانسپورٹ سروس تھی۔

حد بندی اور مالیہ

عراق اور شام کے علاقے جب فتح ہو گئے۔ تو حضرت فاروق رضؓ نے عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو عراق بھیجا۔ کہ وہ وہاں کی زمین کی پیمائش کریں۔ پیمائش ہوئی۔ عراق کی ساری زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی گیہوں۔ جو۔ مکی اور دوسرے غلہ کی پیداوار پہ ہر سال ایک درہم کھجور پہ پانچ درہم۔ انگور پر دس اور گنے پر چھ درہم سالانہ مالیہ مقرر ہوا۔ گویا ہر سال مفتوح ممالک۔ اسلامی ریاست کو اپنی پیداوار کی ایک جریب پہ ایک چوتی ادا کرتے۔ اسے یار لوگ جزیہ اور خراج سے تعبیر کر کے اسلامی حکومت کو ظالم ٹھیراتے ہیں۔ حالانکہ اس انصاف پسند نظام حکومت میں فی جریب پر کتنی روپے وصول کئے جاتے ہیں۔ عراق کی طرح شام کی زمین پر بھی خراج لگایا گیا۔ اس کی شرح وہاں کی زرخیزی کی نسبت سے کچھ الگ تھی۔

مفتوحہ ملک کی زرخیزی اور شادابی کو بڑھانے کے لئے خالدیہ کے علاقہ میں فرات اور دجلہ سے کئی نہریں کھودی گئیں۔ اور اس طرح ملک کے گوشہ گوشہ میں نہروں کا جال پھیلا دیا گیا۔ اس کام کی نگرانی کے لئے خاص محکمہ مقرر ہوا۔ اور اس عملہ کو ہدایات دی گئیں۔ کہ عوام

کے ساتھ ہر قسم کی نرمی کا سلوک کرے۔

عراق اور شام کے ہر ہر کھیت کی حد بندی کا کام شروع ہوا۔ اور تھوڑی ہی مدت میں سرکاری عمال نے ساری زمین کی تقسیم مکمل کر لی۔ ہر کھیت کے مالک کا نام کھیت کی پیداوار اور حدود اربعہ سے متعلق معلومات سرکاری رجسٹروں میں درج کر لی گئیں۔

اس سے پہلے سینکڑوں برس کی حکومت میں ایرانی اور رومی بادشاہ جو کام نہ کر سکے۔ وہ حضرت فاروقؓ کی توجہ سے بہت جلد تکمیل کو پہنچا۔

شکایات کے دفتر

(قلمرو کے ہر حصہ میں شکایات کے دفتر کھلے۔ عوام کی شکایات سننے اور انہیں دور کرنے کے لئے خاص حکام مقرر ہوئے۔ اور اسی طرح کسی شخص لئے یہ سہولت نہ رہی کہ وہ رعایا کے کسی فرد پر زیادتی کر سکے۔ حکومت کی نگاہ میں ہر شخص آدمی تھا۔ خواہ چھوٹا ہوتا خواہ بڑا سب برابر تھے۔ کوئی کسی پر زیادتی نہ کر سکتا۔ زیادتی کرنے والوں کو کڑی سے کڑی سزائیں دی جاتیں۔

حضرت فاروقؓ کا دور اگر حقیقت دیکھی جائے۔ تو انسانی تمدن کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ جب سے انسان تمدن کے رستہ پر گامزن ہوا ہے۔ ایسی منظم اور ایسی مرتب حکومت کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ حکومت کا ہر شعبہ اپنے کام کو انتہائی حسن اور خوبی کے

سا تھ انجام دیتا۔ حکومت کی مشین کا ہر پرزہ اپنی جگہ فٹ تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فاروق اعظم نے انہیں جہاں اور جس جگہ رکھا ہے۔ اسی کے لئے بنے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ خدا نے فاروقؓ کو کتنی بڑی دانائی بخشی تھی۔ کہ وہ ہر شخص کی صلاحیتوں کے مطابق اس سے کام لیتے۔ اس زمانہ میں جبکہ نہ ریل گاڑیاں تھیں۔ اور نہ تار برقی کا کوئی انتظام تھا۔ حضرت فاروق اپنی وسیع حکومت کی ہر ہر بات سے باخبر رہتے۔ انہوں نے ہر جگہ اور ہر مقام پر پرچہ نویس مقرر کر رکھے تھے جو انہیں ہر ضروری بات سے باخبر رکھتے۔

جمع قرآن

حضرت فاروقؓ کا دامن ایک اور سعادت سے بھی بھرا ہے۔ انہوں نے قرآن حکیم کی جمع اور ترتیب کا کام تکمیل کو پہنچایا۔

قرآن کی ترتیب کا کام حضرت ابوبکر کے دور میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ اور حضرت فاروق ہی نے حضرت ابوبکرؓ کو اس طرف متوجہ کیا تھا۔ "باغ مرگ" کی لڑائی میں قرآن حکیم کے بہت سے حفاظ شہید ہو گئے تھے۔ اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ قرآن کی ترتیب کو کہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔ اس لئے حضرت زید بن ثابت کے ذمہ یہ فرض عاید کیا گیا۔ کہ وہ قرآن کی ترتیب اور جمع کا کام شروع کریں۔ حضرت زید بن ثابت کاتبانِ وحی میں سے تھے۔ حضورؐ پر جب وحی نازل ہوتی۔ تو زید بن ثابت اسے تختیوں پر لکھتے جاتے۔ کچھ صحابی ایسے بھی تھے۔ جو

قرآن کے نزول کے ساتھ ساتھ قرآن حفظ کرتے جاتے۔ کچھ لوگ اسے کھجور کے پتوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور پتھر کی تختیوں پر لکھ لیتے۔ حضرت زیدؓ نے ان سب لوگوں کو جمع کیا۔ ان سے ان کا قیمتی سرمایہ حاصل کیا اور قرآن کو مرتب شکل دے دی۔ یہ ترتیب حضورؐ کی بنائی ہوئی تھی۔ حضورؐ کے منشا کے مطابق زیدؓ نے ایک ایک آیت کو اس کی اصل جگہ پر رکھا۔ زید بن ثابت کے ترتیب دئیے ہوئے قرآن کا یہ نسخہ حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ اور اس کی کچھ نقلیں کرا کے مختلف مقامات پر بھیج دی گئیں۔ اور لوگوں کو ہدایت کر دی گئی۔ کہ اس ترتیب کے مطابق قرآن کی تلاوت کی جائے۔

یہود و نصاریٰ

حضورؐ نے وصال سے پہلے وصیت کی تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو عرب میں نہ رہنے دیا جائے۔ گو مخالفین نے اس وصیت کے خلاف بہت زبان کھولی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ وصیت کئی اسباب پر مبنی تھی سب سے بنیادی سبب تو یہ تھا کہ عرب کے عیسائی اور یہودی ہمیشہ اسلام کے مخالف رہے۔ اور انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو گرانے کا ہر منصوبہ کیا۔ خاص طور پر یہود نے تو سخت غداری کی۔ اور اس لئے حضورؐ کو یہ وصیت کرنی پڑی۔

اگر خدا عمر دیتا تو حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کی اس وصیت کو یقیناً پورا کرتے۔ شام اور عراق کی فتح کے بعد جب اسلام اپنے عروج کو پہنچا

تو حضرت عمر فاروقؓ کو اس وصیت کے پورا کرنے کا خیال ہوا۔ اور انہوں نے خیبر کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ اپنے املاک اور جائدادوں کی موزوں قیمت لے لیں۔ اور شام میں جا بسیں۔ عیسائی مورخین نے حضرت فاروق کے اس حکم کو جبر اور زیادتی سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ اس میں جبر اور زیادتی کی کوئی بات نہیں۔ یہ ریاست کے بقا کی ایک شریفانہ تدبیر تھی۔ اور ان کے خیال میں اس تدبیر سے اسلام کا مستقبل محفوظ کیا جا سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے نجران اور خیبر کے لوگوں سے بات چیت کر لی۔ اور انہیں ان کے املاک کی قیمت دے کر شام اور کوفہ میں بسا دیا۔ ان کے سفر کے لئے پوری سہولتیں بہم پہنچائیں۔ اور شام اور کوفہ کے گورنروں کو حکم بھیجا ان لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے۔ اور انہیں زمینوں جیسی پوری سہولتیں مہیا کی جائیں۔

اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ خلافت بنو امیہ اور بنو عباس میں بہت اچھا سلوک روا رکھا گیا۔

سفیرہ کا قصہ

حضرت عتبہ کی وفات کے بعد حضرت سفیرہ بن شعبہ بصرہ کے گورنر مقرر کئے گئے۔ بصرہ سب سے بڑی فوجی چھاؤنی تھی۔ اس اسلامی فوج کا جو شام کو فتح کرنے آئی تھی۔ ایک بڑا حصہ یہیں آباد کر دیا گیا تھا۔ اس میں زیادہ تر بدوی قبائل تھے۔ ایسے قبائل جنہوں نے اسلام کو پرکھا اور سمجھا کم تھا۔ ان میں ابھی وہی جاہمیت باقی تھی۔ جو اسلام سے

پہلے عربوں کی فطرت بن چکی تھی۔ اس لئے ان کو کوئی گورنر کبھی مطمئن نہ کر سکا۔ عتبہ بصرہ کے بانی تھے۔ ان سے یہ لوگ بہت ڈرتے تھے۔ لیکن حضرت مغیرہ سے یہ لوگ بظاہر تو خائف تھے۔ مگر اندر سے خائف نہ تھے۔ ان کے خلاف اکثر سازشیں کرتے رہتے۔

ان لوگوں میں سے ایک جماعت نے حضرت مغیرہ کو بدنام کرنے کے لئے ان پر الزام لگایا۔ کہ انہوں نے ایک بدوی عورت سے زنا کیا ہے۔ یہ بڑا سخت الزام تھا۔ حضرت مغیرہ مدینہ طلب کئے گئے۔ وہ لوگ بھی وہاں گئے۔ جنہوں نے سازش کی تھی۔ وہ چونکہ جھوٹے تھے۔ اس لئے مدینہ پہنچ کر حضرت مغیرہ کے خلاف شہادت دیتے وقت ایک گواہ زیاد منحرف ہو گیا۔ اب صرف تین گواہ باقی رہ گئے۔ اسلام کے نزدیک تین گواہ زنا کی شہادت کے لئے کافی نہیں۔ زنا کی حد اس وقت قائم ہوتی ہے جب چار آدمی یا آٹھ آنکھیں کسی مرد اور عورت کو زنا کرتے دیکھیں۔

تین گواہیاں ناکافی تھیں۔ اس لئے گواہوں کو جھوٹی گواہی دینے کی بنا پر سزا دی گئی۔ جب ان گواہوں کو دُرّے لگائے جا رہے تھے تو مغیرہ بول اٹھے۔

زور سے مارو ان کو تاکہ میرا دل ٹھنڈا ہو۔

حضرت فاروقؓ کو ان کی یہ مداخلت بری معلوم ہوئی۔ اس لئے انہوں نے انہیں بہت ڈانٹا۔

مغیرہ کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری بصرہ کے گورنر بنائے گئے۔ ان کے ساتھ انتیس اور معتمد صحابی بھی ان کی درخواست پر بصرہ بھیجے گئے۔ مگر بصرہ کے لوگوں کو وہ بھی مطمئن نہ کر سکے۔ اور آخر ان کے خلاف

بھی بارگاہ خلافت میں شکایتوں کا طومار کھلا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کے خلاف دابہ نے جو الزامات لگائے وہ یہ تھے۔

(۱) جوانوں کی ایک جماعت کو جو حملہ میں ہاتھ آئی۔ حضرت ابوموسیٰ نے اپنی ذاتی خدمت پر لگایا۔

حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا۔

یہ بات صحیح ہے۔ لیکن اس میں ذرا تفصیل سے کام نہیں لیا گیا۔ میں نے ان لوگوں کو یقیناً اپنے پاس رکھا اور محافظ دستے کا کام لیا۔ اور جب انہوں نے میری اچھی خدمت کی۔ تو میں نے اُن کی قیمت ادا کر کے اُنہیں آزاد کرا دیا۔ اور اب وہ آزاد ہیں۔ اور اپنی خوشی سے میری خدمت کرتے ہیں۔

دابہ نے اعتراف کیا کہ ابوموسیٰ کا بیان صحیح ہے۔ لیکن ان کا الزام بھی غلط نہ تھا۔

ان کے خلاف دوسرا الزام یہ تھا کہ ان کے قبضہ میں زمین کے دو بڑے ٹکڑے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا۔ یقیناً میرے پاس زمین کے دو بڑے ٹکڑے ہیں۔ ایک اپنے بال بچوں کے گزارہ کے لئے ہے۔ اور دوسرا ان لوگوں کے خرچ کے لئے ہے جو میرے پاس آتے ہیں۔

دابہ نے اس کی بھی تصدیق کی۔

تیسرا الزام یہ تھا کہ حضرت ابوموسیٰ کے گھر میں ایک ایسی لڑکی ہے جس کی خوبصورتی کی مثال نہیں ملتی۔ ابوموسیٰ نے کوئی جواب

نہیں دیا۔ اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ پر یہ الزام لگایا گیا۔ کہ ان کے خادم زیاد دفتر کے سارے کام کاج پر حاوی ہیں حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا! یہ صحیح ہے۔ کیونکہ زیاد بہت سمجھدار نوجوان ہے۔ اور اس کام کے اہل ہے۔ حضرت ابوموسیٰ پر ایک اور الزام یہ لگایا گیا۔ کہ انہوں نے ایک شاعر کو ایک ہزار درہم انعام میں دئے۔ حضرت ابوموسیٰ نے اس بات کو بھی تسلیم کر لیا۔ چونکہ الزامات یونہی سے تھے۔ اس لئے حضرت فاروق نے ابوموسیٰ کو ان کے عہدہ پر بحال رہنے دیا۔ البتہ اس خوبصورت لڑکی اور زیاد کو مدینہ بلا لیا! زیاد حقیقتاً بہت ذہین اور سمجھدار تھا۔ حضرت فاروق نے اس کو حکومت کے انتظامی کام کے خوب قابل پایا۔ اس لئے اسے پھر بصرہ بھیج دیا۔ البتہ لڑکی مدینہ میں ہی رکھی گئی۔

کوفہ

کوفہ اسلام کی تاریخ میں بصرہ سے بھی زیادہ "نیک نام" ہے یہاں بھی چونکہ وہ بدوی قبائل زیادہ تر آباد ہوئے تھے۔ جو اسلام کو اچھی طرح سمجھے نہ تھے۔ اس لئے ان میں کفر کے اور عیوب ابھی باقی تھے۔ اور سب سے بڑا عیب یہ تھا کہ وہ انتہائی متعصب تھے۔ شروع میں تو حضرت سعد گورنر اور بانی کوفہ ان کے تعصب کا شکار نہ ہوئے لیکن حضرت فاروق کی خلافت کے نویں سال ان کے خلاف بھی شکایات کے پلندے تیار ہوئے۔ اور حضرت فاروقؓ نے انہی عام

عام پالیسی کے مطابق حضرت سعد اور ان کے مخالف شکایت کرنے والوں کو مدینہ طلب کیا۔

حضرت سعدؓ کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ تھا۔ کہ وہ نماز میں کوتاہی کرتے ہیں۔ یہ بات حضرت فاروق کے نزدیک ناقابل معافی تھی۔ اس لئے انہوں نے حضرت سعدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت عمار کو دی۔ حضرت عمار اسلام کے بہت آغاز میں مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ وہ غلام تھے۔ مگر اسلام لانے کے بعد ان کی غلامی شاہی میں بدل گئی۔ اور رسول اللہ سے قرب نے انہیں اس قابل کر دیا تھا۔ کہ وہ کوفہ کے گورنر بنائے جاتے۔ مگر وہ بہت بوڑھے اور بہت سیدھے سادے تھے۔ کوفہ کے شریر لوگوں کو قابو نہ کر سکے۔ اور کوفہ کی گورنری ابوموسیٰ الشعری کو ملی۔ ابوموسیٰ الشعری بصریٰ کے لوگوں کے عادی تھے۔ کوفہ کے لوگوں کا مزاج کچھ بہت مختلف تھا۔ اس لئے ابوموسیٰ ناکام ہوئے۔ اور حضرت مغیرہ کو پھر یہی کام سونپا گیا۔

اللہ فاروقؓ پر اپنی ہزار ہزار رحمتیں نازل کرے۔ وہ کوفہ کے لوگوں کے مزاج شناس نہ بن سکے۔ انہوں نے ان بدوؤں کو جو دور دراز کے صحرا سے اٹھ کر اچانک شہر میں آن بسے تھے۔ اچھی طرح سمجھا نہ تھا۔ یہ بدو بڑے فتنیں تھے سخت گیری سے ان کی کو رد بتی تھی۔ اس لئے جو گورنر ان پر سختی کرتا۔ اس کے خلاف جھوٹی سچی شکایتیں کر کے حضرت فاروقؓ کے جذبۂ رحم کو اکسا دیتے۔

حضرت فاروقؓ سچے مسلمان تھے۔ وہ نہ چاہتے تھے ان لوگوں کو

دکھا دیں۔ جو ان کے تابع فرمان تھے۔ اگر انہیں کوفہ میں رہنے کا اتفاق ہوتا۔ تو وہ یقیناً" کوفہ کے لوگوں کے مزاج شناس ہو جاتے۔ اور سعدؓ کو ان کی جگہ سے نہ ہٹاتے۔ یا اگر سعد کو ہٹایا تھا تو ان کی جگہ امیر معاویہ کو بھیج دیتے۔ اور اس طرح امیر معاویہ ایک جگہ پر جم نہ سکتے بہر حال کوفہ کے لوگوں کے ساتھ جو نرمی کی گئی۔ اس کا اثر اچھا نہیں پڑا۔ اور کوفہ کے لوگوں کے مزاج زیادہ خراب ہو گئے۔

بائیسواں باب

حضرت فاروق کی شہادت

حضرت فاروق کی خلافت کا گیارھواں سال تھا۔ اور ابھی ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔ کہ ان کی زندگی کا چراغ اچانک گل کر دیا گیا۔

حضرت فاروق حسب عادت رسول اللہ کی ازواج مطہرات کے ساتھ حج بیت اللہ سے واپس آئے۔ انہیں مدینہ آئے چند دن ہوئے تھے۔ کہ ایک دن مدینہ کے بازار میں ابولولو نے ان سے شکایت کی۔ ابولولو حضرت مغیرہ کا غلام تھا۔ اسے عراق سے لائے تھے۔ ابولولو کو شکایت تھی کہ حضرت مغیرہ اس سے زیادہ معاوضہ لیتے ہیں۔ حضرت فاروق نے اس سے پوچھا۔ مغیرہ تم سے کیا معاوضہ لیتے ہیں ابولولو نے جواب دیا۔ مجھے دو درہم روزانہ کما کر مغیرہ کو دینے پڑتے ہیں۔ حضرت فاروق نے پوچھا اور تم کام کیا کرتے ہو۔ ابولولو بولا۔ میں بڑھئی ہوں۔ حضرت فاروق نے فرمایا۔ تمہارے جیسے

قابل فن کار کے لئے دو درہم زیادہ نہیں۔

ابولولو کو یہ بات ناگوار گزری۔ اس کی آنکھوں میں سُرخی آ گئی۔ اور فاروق ؓ کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اس غلام کی آنکھیں کسی خطرناک ارادہ کا اعلان کر رہی ہیں۔ مگر وہ اپنی راہ چلے گئے ؛ اور بات آئی گئی ہو گئی کسی کو یہ خیال بھی نہ ہوتا کہ یہ غلام اتنی چھوٹی سی بات پر حضرت فاروق پر حملہ کر دے گا!

مگر دوسری صبح جب صبح کو نماز کے وقت لوگ مسجد میں آئے۔ تو ابولولو بھی ان میں چھپا تھا۔ اس نے کسی نہ کسی طرح پہلی صف میں جگہ پا لی۔ اندھیرا بہت تھا حضرت فاروق حسب معمول نماز پڑھانے کھڑے ہوئے ابھی انہوں نے نماز شروع کی تھی کہ ابولولو بجلی کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا اور حضرت فاروق پر پے در پے چھ وار کئے۔ وہ گر گئے۔ ابولولو نے کئی اور آدمیوں کو قتل اور زخمی کیا۔ اور آخر اپنے خنجر سے خودکشی کر لی۔

بستر مرگ پر

حضرت فاروق ؓ کے جسم سے خون فوارہ کی طرح چھوٹ رہا تھا لیکن فرض شناسی اور خدا پرستی دیکھو کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو ہاتھ سے پکڑ کر آگے بڑھا دیا کہ وہ نماز پوری کریں۔ عبدالرحمٰن جب نماز پڑھا چکے تو حضرت فاروق ؓ کو اُٹھا کر ان کے گھر خواہش ظاہر کی کہ وہ خلافت قبول کر لیں۔ لیکن عبدالرحمٰن نہ مانے۔ انہوں نے کہا میں خلافت کے بوجھ کو اُٹھانے کے قابل نہیں ہوں۔ حضرت فاروق کی نگاہ میں خلافت کا

بوجھ چھ آدمی اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے ان چھ آدمیوں کا بورڈ بنا دیا۔ اور انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت طلحہ!

کونسل کا ساتواں رکن حضرت فاروق رضؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو قرار دیا۔ لیکن یہ اس صورت میں جب تین تین آدمی ایک طرف ہوں۔ انہیں صرف یہ حق تھا کہ وہ اپنی رائے کسی ایک جماعت کے ساتھ دے کر جھگڑا چکا دیں۔

مگر اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ حضرت طلحہ مدینہ سے باہر تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن اپنا نام واپس لے چکے تھے۔ حضرت از بیر صاحب علیؓ کے حامی تھے۔ اور حضرت سعد کی رائے کسی طرف نہ تھی۔

حضرت فاروق رضؓ نے اس سلسلہ میں کسی قسم کی جانبداری سے کام نہیں لیا۔ اور نہ خلافت کی مسند کو اپنے عزیزوں کے سپرد کیا۔ عبداللہ ان کے بیٹے تھے۔ انتخاب کرنے والوں کی کونسل میں وہ بھی ایک رکن تھے۔ لیکن خلافت کے امیدوار قرار نہیں دئے گئے۔ ان کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ اپنے لئے رائے لیں۔ باقی امیدواروں میں سب ان کے برابر کے دوست تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف پر انہیں زیادہ اعتماد تھا۔ اور ان کے نزدیک وہ زیادہ ضابطہ اور صائب تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کی خدمت میں خلافت پیش کی۔ اس کے سوا باقی سب لوگ اپنے اور رسول اللہ کے بڑے صحابہ ہونے کے اعتبار سے یکساں تھے۔

موت سے پہلے حضرت فاروق رضؓ نے امیدواران خلافت کو نصیحت بھی

کی۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کو مخاطب کیا۔ (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فاروقؓ کے خیال میں امیدواروں میں خلافت کے سب سے اہل حضرت علیؓ تھے) انہوں نے فرمایا۔ علیؓ ہاشم کے خاندان کو ان کے ساتھیوں سے بڑھانے کی کوشش نہ کرنا۔ اس کے بعد عثمان کا نام لیا۔ گویا عثمان دوسرے نمبر پر تھے۔ انہوں نے کہا عثمان اور اے سعد، اگر تمہارا انتخاب ہوا۔ تو تم اپنے رشتہ داروں کو دوسروں پر سبقت نہ دینا۔ عبدالرحمٰن خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کا نام انہوں نے نہیں لیا۔ زبیر کے انتخاب کے امکانات کم تھے اس لئے انہیں بھی کچھ نہیں فرمایا۔ اور حکم دیا کہ انتخاب میں پوری آزادی اور سوچ سمجھ سے کام لیں۔

ذمہ داری کا احساس

اس واقعہ سے حضرت فاروقؓ کی ذمہ داری اور فرض شناسی کا اندازہ کیجئے۔ زخموں سے خون بہ رہا ہے۔ قوت جواب دے چکی ہے۔ لیکن علاج پر توجہ کی بجائے ملت کے مستقبل پر توجہ ہے اور صحابہ کو سمجھا رہے ہیں کہ ملت کی پاسبانی کا کام آسان نہیں یہ لوگ مشورہ کیلئے اٹھ گئے۔ تو انہوں نے طبیب کو بلوایا طبیب نے دوا کھلانے کو دی۔ مگر یہ دوا زخم کے رستے نکل گئی۔ اور موت یقینی نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد حضرت فاروق نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو حکم دیا۔ دیکھو مجھ پر کس شخص نے حملہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ واپس آئے۔ اور ابولولو کا نام لیا۔ حضرت فاروقؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ انہیں مارنے

والا مسلمان نہیں ہے۔

حضرت فاروق رضؓ نے پھر اپنے بیٹے عبداللہ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا۔ اور اجازت چاہی کہ ان کے حجرے میں رسول اللہؐ اور ابوبکر صدیق کے پہلو میں دفن ہوں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ جگہ انہوں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ لیکن جب حضرت فاروقؓ نے ان سے یہ جگہ مانگی۔ تو انہوں نے فاروقؓ کو خود پر ترجیح دی۔ اور عبداللہ سے کہا۔ باپ سے کہو۔ میں نے اپنی جگہ ان کو دی۔ فاروقؓ کے لئے یہ بڑا فخر تھا۔ یہ بڑی خوشی تھی۔ کہ مرنے سے پہلے انہیں یہ معلوم ہو گیا۔ کہ وہ اپنے آقا اور اپنے دوست کے پہلو میں دفن ہو رہے ہیں۔

فیصلہ نہ ہو سکا

موت سے پہلے پہلے حضرت فاروقؓ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مسلمانوں کی قسمت کس کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ یہ پانچوں اصحاب کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے۔ ان میں بحث نے خوب طول پکڑا۔ اور حضرت فاروقؓ کو حکم دینا پڑا کہ بحث موت کے بعد ملتوی کی جائے۔ اور چوتھے دن تک خلیفہ کے انتخاب کا اعلان ہو جائے۔ حضرت عبداللہ کو حکم ہوا۔ کہ اکثریت کا ساتھ دیں اور اگر رائیں برابر ہوں تو ادھر رائے دیں جدھر عبدالرحمٰن بن عوف ہوں۔ طلحہ مدینہ میں نہ تھے۔ حکم ہوا کہ تین دن تک اگر وہ آجائیں تو انہیں بھی امیدواروں میں شامل کر لیا جائے۔ ورنہ انتخاب ان کے بغیر ہی ہو جائے۔

لوگ باہر بڑے بے تاب تھے۔ خلیفہ کے زخمی ہونے کی خبر نے ان کے دل ہلا دیئے تھے۔ وہ سب فاروق رضؓ سے محبت کرتے تھے۔ فاروق نے ان کے ساتھ بہت سلوک کئے تھے۔ اور ان کو ہمیشہ خوش رکھا تھا۔ ضروری باتیں سمجھانے کے بعد حضرت فاروق رضؓ نے حکم دیا۔ لوگوں کو اندر آنے دیا جائے۔ جب وہ لوگ اندر آتے اور جاتے تو فاروق رضؓ ان سے پوچھتے۔ کوئی دوسرا مسلمان تو اس سازش میں شریک نہ تھا۔

لوگ کہتے نہیں۔

حضرت علی اور عبداللہ بن عباس دونوں فاروق رضؓ سے ملنے آئے حضرت فاروق رضؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا۔

کیا آپ کو میری رائے پسند ہے۔

انہوں نے جواب دیا

یقیناً پسند ہے۔

حضرت فاروق رضؓ نے فرمایا

دیکھئے! میرے بعد اس بات پر قائم رہئے گا!

تکلیف بڑھ گئی تھی حضرت فاروق بہت بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔ ان کا مبارک سر اس وقت تک عبداللہؓ کی گود میں تھا۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ان کا سر اب زمین پر رکھ دیا جائے۔ تاکہ اسی حالت میں ان کا خدا انہیں اپنے پاس بلا لے۔

آخری وقت آن پہنچا۔ قوت بالکل جواب دے گئی۔ مگر زبان کام کر رہی تھی۔ کلمہ طیبہ آپ کی زبان پر تھا۔ خدا کی عظمت کے گیت گاتے ہوئے دنیائے اسلام کے تاجدار فاروق رضؓ نے آخر جان دے دی۔

حضرت ثابت نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عائشہ کے حجرہ اور رسول اللہ کے پہلو میں ان کے لئے قبر کھودی گئی۔ حضرت علیؓ حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت عبداللہ حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ نے انہیں قبر میں اتارا۔ اور دنیائے اسلام کا یہ روشن آفتاب منوں مٹی کے نیچے داب دیا گیا۔

فاروقؓ رسول اللہ کے بعد سب سے بڑے مدبر تھے۔ انہوں نے خلافت کی چادر جس وقت اوڑھی۔ اس وقت اسلامی فوجیں ابھی عراق اور شام کی سرزمین میں داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے جب انتقال فرمایا کہ تو اس وقت اسلامی فوجیں قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تاج الٹ چکی تھیں۔ اور اسلام کا علم، شام، فلسطین، مصر، عراق، ایران بخارا۔ مکران اور بلوچستان تک لہرا رہا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کا یہ وصف انہیں تمام صحابہ سے ممتاز کرتا تھا۔ کہ وہ رسول اللہ سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ یہی حال فاروقؓ کا تھا۔ گو وہ سخت طبیعت کے مشہور تھے۔ لیکن رسول اللہ کے سامنے ان کی حالت یہ تھی کہ کبھی اونچی آواز سے بات نہ کرتے۔ ادب کا اتنا لحاظ رکھتے کہ ایک بار حج سے واپسی کے وقت ان کے بیٹے عبداللہ کی اونٹنی حضورؐ کی سواری سے آگے نکل گئی۔ عمرؓ تیزی سے آگے بڑھے۔ بیٹے کی گردن پکڑی اور اسے ڈانٹا۔

تمہاری سواری آقا کی سواری سے آگے بڑھے۔ اور تمہیں شرم نہ آئے۔

رسول اللہ کو بھی حضرت فاروق سے انتہائی محبت تھی۔ جب اسلام

ابھی کمزور تھا۔ تو حضورؐ نے خدا سے دعا کی تھی۔ اے اللہ اسلام کو عمرؓ کے اسلام سے تقویت دے۔" حضورؐ نے عمرؓ کو خدا سے خود مانگا۔ عمرؓ کفر میں بڑے سخت تھے۔ ان کی تلوار ہر وقت بے نیام رہتی۔ وہ کبھی تلوار لے کر حضورؐ کے قتل کے ارادہ سے گھر سے نکلے تھے۔ مگر حضورؐ کے دربار میں پہنچے تو رُعب رسالت سے کانپنے لگے۔ اور ایمان لائے۔ حضورؐ کی دعا پوری ہوئی۔ سچ مچ۔ خدا نے فاروق کے ایمان سے اسلام کو بڑی تقویت دی! وہ حضورؐ کے بڑے مشیروں میں تھے۔ ابوبکرؓ اور فاروقؓ ہمیشہ حضورؐ کے دائیں اور بائیں رہتے۔ ہر لڑائی میں حضور کا ساتھ دیا۔ اور حضورؐ نے ہر بات میں ان سے مشورہ لیا۔

مسلمانوں سے حُسن سلوک

خلیفہ ہونے سے پہلے وہ سخت گیر مشہور تھے۔ اس لئے جب انہیں خلیفہ بنایا جا رہا تھا۔ تو ابوبکرؓ سے یہی شکایت کی گئی کہ وہ سخت گیر ہیں۔ مگر خلیفہ بننے کے بعد ان کی طبیعت بہت بدل گئی تھی۔ وہ بہت رقیق القلب بن گئے تھے۔ اگر وہ سخت گیر ہوتے تو منبر پر خطبہ دیتے وقت۔ مدینہ کی بڑھیا اور وادیِ مدینہ کے بدو انہیں کیسے ٹوک دیا کرتے۔ انہیں مسلمانوں کا بڑا خیال تھا۔ اتنا خیال کہ جب لڑائی کی خبروں کے آنے میں دیر ہو جاتی۔ تو وہ مدینہ سے باہر نکل آتے۔ اور دور دور تک پاپیادہ اس امید میں جاتے کہ مسلمانوں کی خیر و عافیت کی خبر مل جائے۔

فرض شناسی

(فرض شناسی کا یہ عالم تھا۔ کہ آدھی رات کے بعد مدینہ اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں پہرہ دیتے اور ہر گھر کے سامنے جا کر پتہ چلاتے کہ کسی کو کوئی شکایت تو نہیں۔ کئی بار ایسا ہوا۔ کہ انہوں نے حاجتمند عورتوں کے کام خود کئے۔ بھوکوں کو رات کے وقت کھانا پہنچایا۔ اور ہر ضرورتمند کی ضرورت کی تکمیل کا خیال رکھا۔

جس وقت قحط پھیلا تھا۔ وہ سارے عرب میں خود گئے۔ ہر جگہ کا دورہ کیا جو لوگ اپنے گھروں سے نکل نہ سکتے تھے۔ انہیں وہیں غلہ پہنچایا۔ اور باقی کو مدینہ لے آئے۔ مدینہ کے باہر وسیع خیمے لگے تھے۔ اور بھوکوں کو خوراک بہم پہنچائی جا رہی تھی۔ حضرت فاروق ؓ نے اس وقت تک دودھ۔ گھی اور مکھن کا استعمال اپنے اوپر حرام کر لیا۔ جب تک عوام کو کافی غلہ نہ مل جائے۔ وہ خود عوام کے ساتھ بھوکے رہتے۔ سوکھی روٹیاں کھائیں)

سادگی

فرض شناسی کا ایک پہلو سادگی ہے۔ انسان اگر ذاتی طور پر امیر ہو اور معمولی قسم کی زندگی گزارے۔ تو اس کی اس عادت کو سادگی سے تعبیر کیا جائے گا۔ لیکن عوام کے روپے کا محافظ سادگی سے زندگی گزارے۔ تو اس کا فعل فرض شناسی سمجھا جائے گا۔ حضرت فاروق عوام کے روپے کے محافظ

تھے۔ وہ خائن نہ تھے۔ اور نہ حریص تھے۔ انہوں نے خلافت کا بوجھ اس لئے نہیں سنبھالا تھا کہ عیش وعشرت کریں۔ بلکہ یہ بوجھ تو اس لئے اپنے کندھوں پہ لادا تھا۔ کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کریں۔ وہ خلیفہ ہونے سے پہلے اچھے کپڑے پہنتے۔ اور اچھا کھاتے۔ لیکن خلیفہ بنے تو اچھا کھانا بھی چھوڑ دیا۔ اور اچھا پہننا بھی۔

آپ کو یاد ہو گا جب فاروق شام کے سفر پر روانہ ہونے تھے۔ اس وقت ان کے جسم پر جو کرتہ تھا۔ اس میں گیارہ پیوند تھے۔ اور کرتہ بھی اونٹ کے بالوں کا تھا۔ گھر میں بھی ان کی یہی کیفیت رہتی۔ اور نہ اچھا کھاتے اور نہ اچھا پہنتے۔ انہوں نے اسلام کے لئے اپنے نفس کو مار لیا تھا۔

ورنہ اگر وہ چاہتے۔ تو خود بھی مالدار بن سکتے تھے۔ اسلامی خزانہ میں لاکھوں دینار آتے۔ مگر انہوں نے یہ سب دینار سونے اور چاندی کے ڈھیر مسلمانوں میں بانٹ دئیے۔ اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھا۔ مگر ان کے بعد ان کی جانشینی کا دعوی کرنے والے امیر معاویہ اور اس کے وارثوں نے اسلامی خزانہ کو اپنی ذات کے لئے مخصوص کر لیا۔ اور اسلام کی روشن پیشانی داغدار کر دی۔ اسلام میں سرمایہ داری کو رواج دینے والے یہی نام نہاد دعویدار خلافت تھے۔

عدل و مساوات

فاروق بڑے عادل اور بڑے منصف تھے۔ ان کے دور میں کوئی زبردست کسی زیردست پر زیادتی نہ کر سکتا تھا حتیٰ کہ اسلامی صوبوں کے گورنر بھی کسی پر سختی کرنے کے مجاز نہ تھے۔ اور عوام کو حق حاصل تھا کہ گورنروں

کے خلاف جتنی شکایات ہوں۔ ان سے خلیفہ کو مطلع کیا جائے۔ حضرت سعد، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت مغیرہ کو جو بصرہ اور کوفہ کے گورنر تھے۔ عوام کو شکایتوں کی بنا پر فوراً مدینہ طلب کیا گیا۔ اور ان شکایتوں کی ملتعدد تحقیقات کی گئیں!

ان کے ہاتھ میں گو کوڑا ہر وقت رہتا۔ لیکن یہ کوڑا کبھی بلے ضرورت کسی کی پیٹھ پر نہیں برسا! اور نہ کبھی فاروق رضؓ نے اپنے پورے دورِ خلافت میں کسی پر زیادتی کی۔ خالدؓ بن ولید کا قصہ البتہ ایسا نظر آتا ہے۔ جہاں کچھ غلط فہمی کا امکان ہوتا ہے۔ لیکن خالدؓ کے ساتھ حضرت فاروقؓ کی روش بھی محض اس لئے ایسی تھی کہ انہیں خیال تھا۔ ملت اس طرح غلط راہ پہ نہ چل نکلے۔

خطا کار ان کے کوڑے سے ڈرتے۔ لیکن بیوہ یا یتیم اور بے نوا بچے ان کو اپنا ساتھی سمجھتے۔ اور ان سے اس طرح باتیں کرتے جیسے وہ ان کے پیارے ساتھی ہیں۔ سچ مچ وہ سب کے ساتھی تھے۔ سب سے محبت کرنے والے اور سب کے کام آنے والے۔ اپنے آقاؐ کی طرح فاروقؓ کا سارا دن مسجد نبوی میں گزرتا۔ اور باہر سے آنے والے اجنبی انہیں اپنے ساتھیوں میں دیکھ کر پہچان نہ سکتے۔ کہ فاروقؓ کون ہیں۔ اس لئے کہ ان میں اور ان کے ساتھیوں میں کوئی خاص امتیاز نہ تھا۔ بلکہ ساتھیوں کے کپڑے ان سے زیادہ اچھے ہوتے۔ زیادہ صاف اور زیادہ امیرانہ ساتھی سب امیر ہو گئے تھے۔ مال غنیمت نے ان سب کو آسودہ حال کر دیا تھا۔ مگر فاروقؓ نے بیت المال پر شروع میں تو اپنا خرچ بالکل نہ ڈالا۔ اور جب حالت بہت پتلی ہو گئی تو مسلمانوں سے کہ میری تنخواہ مقرر کر دو۔ حضرت علیؓ نے آپ

کی تنخواہ مقرر کرنے کی بجائے رائے دی کہ آپ کو بیت المال سے صبح شام دو وقت کھانا دیا جائے حضرت فاروق رضؓ نے یہ رائے منظور کر لی اور دُنیائے اسلام کے اتنے بڑے تاجدار کو ذاتی خرچ کے لئے بیت المال سے کچھ نہ ملتا۔ صرف دو وقت کی روٹی ملتی۔ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں۔ اس وجود پاک پر۔

وہ مسجد ہی میں آرام کرتے۔ وہی ان کا دربار تھا۔ وہیں وہ فیصلے کرتے وہیں وہ ساتھیوں کے ساتھ مشورے کرتے۔ وہ عام آدمیوں کی طرح بازار جاتے۔ اپنے گھر غریب بیوہ عورتوں کے لئے سودا سلف خود خریدتے۔ اور اپنی کمر پر لاد کر لاتے۔

وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے حاکم تھے۔ مگر ان میں غرور نہ تھا۔ ان میں بے انصافی نہ تھی۔ وہ جانبداری نہ کرتے۔ انہیں رسول اللہؐ کے ساتھیوں سے یکساں محبت تھی۔ اور اس لئے انہوں نے کبھی بڑے صحابی کو باہر کے صوبوں کا حاکم بنا کر بھیجنا پسند نہ کیا۔ اگر وہ ایسا کرتے۔ بڑے صحابہ۔ حضرت علی، حضرت عثمان، زبیر اور طلحہ قسم کے لوگ باہر کے صوبوں کے گورنر بنائے جاتے۔ تو شاید اسلام کا انجام وہ نہ ہوتا۔ جو فاروقؓ کی وفات کے چند سال بعد ہوا۔

اللہ کی ہزار ہزار رحمت ان پر نازل ہوں۔

تیئسواں باب

انتخاب کا مسئلہ

خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے وقت کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ذات کے متعلق محض اشارے کئے تھے جن سے کوئی یقینی بات ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے حکم دیا مسجد نبوی میں کھلنے والی سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔ لیکن ابوبکرؓ کی کھڑکی کھلی رکھی جائے پھر وصال کے وقت فرمایا! ابوبکرؓ کو حکم دو۔ نماز پڑھائیں۔ کئی دوسرے لوگوں کے نام لئے گئے۔ عمر فاروق کا نام خود حضرت عائشہ نے دہرایا۔ مگر حضورؐ نے حضرت ابوبکر کے نام پہ اصرار فرمایا!

اس کے باوجود حضورؐ کے وصال کے بعد جب خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تو چونکہ حضورؐ باقاعدہ انتخاب نہ فرما گئے تھے۔ اس لئے جھگڑا اٹھا۔ سو اگر حضرت فاروقؓ انتہائی تدبر سے کام نہ لیتے اور ابوبکرؓ صدیق کے ہاتھ پر فوری بیعت نہ کر لیتے۔ تو شاید صورت حال مخدوش ہو جاتی۔ اسی چیز

سے ڈر کر حضرت صدیقؓ نے اپنے بعد حضرت فاروقؓ کو نامزد فرما دیا۔ اور
مرنے سے پہلے صحابہ کو مسجد نبوی میں جمع کر کے اپنے فیصلہ سے مطلع کر دیا
اور ان کو فاروقؓ کی اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت فرمائی۔

اگر فاروقؓ ایسا ہی کرتے تو کر سکتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک مثال
پیش فرما گئے تھے۔ لیکن انہیں شاید کسی ایک شخص کی ذات پر اعتماد نہ تھا۔ یا
فوری حملہ کی وجہ سے حواس قائم نہ رکھ سکے۔ اس لئے انہوں نے خلیفہ کے
انتخاب کو چھ اصحاب پر چھوڑ دیا۔

انتخاب

مسجد نبوی میں سب جمع تھے۔ چھوٹے بھی اور بڑے بھی۔ ان سب کے
سامنے حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت علیؓ کو مخاطب فرمایا اور پوچھا۔

اے علی! کیا تم اس بات کی پابندی لیتے ہو۔ کہ تم خدا کے قرآن۔ اس
کے رسول کی سنت اور دونوں خلیفوں کے عمل کے مطابق حکومت کرو گے؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا!

مجھے توقع ہے کہ میں ایسا ہی کر سکوں گا جیسا آپ فرماتے ہیں۔
میں لوگوں کی خدمت کرنے میں اپنے علم اور صلاحیت کو زیادہ سے زیادہ
بہتر طریق پر کام میں لاؤں گا۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے یہی سوال حضرت عثمانؓ سے کیا۔ انہوں نے
بغیر کسی وقفہ اور تامل کے اتنی بڑی ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ اور جواب دیا۔
جی ہاں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جیسا آپ فرماتے ہیں ویسا ہی

کروں گا۔ حالانکہ یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ اور نہ حضرت علیؓ نے جو فرمایا وہ غلط تھا۔ مگر نہ جانے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے دل پر حضرت علیؓ کے الفاظ کا کیوں اچھا اثر نہ پڑا کہ انہوں نے عثمانؓ کے ہاتھ بیعت کر لی۔ اور حضرت علیؓ کے الفاظ انہیں ناپسند ہو گئے انہوں نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا۔ اور خدا کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

اے خدا! میرے کندھوں پر اس وقت تک جو بوجھ تھا۔ وہ میں نے عثمان کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔ تو میرے خدا۔ اس بات کا گواہ رہیو۔

اور پھر حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ مسجد میں جتنے لوگ تھے۔ انہوں نے بھی حضرت ابن عوف کی پیروی کی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ بھی آگے بڑھے۔ اور عثمانؓ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

اے خدا کے رسول کے نائب میں تیرے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

اس وقت تک عثمانؓ ان کے دوست۔ ان کے ہم عصر اور ساتھی تھے ایسے ساتھی جن سے آگے بڑھ جانے کا جذبہ ہم سب میں ہوتا ہے۔ مگر اس بیعت کے بعد وہ ان کے امیر بن گئے۔ ایسے امیر جن کے ہر حکم پر جھکنا ان کے لئے ضروری ہو گیا۔

بیعت ہو گئی۔ تو حضرت عثمانؓ نے شیخین کی سنت کے مطابق منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ خدا کے اس احسان پر اس کی تعریف کی اور مسلمانوں کو یقین دلایا۔ کہ وہ ان کی ترقی اور فلاح کے ہر کام میں پوری دلچسپی لیں گے مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ دولت بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کی محبت دل سے نکال دیں۔ دولت کو اپنا مطلوب نہ سمجھیں۔ خدا کی خوشنودی کو ہمیشہ مقدم رکھیں۔

خطبہ دینے کے بعد وہ منبر سے اُترے اور خلیفہ کی حیثیت سے پہلی بار

اپنے گھر گئے۔ وہ بڑے خوش تھے۔ کہ مسلمانوں نے انہیں یہ فخر بخشا۔
اس انتخاب کے دو تین دن بعد حضرت طلحہؓ مدینہ پہنچے۔ اور حضرت عثمانؓ ان سے ملے۔ چونکہ صاف دل آدمی تھے۔ اس لئے طلحہ سے کہا۔ اگر تم میرے انتخاب پر ناخوش ہو۔ تو میں مستعفی ہونے اور تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر حضرت طلحہؓ کو جب یہ معلوم ہوا۔ کہ سب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ تو انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

ذاتی خوبیاں

جو لوگ حضورؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ ان میں حضرت عثمانؓ کا چوتھا نمبر ہے۔ ابھی اسلام کا آغاز تھا۔ رسول اللہؐ کو نبوت کا اعلان کئے کچھ دن ہوئے تھے کہ حضرت صدیقؓ نے عثمان سے کہا۔ عثمان! میرے پیارے دوست محمدؐ کو ان کے خدا نے نبوت کا شرف بخشا ہے۔ میں نے انہیں اپنا رہبر بنا لیا ہے۔ تم بھی انہیں اپنا رہبر مان لو۔
(عثمانؓ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور اسلام لے آئے۔
عثمانؓ کی والدہ رسول اللہؐ کے والد محترم جناب عبداللہ کی بہن کی لڑکی تھیں۔ اس رشتہ کے علاوہ حضورؐ کے داماد بھی تھے یا
ہمارے نزدیک حضرت عثمانؓ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ مکہ کے دولتمندوں میں وہ پہلے شخص تھے جو ایمان لائے۔ ایمان کی خاطر کفار کی انتہائی سختیاں برداشت کیں۔ دولتمند بڑے نازک مزاج ہوتے ہیں۔

وہ ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے اس نازک مزاجی کے باوجود اسلام سے منہ نہ موڑا۔ ان کے چچا نے انہیں اسلام لانے کی پاداش میں چٹائی میں باندھ کر دھونی دی۔ انہیں کئی کئی دن تک بھوکے پیاسے رکھا۔ عثمان یہ ساری سختیاں سہتے رہے۔ البتہ جب چچا حد سے بڑھ گئے۔ تو حضور نے انہیں اجازت دی۔ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔

رسول اللہؐ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ تو عثمانؓ کو مدینہ بلا بھیجا۔ حضرت عثمان مدینہ آ گئے۔ اور کاروبار تجارت شروع کر دیا تجارت میں خدا نے انہیں بڑی برکت دی۔ ان کے کاروان تجارت پچاس پچاس، سو سو اونٹوں پر مشتمل۔ مدینہ سے شام اور شام سے مدینہ آتے جاتے رہتے۔ اس تجارت سے جو آمدنی ہوئی۔ اس میں سے بہت سا حصہ مسلمانوں پر خرچ کیا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان نے مجموعی طور پر ڈھائی لاکھ درہموں سے زیادہ روپیہ مسلمانوں پر صرف کیا ہے۔ جب مسلمان مدینہ آئے۔ تو انہیں پینے کا پانی نہ ملتا۔ مدینہ میں ایک یہودی کا کنواں تھا۔ وہ ظالم پانی کی تجارت کرتا۔ مسلمانوں میں زیادہ تعداد غریبوں کی تھی۔ وہ بے چارے کئی کئی دن تک پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے پیاسے رہتے۔ حضرت عثمانؓ کو ان کی اس بے چارگی کی خبر ہوئی۔ تو انہوں نے یہودی سے یہ کنواں پینتیس ہزار درہموں میں خرید لیا۔

رسول اللہؐ نے جتنی بار فوج کی ضروریات کے لیے حضرت عثمانؓ سے چندہ طلب کیا انہوں نے اتنی بار دیا۔ اور یہاں تک کہ ایک بار غزوہ تبوک کے موقعہ پر انہوں نے ایک ہزار بوری گندم۔ ساڑھے چھ سو اونٹ اور پچاس

گھوڑے اسلامی فوج کے لئے خریدے۔ ان کی ساری دولت محض اسلام کے لئے تھی۔ جیسے ہی رسول اللہؐ کو ضرورت پیش آتی عثمانؓ رسول اللہؐ کی خدمت میں روپیہ لے کر حاضر ہو جاتے۔

(اسلام دنیا سے غلامی کی رسم ختم کرنے آیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صحابہ کو غلام آزاد کرنے کا متواتر حکم دیا کرتے۔ قرآن نے بھی فکِ رقاق کو ایک بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ قرآن کے اِس منشا کے مطابق ہر ہفتے ایک غلام خرید کر آزاد کیا کرتے۔)

حضرت عثمانؓ کی یہ خصوصیت بھی انہیں تمام صحابہ سے ممتاز کرتی ہے۔ کہ ان سے یکے بعد دیگرے رسول اللہؐ کی دو صاحبزادیاں بیاہی گئیں۔ پہلے جناب رقیہؓ ان کے نکاح میں آئیں۔ اور پھر جناب ام کلثومؓ سے بیاہ ہوا۔

جس زمانہ میں جنگ بدر لڑی جا رہی تھی حضرت رقیہؓ سخت بیمار تھیں رسول اللہؐ حضرت عثمانؓ کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ انہیں جناب رقیہ کے پاس چھوڑا۔ اور جنگِ بدر میں لڑنے والے غازیوں میں اپنے آپ کا شمار ہوا۔

جناب رقیہؓ کے انتقال کے بعد جناب ام کلثومؓ ان سے بیاہی گئیں۔

حضرت عثمان بہت نرم طبیعت کے آدمی تھے۔ بہت رحم دل اور سخی تھے۔ اپنی دولت کا اکثر حصہ خیرات کیا۔ اور ہر موقعہ پر غریبوں کی دستگیری کی۔ جب مدینہ میں قحط پڑا۔ تو جب تک قحط دور نہیں ہوا اس وقت تک مدینہ کے سارے مفلس اور نادار لوگوں کو غلہ خرید کر دیا۔

رسول اللہ انہیں بہت عزیز رکھتے۔ کچھ اس لئے کہ رسول اللہؐ کی دو بیٹیاں ان سے بیاہی گئیں۔ اور کچھ اس لئے کہ عثمان سچے مسلمان تھے۔

اور ان میں اونچے آدمیوں کی ساری خصلتیں تھیں۔ وہ صحابہ میں اپنی ان ہی خصوصیات کی وجہ سے بہت پسند کئے جاتے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے۔ جب ممتاز صحابہؓ سے امیدوارانِ خلافت کے بارے میں استصواب کیا۔ تو زیادہ لوگوں کو عثمانؓ کا مداح پایا۔ عثمانؓ کی سخاوت نے اکثر مسلمانوں کو اپنا بنا لیا تھا۔

چوبیسواں باب

تیسرے خلیفہ

مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ بننے کے بعد حضرت عثمان رضؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا۔ الحمدللہ ہر چیز کس قدر ترتیب سے رکھی تھی۔ ہر چیز کے رکھنے کے لیے علیحدہ علیحدہ جگہ بنی تھی۔ نمبر پڑے تھے۔ رجسٹر میں ایک تنکے تک کا اندراج تھا۔ اور ہر چیز پر خلافت کی مہر اور فاروق رضؓ کے دستخط ثبت تھے۔ صدیق رضؓ کی موت پر خزانہ میں صرف ایک دینار تھا۔ فاروق رضؓ کی شہادت پر بیت المال میں بہت کچھ تھا۔ اور اس لیے تھا کہ فاروق رضؓ نے سارے مسلمانوں کی ضروریات اور بسر اوقات کا معقول انتظام کر لیا تھا۔ اور بیت المال کی ایک ایک رسی کی حفاظت جان سے زیادہ عزیز جانی تھی۔

یہ کانٹوں کی سیج تھی جس پر عثمان رضؓ نے قدم رکھا تھا۔ خدا ان سے راضی ہو۔ یہ سیج ان کے لئے موزوں ثابت نہ ہوئی۔ اور حضرت علی رضؓ کی بات پوری ہوئی۔ انہوں نے فاروق رضؓ سے کہا تھا۔ تم بیت المال کے اونٹوں کے پالان کندھوں پر لادے پھرتے ہو۔ تم لوگوں کے گھروں میں پیٹھ پر آٹا، گندم

لاد کر لے جاتے ہو۔ اونٹ گم ہو جاتے ہیں تو تم اسے ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ تم نے اپنے
بعد خلیفہ بننے والوں کو مصیبت میں ڈال دیا۔
اور یہ خلافت کی سند جسے صدیق اور فاروق رض نے بچھایا تھا۔ کوئی آرام کی
جگہ نہ تھی۔ اور عثمان رض بڑے اونچے بڑے نیک اور بڑے پارسا ہونے کے باوجود کچھ
نازک طبیعت تھے۔ وہ مل کے کرتے پہنتے۔ اور گرمی کی شدت برداشت نہ کر
سکتے۔ اور عربوں پر حکومت اچھی طرح وہی کر سکتا تھا۔ جو فاروق کی طرح کمبل
کے کرتے پہنتا۔ اور جو پہاڑوں کو کاٹ ڈالنے کی ہمت اور عزم کا مالک ہوتا
اور عثمان رض بڑے رحم دل تھے۔ دل بڑا نازک تھا۔ مصنفوں اور شاعروں میں سے
نازک دل۔

پہلا حادثہ

حضرت عثمان رض کی خلافت کا پہلا حادثہ ہرمزان اور سعد کے غلام کا قتل
ہے۔ یہ قتل جناب عبداللہ بن عمر رض کے ہاتھوں ہوا۔
کسی نے انہیں خبر دی کہ قتل کی رات جب ابولولو ہرمزان اور سعد کے
غلام سے باتیں کرتے پائے گئے اور جس خنجر سے ابولولو نے حضرت فاروق کو
قتل کیا۔ وہ خنجر ان تینوں کے مجمع میں دیکھا گیا تھا۔
یہ خبر معمولی نہ تھی۔ مقتول باپ کے بیٹے عبیداللہ ابھی کم عمر تھے۔ اس
لئے انہوں نے جیسے ہی خبر سنی۔ بجائے مقدمہ کرنے کے وہ ہرمزان کے ہاں
پہنچے۔ اور اسے بھی قتل کر دیا۔ اور سعد کے غلام کو بھی۔ سعد انہیں پکڑ کر
حضرت عثمان رض کے پاس لائے! سعد رض کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے ہرمزان

کو جو مسلمان تھا۔ محض ایک شبہ کی بنا پر قتل کیا ہے۔ اس لئے انہیں قصاص میں قتل کیا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ عبید اللہ نے جلد بازی سے کام لیا۔ اور اسلام میں جلد بازی پسندیدہ نہ تھی۔ لیکن پھر بھی ان کا جرم اتنا بڑا جرم نہ تھا۔ کہ انہیں معافی نہ ملتی۔ یہ بات ثابت تھی کہ ہرمزان نے حضرت فاروق کے قتل سے پہلی رات ابولولو سے بات چیت کی۔ اور خنجر ان کے ہاتھ میں دیکھا گیا۔ اور یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہرمزان کی جان بخشی کی شرط اسلام لانا قرار دیا گیا تھا۔ ہرمزان اپنے شوق سے اسلام نہیں لایا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ اس سے پہلے کئی دھوکے کئے تھے۔ اور اس کی حکومت پر تباہی کا باعث حضرت فاروق رضؓ تھے۔ اور یہ بات بعید از قیاس نہ تھی۔ کہ ہرمزان اس سازش میں شریک ہوتا! لیکن اسلامی دیانت اور اتقا کا تقاضا یہی تھا۔ کہ مقدمہ عدالت میں آتا! اور عدالت مجرم کو سزا دیتی۔ عبید اللہ نے اس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ حضرت عثمان نے اچھے اور ممتاز صحابہ کی کونسل بلائی! یہ نازک مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ عمرو بن عاص نے سعد کا استدلال سنا! لیکن بولے۔

سعد! تم عجیب آدمی ہو۔ کل ان کے گھر سے رسول اللہؐ کے نائب کی لاش اٹھی۔ کل باپ قتل ہوئے اور آج تم ان کے بیٹے کو قصاص میں قتل کروا! لوگ کہیں گے۔ یہ فاروق کے گھرانے کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ گھرانہ انہیں گوارا نہیں ہے۔

■ بات معقول تھی اس لئے حضرت عثمانؓ نے ہرمزان اور سعد کے غلام کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ اور عبید اللہ بن عمرؓ پر کوئی حرف نہ آیا۔

عمرو بن عاص کا یہ استدلال گو قوی نہ تھا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ ہرمزان سچے دل سے ایمان نہیں لایا تھا۔ اور ایسے ہر شخص نے اسلام اور

مسلمانوں کے ساتھ دغا کی ہے جس نے اسلام کو دنیاوی مقاصد کے ماتحت
قبول کیا۔ ابن سبا۔ عبداللہ بن ابی اور ہرمزان۔ ان ہی غداروں میں
سے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا۔ ہرمزان نے کس بہانہ سے جان بچائی تھی پانی
کا پیالہ پینے کے لئے مانگا۔ اور حضرت فاروق رض سے عہد لیا۔ یہ پانی کا پیالہ
جب تک نہ پی لیں گے اس وقت تک قتل نہ کئے جائیں گے۔ یہ عہد لیتے ہی
پانی کا پیالہ پھینک دیا۔ اور بولے آپ مجھے اب قتل نہیں کرسکتے۔
یہ کتنی بڑی مکاری تھی جسے ہرمزان نے جان بخشی کا بہانہ بنایا۔ اور
جب حضرت فاروق رض کے قتل کی سازش کی اور عبیداللہ بن عمر کو اس کی
شہادت مل گئی تھی۔ اس وقت عثمان رض خلافت کی مسند پر بیٹھے نہ تھے۔ اور
عبیداللہ بن عمر میں اتنا صبر نہ تھا کہ اپنے باپ کو مارنے والے شخص سے فوری
بدلہ نہ لیں۔ انہوں نے ہرمزان پر حملہ کیا۔ اور اسے مار ڈالا صرف بے آئینی
کی۔ ہرمزان بہرحال قصاص میں مارا جاتا۔ اس لئے حضرت عثمان رض نے
ہرمزان کا خون بہا ادا کر کے عبیداللہ بن عمر رض کو معاف کر دیا۔ وجہ یہ بیان
کی کہ قتل کا یہ حادثہ، ان کے زمانۂ خلافت سے پہلے ہوا۔ اور اس کی ذمہ داری
ان پر عاید نہیں ہوتی۔
فیصلہ کے دن انہوں نے منبر پر چڑھ کر ایک بہت موثر تقریر
بھی فرمائی۔ اور قتل کے اسباب اور شبہات پر پوری روشنی ڈالی۔
حضرت عثمان رض نے خلافت کا چارج لینے کے بعد حضرت فاروق رض
کے زمانہ کے گورنروں اور بڑے حکام کو سوائے حضرات مغیرہ کے ان
کے عہدوں پر برقرار رکھا۔ حضرت مغیرہ کوفہ کے گورنر تھے۔ انہیں حضرت

عثمان غنیؓ نے واپس بلالیا۔ اور ان کی جگہ حضرت سعد بن وقاص کو دی۔ لوگوں نے اس تبدیلی کی وجہ پوچھی تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ فاروق رضی اللہ عنہ کی وصیت یہی تھی۔

پچیسواں باب

بغاوتیں

جس وقت حضرت عثمانؓ خلافت کی مسند پر بیٹھے ، اس وقت ہرقل کا بیٹا قسطنطین روم کا بادشاہ تھا۔ اسے حضرت فاروقؓ کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے اسکندریہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں۔ اور فوج کو حکم دیا اسکندریہ پر چڑھ دوڑے۔ عمرو بن عاصؓ اس وقت فسطاط میں تھے۔ جب رومی فوج اسکندریہ پر اتری۔ عمرو بن عاص ادھر سے اور ادھر سے رومی فوج آگے بڑھی۔ بیچ راہ میں دونوں پہاڑ ٹکرائے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رومی سپہ سالار حضرت عمرو بن عاص کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اندازہ کیا گیا کہ آدھی فوج میدان جنگ میں کھیت رہی۔ اور آدھی جیسے آئی تھی ویسے ہی بھاگ نکلی۔

ایک عجیب بات

اسکندریہ کی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ہے۔ کہ کسی حملہ آور فوج کی شکست کے بعد کسی حاکم قوم نے رعایا کے نقصانات کی تلافی کی ہو۔ رومی فوج اپنے دامن میں انتہائی غرور کا سرمایہ لے کر اسکندریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہوئی تھی۔ اس نے اسکندریہ کے لوگوں کو خوب لوٹا تھا۔ اور اسکندریہ کے گرد و نواح میں تو اس ظالم جماعت نے ہر طرف تباہی ہی تباہی پھیلا دی تھی حضرت عمرو بن عاص نے رومی فوج کو شکست دینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ اسکندریہ کے ممتاز لوگوں اور گرد و نواح کے چودھریوں کا ایک کمیشن بٹھایا۔ یہ کمیشن موجودہ دور کا شاہی کمشن نہ تھا جس کی تحقیقات کی مدت ہی ختم ہونے میں نہیں آتی۔ پندرہ دن کے اندر اندر اس کمیشن نے اسکندریہ اور گرد و نواح کے تمام نقصانات کا اندازہ لگا لیا۔ اور حضرت عمرو بن عاص نے کمال فراخ حوصلگی سے کام لے کر یہ سارے نقصانات شاہی خزانہ سے پورے کر دئے۔ انہوں نے کمیشن کے روبرو تقریر کرتے ہوئے کہا۔

ہم نے رعایا کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی۔ یہ ہمارا کام تھا کہ ہم رومی فوج کو اسکندریہ پر اُترنے سے روکتے۔ اس لئے ان سارے نقصانات کے ذمہ دار ہم ہیں۔

تاریخ عالم میں یہ پہلی اور آخری مثال ہے۔ ہر آنے دن ایک ملک

دوسرے ملک پر اور ایک قوم دوسرے ملک پر چڑھ دوڑتی ہے۔ مگر کبھی کسی غیر حاکم قوم نے محکوم آبادی کے نقصانات کی تلافی نہیں کی۔

ایران بھی جاگا

فاروق رضؓ کی شہادت کی خبر پر ایرانی اونٹ نے بھی کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔ ہمدان اور رے کی آبادی نے بغاوت کردی۔ اور اسلامی حکومت کی اطاعت کا جوا گلے سے اتار پھینکا۔ ہر طرف ہتھیار بجنے لگے۔ ناقوس پھونکے جانے لگے۔ ہتھیاروں کے بجنے اور ناقوس پھکنے کی آواز ہوا کے دوش پر اڑتی۔ مدینہ پہنچی۔ اور حضرت فاروقؓ کی مسند پر بیٹھنے والے حضرت عثمانؓ کے کانوں سے ٹکرائی۔ حضرت عثمان نے بصری کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ براء بن عازبؓ اور قرظہ بن کعب کو حکم دیا۔ ایرانیوں کی سرکوبی کریں۔ اور ایک دفعہ پھر اسلامی فوج ہمدان اور رے کے میدانوں میں مصروف پیکار نظر آئی۔ ایرانی ہارے۔ بہت سے مارے گئے۔ اور جو زندہ بچے انہوں نے سرکشی اور بغاوت سے توبہ کرلی۔ ایران کی طرح آذربائیجان کے لوگوں نے بھی بغاوت کردی ولید بن عقبہ نے ان پر چڑھائی کی۔ باغی شروع میں تو لنگر لنگوٹ کس کر میدان جنگ میں اترے۔ مگر پھر ہارے اور پہلے ہی شرائط پر مصالحت کرلی۔

چھبیسواں باب

آرمینیا پر حملہ

اسکندریہ اور ایران کی بغاوتیں دبادی گئیں تو اسلامی فوج نئے علاقوں کی فتح پر متوجہ ہوئی۔ جناب حبیب بن مسلمہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر آرمینیا میں جا گھسے اور فتح کا علم ہاتھ میں لے کر اس سرزمین کو روندنے لگے جس فوج نے عراق۔ فلسطین۔ مصر۔ شام۔ ایران۔ مکران اور بلوچستان کی سرزمین کو روند ڈالا تھا۔ اس کا مقابلہ آرمینیا والے کیا کرتے۔ شروع شروع میں انہوں نے حبیب بن مسلمہ کی راہ روکنے کی کوشش کی۔ کئی جگہ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آرمینیا والے بہادری سے لڑے۔ لیکن اس جوان ہمت و جوان حوصلہ قوم کے سامنے نہ جم سکے جس نے رسول اللہ کو اپنا ہادی مانا تھا۔

حبیب بن مسلمہ۔ شہر پر شہر اور قصبہ پر قصبہ فتح کرتے ہوئے آرمینیا کے وسط میں جا پہنچے۔ یہ بڑا خطرہ تھا۔ رومی بادشاہت کے لئے۔

ہرقل کے جانشین قسطنطین نے اپنے سرداروں کو لکھا۔ ظالمو۔ مسلمان فوج بڑھتی چلی آرہی ہے۔ اور تم سو رہے ہو۔ یہ سردار جاگے اور اسی ہزار سپاہی لے کر حضرت حبیبؓ کی راہ روکنے کے لئے قسطنطنیہ کی راہ آرمینیا کے ساحل پر آن اُترے۔ اور حبیب بن مسلمہؓ کے فوجی کیمپ کی طرف یلغار کرنے لگے۔

حبیب بن مسلمہؓ نے حضرت عثمانؓ سے مدد مانگی اور حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ گورنر کوفہ کو لکھا۔ حبیب کی مدد کرو۔ جس وقت حضرت عثمانؓ کا فرمان ولید کو ملا۔ اس وقت وہ موصل میں تھے۔ آذر بائیجان کی فتوحات سے لوٹ کر آئے تھے۔ انہوں نے سلمان بن ربیعہ کو آٹھ ہزار آدمی دے کر حبیب کی مدد کو بھیجا۔

مورخین کا بیان ہے کہ حبیب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار فوج تھی۔ یہ نئی فوج اور پرانی فوج مل کر ان کے سپاہی سولہ ہزار ہو گئے تھے۔ ان سولہ ہزار مسلمانوں نے اسی ہزار رومی سپاہیوں کو ہولناک اور عبرت بخش شکست دی۔ چالیس ہزار رومی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ باقی بڑی پریشانی کے ساتھ بھاگے۔ اور اسلامی فوج آرمینیا کے چپہ چپہ پر قابض ہو کر بحر خضر کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوئی کاکیشیا۔ کوہ قاف کے دامن میں آن پہنچی۔ کاکیشیا کی پہاڑیوں میں اسلام کا کاروان پہلی بار اُترا۔ اور کوہ قاف کے دامن میں بسنے والے انسانوں نے حق کی آواز پہلی بار سنی۔ بہت سے لوگ اسلام لائے۔ اور اسلام کے دامن امن و سلامتی میں پناہ لی۔

یہ فوج حبیب کامران و کامیاب واپس ہوئی۔ تو امیر معاویہ خود ایک

بڑی فوج لے کر رومی قلمرو پر حملہ آور ہوئے۔ اور یلغار کرتے ہوئے انطاکیہ اور طرطوس تک جا پہنچے۔ رومی سپاہ نے مقابلہ کیا۔ ہاری اور بھاگ نکلی۔ امیر معاویہ نے انطاکیہ اور طرطوس دونوں مقامات پر مسلمان سپاہ کو متعین کیا۔ اور آس پاس کے علاقوں میں اسلامی علم لہرا کر خود دمشق واپس آ گئے۔

ستائیسواں باب

حضرت سعدؓ

حضرت عثمانؓ نے مسندِ خلافت پر تشریف فرما ہوتے ہی حضرت سعدؓ کو کوفہ کی گورنری بخشی۔ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو واپس بلا لیا۔

حضرت سعدؓ کوفہ کے بانی تھے۔ انہوں نے عراق فتح کیا تھا۔ اور اس فوج کے خوب مزاج شناس تھے۔ جو کوفہ میں بسی۔ سعد کوفہ آتے۔ اور کوفہ کے لوگوں کے بگڑے ہوئے مزاج درست کیے۔ حکومت کا کاروبار چل نکلا۔ مگر ایک ایسی بات ہو گئی۔ جس نے حضرت سعدؓ کے لئے نئی مشکلات پیدا کر دیں۔ کوفہ میں آنے کے بعد انہوں نے کوفہ کے بیت المال سے کچھ روپیہ قرض لیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود شاہی خزانہ کے محاسب تھے۔ انہوں نے کچھ مدت گذر جانے کے بعد قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضرت سعدؓ کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے روپیہ نہ تھا۔ جب ادائیگی نہ ہوئی تو دونوں میں جھگڑا پیدا ہوا۔ کوفہ کے لوگ فسادی تھے۔ انہوں نے اس جھگڑے کو بڑھا دیا۔ کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ہو گئے۔

اور کچھ لوگوں نے حضرت سعدؓ کی حمایت کی جھگڑا جب بڑھ گیا۔ تو حضرت عثمانؓ کے مخبروں نے اس کی خبر حضرت عثمانؓ کو دے دی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت سعدؓ کو معزول کر دیا۔ اور ان کی جگہ اپنے ایک رضاعی بھائی ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ یوں تو بہادر آدمی تھے۔ مگر کوفہ کے لوگوں کے مزاج شناس نہ تھے۔ ان میں نہ سعدؓ جتنا تدبر تھا۔ اور نہ ان جتنا تجربہ۔ سعدؓ معزول ہو کر مدینہ لوٹ آئے۔ اور کوفہ ولید بن عقبہ کے غیر محتاط ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ اور اس فتنہ نے خوب پرورش پائی۔ جس نے آگے چل کر ملت کی جمعیت پریشان کر دی۔

سعدؓ کی معزولی کا سبب بہت کمزور تھا۔ انہوں نے بیت المال سے قرض لیا تھا۔ سعدؓ جب اسے ادا نہ کر سکتے تھے۔ تو اسٹیٹ کا فرض تھا کہ کوفہ کے بیت المال میں اپنی طرف سے روپیہ داخل کر دیتی۔ اور سعدؓ جیسے مفید آدمی کی خدمات سے محروم نہ ہوتی۔ یہ قحط الرجال کا وقت تھا۔ اچھے آدمی طاعون عمواس میں ختم ہو گئے تھے۔ اور پھر سعدؓ جیسے بڑے آدمی تو ناپید تھے۔ وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ انہوں نے رسول اللہؐ کے لئے بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اسلام پر اپنا سب کچھ نثار کر دیا تھا۔ یہ وہی سعدؓ تھے۔ جنہیں حضورؐ جنگ احد کے وقت تیر پکڑاتے جاتے۔ اور فرماتے جاتے۔

سعدؓ تیر چلاؤ۔ تم پر میری ماں اور باپ قربان۔

سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ اتنا بڑا آدمی تھا۔ اسلام کا اتنا بڑا جانثار سپاہی جس نے ایرانی حکومت کا تاٹ الٹ دیا تھا۔ اس کی جگہ جس نئے شخص کو دی گئی۔ وہ محض حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔

نہ ان میں سعدؓ کا سا ایمان تھا نہ سعدؓ کا سا تجربہ اور دیانت۔

ابو موسیٰ کی معزولی

حضرت سعدؓ کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری کی معزولی عمل میں آئی۔ ابو موسیٰ شعری بلند پایہ صحابی تھے حضرت فاروقؓ نے انہیں بصری کا گورنر بنایا تھا۔ بصری کے شریر لوگوں نے ایک بار ان کے خلاف ایک سخت سازش کی تھی۔ مگر یہ سازش ناکام ہوئی اور ابو موسیٰ اپنے منصب پر بحال رہے انہوں نے بڑی کامیابی سے حکومت کی۔ اور بصرہ کے شریر لوگوں کو انتہائی دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ اپنے قابو میں رکھا۔ بصری کے شریر لوگ اس قسم کے ضبط اور سخت نظم ونسق کو توڑنا چاہتے تھے۔ وہ حضرت عثمان کے پاس پہنچے اور خوب کان بھرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول کر دیا۔ اور ان کی جگہ بصرہ کے ایک نا اہل شہری کو گورنر بنا دیا۔ یہ ناکام ہوا۔ تو اپنے ایک عزیز ابن عامر کو یہ منصب بخشا۔

عمرو بن عاصؓ

کوفہ اور بصرہ کے گورنروں کی معزولی کے بعد حضرت عمرو بن عاص کی معزولی عمل میں آئی۔ حضرت عمرو بن عاص ۸ھ میں اسلام لاتے۔ اور حضرت خالدؓ بن ولیدؓ کی طرح اسلام اور رسول اللہؐ کی سچے دل

سے خدمت کی۔

حضرت صدیق رضؓ نے اپنی خلافت کے شروع سال میں جو فوجیں شام کی طرف روانہ فرمائیں۔ ان میں سے ایک عمرو بن عاص کی قیادت میں تھی۔ عمرو بن عاص نے شام میں غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ فلسطین ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ پھر مصر پر چڑھائی کی۔ اور مصر کو فتح کیا۔ حضرت فاروقؓ ہر اچھے آدمی کی قدر کرتے تھے۔ انہوں نے عمرو بن عاص کی قدر کی۔ اور مصر کا گورنر بنا دیا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے شروع دور تک وہ اس منصب پر قائم رہے۔ لیکن بعد میں سعدؓ کی طرح یہ بھی معزول ہوئے۔ اور ان کی جگہ حضرت عثمانؓ کے ایک عزیز ابن ابی سرح نے لی۔

ابن ابی سرح کی شہرت اچھی نہ تھی۔ شروع دور میں رسول اللہؐ نے انہیں وحی الٰہی کی کتابت کے لئے اپنے پاس رکھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی سفارش کی تھی۔ مگر ابن ابی سرح نے خیانت کی۔ وحی الٰہی میں کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ رسول اللہؐ کا عتاب ہوا۔ تو یہ بھاگ کر مکہ چلے گئے اور اسلام سے منحرف ہو گئے۔ فتح مکہ تک یہ مرتد رہے۔ رسول اللہؐ نے جب مکہ پر چڑھائی کی تو جہاں سب لوگوں کو معافی ملی۔ وہاں انہیں موت کی سزا کا حکم ملا۔ مگر حضرت عثمانؓ نے سفارش کی۔ رسول اللہ کو حضرت عثمانؓ کی سفارش بہت عزیز تھی۔ اس لئے انہیں معاف کر دیا۔ مگر ان پر پابندی لگا دی کہ کوئی ذمہ داری کا کام ان سے نہ لیا جائے۔ حقیقتاً یہ اس اہل بھی نہ تھے۔ شام پر چڑھائی کے وقت جب عام بھرتی شروع ہوئی تو یہ بھی بھرتی ہوئے۔ اور جب عمرو بن عاص مصر کی فتح پر مامور ہوئے تو انہوں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ حضرت عمرو بن عاص نے ان

کی سفارش کی اور انہیں بالائی مصر کا حاکم بنا دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے وصال تک یہ بڑی سعادت مندی سے کام کرتے رہے۔ لیکن جیسے ہی حضرت عثمانؓ مسند خلافت پر بیٹھے یہ پھیل نکلے۔ انہوں نے حضرت عمرو کے خلاف خوب ہنگامہ آرائی کی۔ ان کے خلاف حضرت عثمانؓ کے خوب کان بھرے۔ حضرت عثمانؓ میں عزیز داری کی جو کمزوری تھی اس سے انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ حضرت عثمانؓ نے عمرو بن عاص سے گورنری کا کام چھین لیا۔ اور عمرو بن عاص کو صرف کمانڈر انچیف رہنے دیا۔ عمرو بن عاص نے یہ فرمان پڑھا تو جواب لکھا کہ کمانڈر انچیف ہو کر مالیات پر اختیار نہ رکھنے کی مثال تو ایسی ہے جیسے گائے کے سینگ تو ایک شخص کے ہاتھ میں ہوں اور اسے دوہنے کے لئے کوئی دوسرا بیٹھ جائے۔

ابن ابی سرح کو اتنا بھی گوارا نہ تھا۔ انہوں نے ساری گائے پر قبضہ کر لیا۔ اور حضرت عثمانؓ سے کہہ سن کر عمرو بن عاص کو معزول کرا دیا۔ حالانکہ عمرو بن عاص نے مصر کو فتح کیا تھا۔ اور مصر کے نظم و نسق کو اتنا بہتر بنا دیا تھا کہ اس وقت تک اس کی مثال پہلے کہیں دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ ابن سرح گورنر بھی بنے اور سپہ سالار بھی۔ مگر چونکہ رسول اللہؐ کے فرمان کے مطابق خائن تھے۔ کسی بڑے منصب کو سنبھالنے کے اہل نہ تھے۔ اس لئے مصر کے نظم و نسق کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور رومیوں کو پھر حوصلہ ہوا کہ مصر پر چڑھ آئیں۔

رومی بڑی تیاریوں کے ساتھ سمندر کے رستے اسکندریہ پر اترے ابن ابی سرح نے ان کا رستہ روکا۔ مگر تدبر کی دولت نہ پائی تھی۔ اس لئے بری طرح ہارے۔

حضرت عثمانؓ کو اس شکست کی خبر ملی۔ تو انہوں نے پھر عمرو بن عاص کی ضرورت سمجھی۔ انہیں حکم ملا۔ مسلمانوں کو اس ذلت سے بچاؤ۔ عمرو بن عاص اسلام کے مجاہد سپاہی تھے۔ عثمانؓ کا حکم پاتے ہی مصر آ گئے۔ اور رومی فوج کو اتنی خوفناک شکست دی کہ رومی ہزاروں لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر جس راہ آئے تھے اسی راہ بھاگ نکلے۔ اور مصر پر پھر اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔

حضرت عثمانؓ نے ایک تجربہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ انہیں چاہئے تھا کہ عمرو بن عاص کو معزول نہ کرتے۔ لیکن ابن ابی سرح بڑے باتونی اور ہوشیار آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی سادگی اور صاف باطنی سے پھر فائدہ اٹھایا۔ اور مروان کی مہربانی سے پھر گورنری کا فرمان لے کر مصر پہنچ گیا۔ اور عمرو بن عاص پھر معزول ہو کر مدینہ واپس ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کو اس معزولی کا صدمہ تو ہوا۔ مگر وہ اسلام کے سچے سپاہی تھے۔ انہوں نے خلیفۂ وقت کے حکم کو سنا۔ سر جھکا دیا۔ رسول اللہ نے انہیں جو تعلیم دی تھی اس سے وہ منہ نہ پھیر سکتے تھے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ تم پر اگر حبشی کو بھی حاکم بنا دیا جائے۔ تو سرگردانی نہ کرنا۔ عمرو بن عاص نے سرگردانی نہیں کی۔ اور مدینہ آن کر اپنے گھر میں رہنے لگے۔

اٹھائیسواں باب

افریقہ پر حملہ

مصر کی حکومت پر دوبارہ تسلط پانے کے بعد ابن ابی سرح نے پچھلی شکست کی بدنامی دھونے کا پروگرام بنایا۔ حضرت عثمانؓ کو لکھا مجھے افریقہ پر چڑھائی کی اجازت دیجئے۔

اجازت مل گئی تو وہ دس ہزار آدمیوں کے ساتھ فسطاط سے نکلے اور مصر کی سرحد کی طرف بڑھنے لگے۔ سرحد پر پہنچ کر انہوں نے برقہ کو ہیڈکوارٹر بنایا۔ اور سرحدی قبائل کو مغلوب کرنے لگے۔ یہ بڑا کام تھا جو ابن سرح نے اپنے ذمہ لیا تھا حضرت عثمانؓ ان کی خامیوں سے آگاہ تھے۔ اس لئے انہوں نے مدینہ میں ایک بڑی فوج جمع کی۔ اور اس وقت کے نامور صحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین۔ اور حضرت ابن جعفرؓ کو حکم دیا۔ وہ اس فوج کو لے کر طرابلس کی طرف جائیں۔ ان میں

سے ایک ایک شخص مسلمانوں اور اسلام کا چہیتا فرد تھے ۔ یہ حضرات اس بڑی فوج کو لے کر مصر ہوتے ہوئے برقہ پہنچے ۔ وہاں ابن ابی سرح ان کے استقبال کو موجود تھے ۔ ان پاکیزہ اشخاص کی بے نفسی دیکھیئے ۔ کہ یہ سب ایک ایسے شخص کی قیادت میں لڑنے جا رہے تھے جسے ان میں سے کوئی بھی پسند نہ کرتا تھا ۔ خاص طور پر حضرت عمرو بن عاص تو اس شخص کی وجہ سے مصر کی حکومت سے معزول ہوئے تھے ۔ مگر یہ سب لوگ رسول اللہ پر سچے دل سے ایمان لائے تھے ۔ ان کے نزدیک شخصیت کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی ۔ ان سب کے سامنے اللہ اور اس کے رسول پاکؐ کی بڑائی کا کام تھا ۔

برقہ پر ابن ابی سرح نے اس فوج کو مختلف حصوں میں بانٹا ۔ اور شمالی افریقہ کی طرف بڑھنے لگے ۔

مسلمان فوج کی چڑھائی کی خبر کوئی معمولی خبر نہ تھی ۔ ہول کے دوش پھیلتی ۔ افریقہ کے بادشاہ شاہ جرجیس گیری گوری کے کانوں تک پہنچی اور جرجیس ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کا انبوہ ساتھ لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا ۔

برقہ سے ابن ابی سرح اور حضرت عبداللہ بن زبیر طرابلس آ گئے ۔ طرابلس کے لوگوں نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا شکست کھائی اور بھاگ گئے ۔ طرابلس پر قبضہ کر لینے کے بعد مسلمان سپاہ آگے بڑھی ۔ ہر طرف ریت ہی ریت پھیلی تھی جیسے جیسے سورج اوپر ہوتا جاتا ۔ گرمی کی شدت بڑھتی جاتی ۔ ناگاہ فضا میں ڈھول پیٹنے اور ناقوس بجنے کی آوازیں پھیلنے لگیں ۔ گری گوری (جرجیس) کا لشکرِ جرار قریب آن پہنچا تھا ۔

ابن ابی سرح نے اسلامی طریق جنگ کے مطابق گری گوری کے پاس ایک سفیر بھیج کر اسے اسلام قبول کرتے یا مسلمانوں کو خراج ادا کرنے کی دعوت دی۔ جب ادھر سے انکار ہوا اور تلوار پر فیصلہ آن رکا۔ تو دونوں طرف سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ گری گوری کی فوج جہاں ڈیرے ڈالے تھی۔ اس کے عقب میں اونچی پہاڑیاں تھیں۔ گری گوری کی آدھی سپاہ میدان جنگ میں اتری تھی۔ اور آدھی پہاڑی پر متعین تھی۔ جہاں گری گوری ایک اونچی بارہ دری میں فروکش تھا۔

لڑائی چھڑ گئی۔ مسلمان فوج گو تھکی ماندی تھی۔ مگر اس نے بڑی جسارت اور بڑے حوصلے سے لڑائی کا آغاز کیا۔ یوں تو ابن ابی سرح کمانڈر انچیف تھے۔ لیکن عبداللہ بن زبیر، عمرو بن عاص۔ عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن عباس۔ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ اپنے اپنے دستوں کو لے کر آزادانہ جنگ کر رہے تھے۔ وہ شیروں کی طرح حملے کرتے۔ اور دشمنوں کی صفوں کو اور پیچھے تک دھکیلتے لئے جا رہے تھے۔

لڑائی ہوتے ہوتے شعلہ بداماں ہو گئی۔ مخالف صفیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔

ادھر سورج سر پر آن پہنچا تھا۔ اس کی تیز تیز کرنیں نیزوں کی انیوں کا سا کام کر رہی تھیں۔

مگر دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے سے الجھے۔ داد شجاعت دے رہے تھے۔ سورج نے تھک ہار کر مغرب کی راہ لی۔ دھوپ کم ہونے لگی۔ شام نے اپنی سنہری اوڑھنی سارے عالم کو پہنا دی۔

دونوں طرف کے سپاہی آج برابر رہے تھے۔ دونوں میں ایک جیسا دم خم تھا۔ کسی کے حوصلے پست نہ ہوتے تھے۔ دونوں کا جی چاہتا تھا لڑائی کا فیصلہ آج ہی ہو جائے۔ مگر تاریکی پھیل گئی تھی۔ اس لئے دونوں طرف کے سپہ سالاروں نے اپنی اپنی فوج کو واپس آنے کا حکم دیا۔ فوجیں اپنے اپنے کمپ کو پلٹیں۔ اور رات کے دامن میں سستانے لگیں۔

عبداللہ ابن زبیر اور ان کے نوجوان ساتھی حضرت حسن حضرت حسین۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سارے ایک جا جمع ہوئے۔ وہ سارے یکجا ہو کر پہلی بار مدینہ سے باہر لڑنے کے لئے آئے تھے۔ وہ سب نوجوان تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک آفتاب تھا۔ ان سب نے آج کے طریق جنگ پر بحث کی۔ ان سب کو افسوس تھا۔ ابن ابی سرح خود میدان جنگ میں کیوں نہیں آئے۔

یہ اسلامی طریق جنگ کے سراسر خلاف بات تھی۔ ان سب نے طے کیا۔ ابن ابی سرح سے اس کی باز پرس کریں گے۔

دوسرے دن جب آفتاب طلوع ہوا۔ تو دونوں فوجیں پھر میدان جنگ میں اتریں۔ اور ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے لگیں۔ آج پھر ابن سرح میدان میں نہیں آئے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کو سخت دُکھ ہوا۔ مگر لڑائی شروع ہو گئی۔ انہوں نے سپاہیوں کی قیادت کی اور دشمن کی صفیں الٹنے لگیں۔

مگر دشمن کے سپاہی انتہائی جرأت سے لڑ رہے تھے۔ گمی گوری کی بیٹی شہزادی فلیپا ناشمع کی صورت میدان جنگ میں اُتری تھی۔ وہ

اپنی سپاہ کو خود لڑا رہی تھی۔ اور بہادر سپہ سالار کی طرح خود آگے بڑھ بڑھ کر حملے کرتی کبھی دائیں بازو پہ حملہ کرتی اور کبھی بائیں بازو پہ ٹوٹ پڑتی۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے دور سے یہ منظر دیکھا۔ تو حیران رہ گئے۔ ان کا جی چاہا۔ فلپانا سے دو دو ہاتھ کریں۔ مگر عربی ہمت نے گوارا نہ کیا کہ مرد ہو کر ایک عورت پر ہاتھ اٹھائیں۔ البتہ انہوں نے فلپانا کے پاس آکر اس کی صفوں کو الٹنا شروع کر دیا۔

فلپانا نے بہت کوشش کی عبداللہ بن زبیر اس کا مقابلہ کریں۔ مگر عبداللہ بن زبیر اس سے پرے ہی رہے۔ وہ کبھی اس کی فوج کے ایک بازو کو پیچھے دھکیل لے جاتے اور کبھی دوسرے کو۔

انتہائی تعجب کا مقام ہے۔ کہ مسلمانوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اور دشمن ایک لاکھ بیس ہزار افراد پہ مشتمل تھا۔ مگر آج دوسرا دن ہو گیا تھا۔ بیس ہزار مسلمان ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج کو ہراساں اور پریشان کئے تھے۔

اچانک دور سامنے کی فضا میں تکبیروں کی آواز اٹھتی سنائی دی۔ یہ تکبیریں بڑھتے ہوئے قریب سے بلند ہونے لگیں۔ عبداللہ بن زبیر کے بھائی عبدالرحمٰن بن زبیر ایک تازہ دم فوج لے کر مسلمانوں سے آملے۔ فلپانا نے یہ شور سنا۔ تو پوچھا۔ کون لوگ آئے؟

اس سے کہا گیا۔ مسلمانوں کی کمک کو ایک تازہ دم فوج آئی ہے۔

اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور باپ کے پاس جا پہنچی۔ گریگوری نے یہ بات سنی تو بہت پریشان ہوا۔ اور بیٹی کو حکم دیا۔ سپاہ ہوا سے

کہو ہمت نہ ہاریں۔

فلپانا واپس آئی۔ اس کے نقیب ہر صف میں پہنچے۔

مسیح تمہاری سرپرستی کرے گا۔ ہمت بلند رکھو۔

فلپانا نے آج غیر معمولی جرأت سے کام لیا۔ وہ کئی بار ابن زبیر سے ٹکرائی۔ مگر ابن زبیر کترا گئے۔

حضرت حسین، حضرت حسن، حضرت عبداللہ بن عباس، اور حضرت عبداللہ بن عمر اپنے اپنے دستوں کو ساتھ لئے آج لڑائی کا نقشہ بدلنے پر تلے تھے۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

دفعتاً عمرو بن عاص نے جنگ کی قیادت کی اور دشمن کو کافی پیچھے تک دھکیل لے گئے۔

فلپانا نے فوج کو پھر جوش دلایا۔ اور رومی سپاہ پھر آگے بڑھی۔ دونوں صفیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دونوں طرف کے سپاہی شہرت حمیت سے دیوانے ہو گئے ہیں۔ شام ہو گئی تو واپسی کا بگل بجا۔

تیسرے دن ابھی لڑائی کا آغاز ہی ہوا تھا۔ کہ ابن زبیر ابن ابی سرح کے پاس گئے۔ اور اس سے کہنے لگے ابن ابی سرح یہ تو مسلمانوں کی روایات کے خلاف ہے۔ کہ ان کا سپہ سالار خیمے میں دبکا بیٹھا رہے۔

ابن ابی سرح بولے۔

میں لڑنے سے نہیں گھبراتا۔ مگر شاید آپ کو نہیں معلوم گری گوری نے پرسوں میدان جنگ میں اعلان کیا تھا کہ جو میرا سر کاٹ کر لائیگا اُسے وہ آدھی بادشاہت دے گا۔ اور اپنی بیٹی فلپانا کو اس سے

بیاہ دے گا۔

ابن زبیر مسکرائے ۔ فرمایا۔

تم بھی یہ اعلان کردو۔ کہ جو گری گوری کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اسے ایک لاکھ دینار نقد اور فلپانا کا دست نازک انعام میں ملے گا۔

ابن ابی سرح کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اسلامی نقیب ہر صف کے سرے پر پہنچ کر پکارنے لگے۔

گری گوری کا سر کاٹ کر لانے والے کو ایک لاکھ دینار نقد اور فلپانا انعام میں ملے گی۔

انہوں نے فلپانا کے حسن کی خوب خوب تعریف کی۔ اور شہادت پانے والوں کو جنت کی حوروں کے حسن کا مژدہ سنایا۔ انہوں نے کہا گری گوری کو قتل کرنے والے اس دنیا میں فلپانا پائیں گے۔ اور اگر شہید ہو گئے۔ تو حوریں ان کے استقبال کو آئیں گی۔

آج لڑائی کا رنگ ابتدا ہی سے بدلتا نظر آیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی تجویز نے غیر معمولی اثر کیا۔ گری گوری چھپنے لگا۔ اور مسلمان سپاہی دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے گری گوری تک جا پہنچے۔

گری گوری کی حسین بیٹی فلپانا نے ایسے ہر بہادر کی راہ روکی۔ اور میدان جنگ حشر کی صورت اختیار کر گیا۔

صبح سے دوپہر ہوئی اور دوپہر سے شام۔ مگر دونوں فوجوں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہاری۔

آج پھر واپسی کا بگل بجا۔ اور بہادر ستانے کے لئے اپنے اپنے خیموں کو پلٹے۔ لڑائی کافی طول پکڑ گئی۔ اسلامی سپہ سالار نے اپنے

خیمہ میں مجلس مشاورت بلائی۔ اور اس صورتِ حال پر غور کرنے کی دعوت دی۔ ابن زبیرؓ نے تجویز پیش کی۔ کہ کل جب لڑائی کا آغاز ہو تو آدھی فوج آپ کے ساتھ میدان میں اُترے۔ آدھی فوج آپ میری قیادت میں چھوڑ دیں۔ میں اسے دوپہر تک اسی کیمپ میں پڑا رہونگا۔ دوپہر کے بعد میں اس تازہ دم فوج کو لے کر اچانک دشمن پر ٹوٹ پڑوں گا۔

یہ تجویز معقول تھی۔ سب نے اسے پسند کیا۔ دوسری صبح۔ ابن ابی سرح آدھی فوج کو لے کر میدان میں اُترے۔

خدا کی شان اس وقت کے مسلمان سپاہی بھی عجیب تھے۔ آج اُن کی تعداد آدھی تھی۔ مگر پھر بھی انہوں نے دوپہر تک دشمن کا مقابلہ اس جرأت اور اس بہادری سے کیا کہ دشمن کو گمان تک نہ ہو سکا۔ کہ وہ کل سے آدھے ہیں۔

سورج سروں پہ آن پہنچا۔ دونوں طرف کے بہادر ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگتے رہے۔ تلواریں چمکتیں اور نیزے سینوں میں تیرتے رہے۔ سورج ڈھلنے لگا۔ اور فوجیں واپسی کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اچانک فضا تکبیر کے نعروں سے بھر گئی۔ ابن زبیرؓ اپنی سپاہ کو لے کر میدان جنگ میں آن اُترے۔ اور دشمن کی صفیں اُلٹ ڈالیں۔ دشمن ہراساں ہو کر خیموں کو بھاگا۔ ابن زبیرؓ نے وہاں بھی ان کا تعاقب کیا۔

ابن زبیرؓ آج اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہوا کی تیزی اور تندی سے دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے گری گوری کے کیمپ تک جا پہنچے

گری گوری کی محافظ فوج نے انہیں اپنے بادشاہ تک پہنچنے سے روکا۔ مگر ابن زبیرؓ کو کون روک سکتا تھا۔ وہ گری گوری تک پہنچ گئے۔ اور اس سے دست وگریبان ہو گئے۔ گری گوری زخم کھا کر گرا اور ابن زبیرؓ نے گھوڑے سے اتر کر اس کا سر قلم کیا۔ اور نیزے پر چڑھا کر بلند آواز سے پکارے۔

میں نے گری گوری کو مار ڈالا۔

دشمن فوج نے ہار مان لی۔ فلپانا نے ہتھیار رکھ دئے۔ اور امان کی درخواست کی۔

یہ بہت بڑی فتح تھی۔ جو خدا نے حضرت ابن زبیرؓ کی وجہ سے مسلمانوں کو عطا کی۔ ابن زبیرؓ اس جنگ کے ہیرو قرار پائے۔

دوسرے دن ابن زبیرؓ کی فوج، افریقہ کی سرزمین کو روندتی شہر سبیطلہ جا پہنچی سبیطلہ افریقہ کا دارالحکومت تھا۔ گری گوری کے نائب نے شہر پناہ کے دروازے بند کر لئے۔ اور محصور ہو گیا۔ مسلمانوں نے کئی دن تک محاصرہ کیا۔ اور آخر فتح پائی۔ اس شہر سے مسلمانوں کو اتنا مال غنیمت ملا۔ کہ ایک ایک سوار کو تین تین ہزار دینار دئے گئے تھے۔

سبیطلہ کے بعد مسلمان فوج جم پر حملہ آور ہوئی۔ جم آخری بڑا قلعہ تھا افریقہ کا۔

محاصرہ کو ابھی چند دن ہوتے تھے کہ افریقہ والوں نے مصالحت کی درخواست کی اور دس لاکھ دینار سالانہ خراج دینے کی شرط پر شہر کے دروازے کھول دئے۔

معاہدہ مرتب ہوا۔ افریقہ پر اسلامی سیادت تسلیم کر لی گئی مسلمانوں کی مرضی سے افریقہ والوں نے ایک دوسرے شخص کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور اس بادشاہ نے معاہدہ پر دستخط کر دئیے۔ اور مسلمان فوج افریقہ کو مطیع بنانے کے بعد مصر واپس ہوئی۔

افریقہ کی فتح کی نوید لے کر حضرت عبداللہ بن زبیر مدینہ واپس آ ئے۔

اُن کے ساتھ بہت سا مالِ غنیمت تھا۔ بہت سے شاہی قیدی تھے۔ جن میں فلپانا بھی تھی۔ عبداللہ بن ابی سرح کے اعلان کے مطابق چونکہ گری گوری کو عبداللہ بن زبیرؓ نے مارا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نے فلپانا ان کے سپرد کر دی۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے اس بہادر شہزادی سے نکاح کر لیا۔

شاہ قسطنطین

یہ ۲۷ھ تھا جب عبداللہ بن نافع نے مصر کی حکومت کا چارج لیا اُنہوں نے مصر کے انتظامات از سر نو کئے۔ جن لوگوں کو ابن ابی سرح نے نقصان پہنچایا تھا۔ ان کی تلافی کی اور مالگزاری کی ادائیگی میں کسانوں کو سہولتیں دیں۔ یہ چونکہ کسی قدر امن کا سال تھا۔ اور مسلمان فوج میدان جنگ میں نہ تھی اس لئے شاہ قسطنطین کو خیال ہوا کہ مصر کا نیا گورنر فوجی صلاحیتوں سے محروم ہے۔ اور اس نے انہیں آزمانے کے لئے افریقہ پر فوج بھیجی۔ اور افریقہ والوں سے خراج کا مطالبہ کیا۔ افریقہ

والے مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ پھر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات بہت خوشگوار ہو گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ افریقہ والوں اور رومی فوج میں سخت مقابلہ ہوا۔ افریقی ہارے اور اطاعت قبول کر لی۔

عبداللہ بن نافع نے چونکہ رومی فوج کے آگے بڑھ کر روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور افریقہ کے ملک کو ان کے قبضہ میں یوں ہی چلے جانے دیا تھا۔ اس لئے رومی فوج کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اور اس کے سپہ سالاروں کو یقین ہو گیا کہ عبداللہ بن نافع کمزور حاکم ہیں۔ اپنا یہ خیال اس نے شاہ قسطنطین کو لکھ بھیجا۔ اور تجویز پیش کی کہ ادھر سے بادشاہ فوج لے کر اسکندریہ کی طرف بڑھے اور اُدھر سے وہ بڑھتا ہے۔

شاہ قسطنطین نے خوب تیاری کی۔ چھ سو چھوٹے اور بڑے جہازوں کا بیڑہ تیار کیا۔ اور اس شاہی بیڑہ میں پچاس ہزار سے زائد فوج بھر کر اسکندریہ کی طرف چلا۔ ادھر سے افریقہ کی رومی فوج بھی اسکندریہ کے ساحل کے قریب آن پہنچی۔

عبداللہ بن نافع نے اس رومی فوج کو اسکندریہ سے قریب آنے نہ دیا وہ پہلی بار جہازوں پر اپنی فوج لاد کر اسکندریہ سے سمندر کے سینہ پر سوار ہو گئے۔ اور اسلامی بیڑہ نے آگے بڑھ کر رومی بیڑہ پر حملہ کر دیا۔

دونوں بیڑے ایک دوسرے سے مل گئے۔ پہلے تیروں کی لڑائی ہوئی اور پھر جب جوش بڑھا تو مخالف کشتیاں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئیں اور لڑائی دست بدست ہونے لگی۔

مسلمانوں نے حیرت انگیز جرات دکھائی۔ اور دشمن کو اس قدر مارا کہ شاہ قسطنطین مقابلہ کی تاب نہ لاکر قبرس کی طرف بھاگ نکلا۔ آدھی رومی فوج اور آدھا رومی بیڑہ سمندر کی نذر ہوا۔

یہ مسلمانوں کی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا۔ کہ انہوں نے سمندر کے سینہ پر سوار ہوکر ہزاروں سال پرانی رومی قوم کے شاہی بیڑہ کو اتنی کامیاب شکست دی۔ اور نہ صرف اپنے سامنے سے بھگا دیا۔ بلکہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے قبرس جا پہنچے۔ ان میں اور رومی بھگوڑی فوج میں ایک بار پھر مقابلہ ہوا۔ اور اسلامی فوج نے قبرس پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔

عبداللہ بن نافع کی جگہ پھر ابن ابی سرح نے لی۔ مروان اس کا حامی تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کو اس کے تقرر پر آمادہ کر لیا۔

یہی دن تھے کہ شام سے جناب امیر معاویہ ایک بیڑہ لے کر قبرس آئے اور انہوں نے اور عبداللہ بن قیس نے مل کر قبرس کے سارے علاقہ میں اسلامی علم لہرا دیا۔ قبرس کے بعد جناب امیر معاویہ روڈس جزیرہ پر حملہ آور ہو گئے۔ روڈس کے باشندوں سے کئی خونریز لڑائیاں لڑی گئیں۔ روڈس والے ہارے اور روڈس پر اسلامی علم لہرانے لگا۔

مورخین کا بیان ہے۔ کہ روڈس کے ساحل پہ وہاں کے صناعوں نے تانبے کا ایک بہت بڑا بُت بنا رکھا تھا جس کا ایک پاؤں۔ روڈس کے ساحل پر تھا۔ اور دوسرا ساتھ کے ٹاپو پہ۔ اور ان

دونوں پاؤں کے درمیان اتنی وسعت تھی۔ کہ جہاز اس کے تلے سے بڑی آسانی گزرا کرے۔ جناب امیر معاویہ نے اس بُت کو تڑوا دیا۔ اور اس کا تانبا اسکندریہ بھیج کر خود دمشق کو واپس ہو گئے۔

انتیسواں باب

شام اور امیر معاویہ

حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانہ میں جو اسلامی فوجیں شام پر حملہ آور ہوئیں۔ ان میں ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹے یزید اور معاویہ بھی شریک ہوئے تھے۔ یزید نسبتاً زیادہ بہادر تھے۔ اس لئے انہوں نے جنگ میں نمایاں جوہر دکھائے۔ یوں بھی وہ ایک بڑے آدمی کے بیٹے تھے۔ اس لئے انہیں اسلامی فوج میں نمایاں حیثیت حاصل رہی۔

جب شام پورا فتح ہو چکا تھا۔ تو شام کی حکومت مختلف حصوں میں بٹی۔ حضرت ابوعبیدہ بڑے سپہ سالار اور گورنر جنرل کی حیثیت سے حمص میں ٹھہرے۔ دمشق۔ قنسرین اور فلسطین تمام صوبے ان کے ماتحت تھے۔ ہر صوبہ میں مسلمان دستے حفاظت کے لئے متعین کئے گئے۔ فوج کا جو دستہ دمشق کی حفاظت پر متعین ہوا۔ اس کی قیادت یزید بن ابی سفیان کے ہاتھوں میں سونپی گئی۔

سـ۱۸ھ میں یزید بن ابی سفیان انتقال کر گئے۔ ان کی جگہ۔ امیر معاویہ کو ملی۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ طاعون عمواس میں بہت سے بڑے صحابہ انتقال فرما چکے تھے۔

جناب امیر معاویہ حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے۔ جب حضرت عثمانؓ خلافت کی مسند پر بیٹھے تو امیر معاویہؓ کو بڑی رعائتیں ملیں۔ امیر معاویہ بڑے معاملہ فہم اور مدبر قسم کے آدمی تھے۔ سیاسی چالاکی اور صلاحیت انہوں نے اپنے باپ ابوسفیان سے ورثہ میں پائی تھی۔

دمشق کی گورنری پر فائز ہونے کے بعد انہوں نے یوں تو حضرت فاروقؓ کے زمانہ میں ہی شان و شوکت سے رہنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا ڈر چونکہ بہت غالب تھا۔ اس لئے کافی محتاط سے رہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ احتیاط جاتی رہی اور جناب امیر معاویہ پوری شان و شوکت کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ حالات بھی ایسے پیش آئے۔ کہ ان کی حکومت کا دائرہ آپ ہی آپ وسیع ہونے لگا۔ حمص و قنسرین کے گورنر حضرت عمر بن سعید انصاری مستعفی ہوئے۔ اور ان کی جگہ خالی ہوئی۔ تو حضرت عثمان کے سکرٹری مروان بن حکم نے کسی نئے آدمی کے انتخاب کی بجائے حمص قنسرین کو دمشق کے ساتھ ملا دیا۔ اور امیر معاویہ اب حمص قنسرین اور دمشق و اردن کے حاکم قرار پا گئے۔

یہ پہلی سیاسی غلطی تھی جو حضرت عثمان کے دور میں ہوئی دوسری غلطی اس سے چند دن بعد ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن

بن علقمہ۔ گورنر فلسطین انتقال فرما گئے۔ اور مروان نے جو اسلام کی جڑوں میں کلہاڑہ مارنے پہ تلا بیٹھا تھا۔ فلسطین بھی امیر معاویہ کے حوالے کرا دیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے آنکھیں بند کر کے اس حکم پر بھی دستخط فرما دئے۔

حالانکہ یہ بہت بڑی سیاسی چال تھی۔ جو مروان نے مسلمانوں کو بانٹنے کے لئے چلی۔

مروان ان پر مہربان تھا۔ حضرت عثمان رضؓ ان کو پسند کرتے تھے وہ ان کے قریبی عزیز تھے۔ جناب امیر معاویہ نے شام میں ایک مستقل اور بالکل ایرانی طرزِ حکومت کی بنا رکھی سو یہی شاہی انداز انہوں نے بھی اختیار کر لیا۔ جو ایران کے بادشاہوں کا تھا۔ انہوں نے نئی فوج بھرتی کی۔ اور اپنی حفاظت کے لئے کئی ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک ایسا دستہ تیار کیا۔ جو امیر معاویہ کو خلیفہ کا عزیز جان کر ہر بات پر مختار سمجھتا تھا۔

شام کی نئی فوج سراسر امیر معاویہ کے قبضہ میں چلی گئی۔ اور اس میں اور عام اسلامی فوج میں جو پاک رشتہ اسلام نے قائم کیا تھا۔ وہ قریب قریب کٹ گیا۔

اس کا پہلا مظاہرہ ۳۲ ھ میں ہوا۔ کوفی فوج آذربائیجان کے دروں میں جا گھسی تھی۔ وہاں اسے بڑی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ان دشواریوں پہ قابو پا سکنے کے لئے حضرت عثمان رضؓ نے امیر معاویہ کو لکھا کہ شامی فوج کا ایک دستہ آذربائیجان بھیج دیں۔ یہ شامی فوج جب آذربائیجان پہنچی۔ تو اس نے کوفی فوج کے سپہ سالار کی ماتحتی میں لڑنے سے انکار کر دیا۔

آپ کو یاد ہو گا صحابہ کے قافلے جب مدینہ سے روانہ ہوتے تو خواہ کوئی بھی امیر بنا دیا جاتا۔ کسی بڑے سے بڑے صحابی کو اس پہ اعتراض نہ ہوتا اسلامی فوجی زندگی کا یہ پہلا افسوسناک حادثہ ہے۔ یہ آغاز ہے اس شخصی اقتدار کا جو مروان بن حکم نے امیر معاویہ کو شام اور فلسطین کا مطلق العنان حاکم بنا کر انہیں بخشا۔ اگر امیر معاویہ کو شام میں یہ مطلق العنانی نہ بخشی جاتی تو مسلمانوں کی تاریخ میں بادشاہت کے لئے کوئی جگہ نہ پیدا ہوتی۔

امیر معاویہ کو جو اقتدار ہولے ہولے نصیب ہوا۔ اس کے خلاف مدینہ کے اہل الرائے صحابہ نے اس وقت احتجاج کیا۔

حضرت علیؓ۔ حضرت سعدؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیر۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ ابوموسیٰ اشعری۔ حضرت عمرو بن عاص۔ حضرت حذیفہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے اکابر صحابہ نے حضرت عثمان کو اس چیز پہ توجہ دلائی۔ مگر حضرت عثمانؓ اپنی رائے پہ آپ مختار نہ تھے۔ اور یہ سب بڑے مایوس ہو کر چپ ہو رہے۔

یہ وقت بڑا نازک تھا۔ اس وقت حضرت فاروقؓ کی سیاست اور دور بینی درکار تھی۔ اس وقت ضرورت تھی کہ حضرت عثمان سب سے بڑے صحابہ کو اپنی وزارت میں لیتے۔ اور حضرت فاروقؓ کی طرح شام فلسطین اور قنسرین تین گورنروں کے سپرد کرتے۔ اور یہ گورنر ان کے عزیزوں کی بجائے عام صحابہ میں سے انتخاب کئے جاتے۔ بڑے صحابہ میں سے کچھ صحابہ باہر بھیج دئے جاتے۔ حضرت فاروقؓ نے ان صحابہ کو محض اس لئے باہر نہ بھیجا تھا۔ کہ ان کو ایک صاحب الرائے جنگی کونسل کی ضرورت تھی۔ اسلامی فوجیں نئے نئے ملکوں پہ چڑھائی

کر رہی تھیں۔ اور فوجی مہموں کے سلسلہ کو قائم رکھنا ضروری تھا۔ اب ان لوگوں سے کوئی کام نہ لیا جاتا تھا۔ اگر ان کے سپرد بیرونی صوبے کر دیے جاتے۔ تو ملت آنے والے انتشار سے محفوظ ہو جاتی۔

اور پھر حضرت عثمان رضؓ نے جو طریق کار اختیار کیا تھا۔ وہ بھی قابل اصلاح تھا۔ شام، فلسطین، مصر، کوفہ اور بصرہ جیسے بڑے صوبے ان کے رشتہ داروں میں بٹ چکے تھے۔ اور حضرت عثمان رضؓ یہ بھول گئے تھے کہ حضرت فاروق رضؓ نے وصال سے پہلے فرمایا تھا۔

خبردار اپنے رشتہ داروں کو عہدے نہ دینا۔ مسلمانوں میں اور بہت سے لوگ اس کے اہل ہیں۔

مگر ان سب لوگوں سے حکومت چھنتی جا رہی تھی۔ سعد بن وقاص کوفہ سے ابو موسیٰ اشعری بصرہ سے اور عمرو بن عاص مصر کی حکومتوں سے معزول کر کے مدینہ میں بے کار بٹھا دیے گئے تھے۔

شام میں ابوذر غفاری

یہ بحث تو آگے چل کر آئے گی یہاں ایک اور بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ شام کے مسلمانوں کی زندگی جو روش اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اسے بڑے صحابہ میں سے کوئی بھی پسندیدہ نہ سمجھتا تھا۔ حضرت ابوذر غفاری بڑے صحابہ میں سے تھے۔ وہ شام آئے۔ تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کو محلوں میں رہتے۔ لونڈیوں اور غلاموں پر حکومت کرتے۔ اور ریشمی لباس پہنتے دیکھا۔ تو انہوں نے اس طرح

رہائش اور انداز زندگی کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ انہوں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا۔ ان کی خدمت میں بیسوں سال رہے تھے۔ اسلام کے فلسفے سے آگاہ تھے۔ اس بات کو جانتے تھے کہ حضورؐ نے وصال سے پہلے سونے کی وہ ڈلی بھی مسلمانوں میں بانٹ دی تھی۔ جو ابھی کچھ دن ہوئے مالیہ کے طور پر ان تک پہنچی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ کی سادگی دیکھی۔ پھر ابو بکرؓ اور فاروقؓ کی سادگی اور انکسار دیکھا۔ انہوں نے فاروقؓ کے پیوندوں لگے کرتے کو کئی بار ہاتھ سے چھوا تھا۔ اور فاروقؓ کی خلافت کے آخری دور میں جبکہ اسلام کا آفتاب ایران، شام اور عراق کی سرزمین میں پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا تھا۔ فاروقؓ کو ذرہ برابر بھی بدلا ہوا نہ پایا۔ انہوں نے فاروقؓ کو اس وقت روتے دیکھا تھا جب مال غنیمت کے انبار ان کے سامنے لگے تھے۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔

میں ڈرتا ہوں۔ تمول مسلمانوں کو تباہ نہ کر دے۔

اور یہ تمول مسلمانوں کو تباہ کر رہا تھا۔

ابوذرؓ نے یہ حالت دیکھی۔ تو اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور دمشق کی مسجد میں آنے والے مسلمانوں کو سمجھانے لگے۔

تمہارے خدا کے نزدیک دولت کوئی پسندیدہ چیز نہیں۔ اور یہ تمول۔ یہ سونے اور چاندی کے انبار خدا کو اچھے نہیں لگتے۔ ان کی محبت دل سے نکال دو۔ اور سادہ سادہ انسان بن جاؤ۔

لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہونے لگے۔ درحقیقت ان کا فلسفہ ایسا ہی تھا۔ وہ اسلام کو خوب سمجھتے تھے۔ اور جربات

وہ سمجھا رہے تھے وہی سچی اور مبنی بر حقیقت تھی۔ اس لئے اس کا اثر ہوا۔ لوگ ان کی باتیں سنتے۔ کانپتے اور لرزتے۔ اور اگر ابوذر غفاری کو اپنے فلسفہ کی تبلیغ کی مہلت ملتی۔ تو وہ دو تین سال کے اندر اندر شام کی حالت بدل ڈالتے اور شام سادگی اور پاکیزگی کی زندگی کا عادی بن جاتا۔

مگر جناب امیر معاویہ جنہوں نے دولت کو اپنا مقصدِ اول بنا لیا تھا۔ اس چیز سے سخت خالف ہوئے۔ اور ان کو بھی اپنی ہی طرح کا دولت پسند انسان سمجھ کر آزمائش کی بھٹی میں ڈالنا چاہا۔ ایک ہزار دینار کی تھیلی یوں ہی چھپا کر ان کے پاس بھجوا دی۔ اور صبح کو یہ تھیلی نکلوا بھیجی۔ مگر یہ تھیلی کہاں تھی۔

ابوذر غفاریؓ نے اس کا ایک ایک دینار حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ امتحان میں سچا پا کر امیر معاویہؓ نے انہیں دمشق سے نکال کر زبردستی مدینہ بھجوا دیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو لکھا "یہ شخص ہے تو مخلص مگر بدراہ ہے"۔ حالانکہ جناب معاویہ خود بدراہ تھے۔ انہوں نے اسلام کو نہیں سمجھا تھا۔ وہ محلوں میں رہتے اور اچھے اچھے کپڑے پہننے لگے تھے۔ ان کے ہاں سینکڑوں کی تعداد میں لونڈیاں اور غلام تھے۔ ان کے خزانے دولت سے بھرے تھے۔ اور تعیش دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا۔ دنیا کی محبت ان کے دل میں جگہ پا گئی تھی۔

اور حضرت عثمان رضؓ بھی متمول صحابی تھے۔ ان کے تمول سے رسول اللہؐ نے فائدہ اٹھایا۔ ان کے متمول کو رسول اللہ اچھے کاموں

میں صرف کرتے رہتے! مگر اس وقت کے بڑھتے ہوئے تمول کے خرچ کی کوئی سبیل حضرت عثمانؓ نہ نکال سکے۔ اگر اس وقت اسلامی سٹیٹ مسلمانوں کی دولت پر کوئی بند باندھ دیتی۔ اگر اس وقت کے لوگوں کی زندگی کا معیار ایک کر دیا جاتا۔ اگر وہ سب کے سب یکساں انسان سمجھے جاتے تو مسلمان کبھی برباد نہ ہوتے۔ اور ان پر ادبار کی گھٹائیں نہ چھاتیں۔

ابوذر غفاریؓ جو کچھ کہتے۔ وہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہ آتی۔ مروان بن حکم اور اس کے گروہ نے ابوذر غفاری پر آوازے کسے اور ان کا مذاق اڑایا۔ ابوذر غفاری کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ پریشان ہو گئے۔

اس پر طرہ یہ ہوا کہ مروان نے ابوذر غفاری کو مدینہ سے جلا وطن کر کے اسرباوہ لبتی میں نظر بند کر دیا۔ جہاں اسلام کے سچے معلم۔ محمد عربی، ابوبکرؓ اور فاروق اعظم کے اس سچے جانشین کو بے شمار تکلیفوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ حضرت ابوذرؓ کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے امیروں سے کہا۔ تم کو یہ دولت جمع کرنے کا حق نہیں۔ اس دولت کو اپنے ساتھیوں میں بانٹ دو۔ خود رسول اللہؐ نے ایسا ہی کیا تھا۔ ابوبکرؓ نے ایسا ہی کیا اور فاروق نے بھی۔

ابوذرؓ کی موت

اس بستی میں حضرت ابوذرؓ نے بڑی کس مپرسی کے عالم میں انتقال فرمایا۔ انتقال سے پہلے انہوں نے اپنی صاحبزادی سے کہا۔ صاحبزادی ایک قافلہ تھوڑی دیر بعد آئے گا۔ اس کے لئے بکری ذبح کر۔ وہی قافلہ مجھے کفنائے اور دفنائے گا۔ قدرۃ اللہ کے اس سچے بندے اور اس کی لاچار بیٹی کے پاس کیا تھا۔ کفن تک تو نہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد قافلہ آیا۔ اس لئے کہ ابوذر کے خدا نے اپنے اس پاکیزہ بندہ کو خود اطلاع دی تھی۔ ہم ابھی تھوڑی دیر بعد تیرے تجہیز و تکفین کے لئے ایک قافلہ بھیجیں گے! بیٹی سچے باپ کی بیٹی تھی۔ اس نے بکری ذبح کر لی۔ یہی کل پونجی تھی اس کی۔ ابوذرؓ کو مرے ابھی چند گھڑیاں ہوتی تھیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود مشہور فقیہ صحابی ایک قافلہ کے ساتھ اسرباده پہنچ گئے۔ وہ ابوذر کی وفات کی خبر سن کر بہت روئے۔ وہ اُن کے ایمان سے واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ ابوذر اسلام کو ٹھیک سمجھتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ ابوذرؓ نے غریب ہونے کے باوجود اسلام کے لئے وہ قربانیاں دیں جو معاویہ اور اس کا خاندان کبھی نہ دے سکا۔ عبداللہ بن مسعود اپنے اس ساتھی کی موت پر بے حد روئے۔ ان کو اسی جگہ دفن کر دیا۔ اور اس صدمہ سے خود بھی چند دن بعد جان دے دی! کہ اسلام اب

سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنستا جا رہا ہے۔
سچ مچ اسلام۔ اب سرمایہ داروں کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اسلام کی وہ سادگی جاتی رہی۔ جو فاروق رضؓ کے دور تک اس کا طرۂ امتیاز تھی۔ اور حضرت عثمان اپنی نرم دلی کے باعث اس فتنہ کو روک نہ سکے۔ جس نے چند سال بعد اسلام کو تباہ کر ڈالا۔

تیسواں باب

ایران میں پھر بغاوت

۲۷ھ میں مروان بن حکم نے ایران اور خراسان کی حکومتیں یکے بعد دیگرے کئی لوگوں کے ہاتھوں میں دیں۔ ہم نے حضرت عثمان رض کی جگہ مروان بن حکم کا نام لیا ہے۔ یہ شخص حضرت عثمان رض پر بہت غالب تھا۔ حکومت کے سارے کاروبار اس کے منشا کے مطابق طے ہوتے۔ ان جلد جلد تبدیلیوں کا اثر ایران اور خراسان پر بہت برا پڑا۔ اور کئی جگہ بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

باغی ایک طرف اصطخر اور دوسری طرف جور میں اکٹھے ہونے لگے۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔

اس زمانہ میں عبید اللہ بن معمر فارس کے گورنر تھے۔ وہ بغاوت کی خبر سن کر اصطخر پر حملہ آور ہوئے۔ باغیوں نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ عبید اللہ بن معمر مارے گئے۔ اور ان کی فوج پسپا ہو گئی۔ اصطخر کے میدان میں مسلمانوں

نے پہلی بار شکست کھائی۔ اور باغیوں کے حوصلے اتنے بڑھے۔ کہ دور تک ان کے پیچھے پیچھے آئے۔

عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ نے اس شکست کی خبر سنی تو وہ بدلے کے دوش پہاڑ نے اصطخر پہنچے۔ اور ایرانیوں کو ہولناک شکست دی۔ ایران کی بغاوت کا یہ مرکز ٹوٹ گیا۔ تو عبداللہ بن عامر نے ہرم بن حیان کو جور بھیجا۔ ہرم بن حیان بڑے متقی اور بڑے پرہیزگار مسلمان تھے۔ ان میں ابوذر غفاری اور عبداللہ بن صامت جیسا ایمان تھا۔ وہ بلال حبشی رضؓ کے اصول پہ چلے۔ وہ اسلام اس لئے لائے تھے۔ کہ خدا کا بول بولا ہو۔

طبری کا بیان ہے۔ کہ جن دنوں ہرم بن حیان جور کا محاصرہ کئے تھے۔ ان دنوں وہ دن بھر روزہ رکھتے۔ اس حالت میں اللہ کے یہ مجاہد بندے دن بھر محاصرہ کے انتظامات کرتے۔ لڑائی کی نگرانی فرماتے۔ افطار کرتے ہی وہ عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ اور بڑی بڑی دیر تک عبادت کرتے رہتے۔ نوکر ان کا کھانا ان کے قریب ہی مصلےٰ پہ رکھ کر کمپ میں جا سوتا۔

ہرم بن حیان نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھانے کی طرف متوجہ ہوتے۔ تو برتن صاف ہوتے اور کھانا غائب ہوتا۔ اس طرح ایک ہفتہ تک ہوا اور حرم بن حیان نے بغیر کچھ کھائے سات دن تک متواتر روزے رکھے۔ حضرت ہرم بن حیان سپہ سالار تھے۔ خادم کو انہوں نے متواتر سات دن تک اس کی اس غفلت پہ معاف کیا۔ ساتویں دن انہوں نے بازپرس کی تو خادم کہنے لگا۔ میں روزانہ آپ کے قریب کھانا رکھ جاتا ہوں۔ تعجب ہے آپ کو نہیں ملتا۔

حقیقت حال جاننے کے لئے وہ اس شام جبکہ ہرم نماز پڑھنے لگے۔ ان کے قریب چھپ کر بیٹھ گیا۔ ایک کتا حسب معمول آیا۔ اور کھانا کھا کر چلتا بنا۔ خادم اس کے پیچھے بھاگا۔ کتا شہر کے اندر سے باہر کی طرف آنے والی بدررو میں جا گھسا۔ خادم نے یہ قصہ جناب ہرم بن حیان سے عرض کیا۔ ہرم کے ذہن میں اچانک یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس بدررو کے رستے شہر میں گھسا جائے۔ اس رات جب پہلا پہر گزر گیا تو وہ اپنے ساتھ کئی بہادر آدمیوں کو لے کر بدررو کے رستے شہر میں گھس گئے۔ اور پاسبانوں کو مار کر شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا۔ باقی سپاہ بھی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ شہر میں گھس آئی۔ اور جور پر قبضہ کر لیا۔ اور ایران میں بغاوت اور سرکشی کے اس دوسرے بڑے مرکز پر بھی قابو پا لیا گیا۔

اس سے تین سال بعد خراسان اور نیشا پور کے کئی شہروں میں پھر بغاوت نے سر اٹھایا۔ کوفہ کے گورنر ابن عامر خراسان کی طرف بڑھے۔ باغیوں کی سرکوبی کی۔ خراسان سے ابن عامر کی فوجیں نیشا پور پہنچیں۔ نیشا پور کے باغیوں نے مقابلہ کیا۔ مگر ہارے۔ یہاں سے وہ سرخس، ہرات، بلخ اور طبرستان کی طرف آئے۔ اور ہر جگہ فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ طبرستان سے وہ کرمان۔ سیستان اور فارس کے دوسرے صوبوں پر حملہ آور ہوئے۔ اور وہاں کے لوگوں کو فرمانبرداری کا سبق دے کر واپس آئے۔

انہوں نے اس دفعہ باغیوں کے بارے میں پہلے سے زیادہ سختی برتی۔ آئے دن کی بغاوتوں سے وہ تنگ آ گئے تھے۔ انہوں نے ہر جگہ اسلامی سپاہ متعین کی۔ اور ہر جگہ کی خبریں حکومت کے مرکز تک پہنچانے کا معقول انتظام کر دیا۔

یزدجرد ابھی زندہ تھا۔ ان بغاوتوں میں اس کا بہت حصہ تھا۔ ابن عامر جب برق کی طرحِ ایران، خراسان، نیشاپور، ہرات اور بلخ و طبرستان میں پھیل گئے۔ تو یزدجرد جان بچانے کی خاطر اِدھر اُدھر بھاگا بھاگا پھرا۔ ابن عامر جب طبرستان آئے تو یزدجرد بلخ اور مرو کی طرف بھاگا۔ اس کے ساتھ اب کوئی نہ تھا۔ اس کے سارے باغی ساتھی ابن عامر کے ہاتھوں موت کی نیند سو چکے تھے۔ ابن عامر کے آدمی یہاں بھی اس کے تعاقب میں آئے۔ وہ بھاگ کر ایک پن چکی کے احاطہ میں جا چھپا۔ ابن عامر کے آدمیوں سے تو بچ رہا۔ لیکن موت آ گئی تھی۔ پن چکی کے مالک کسان نے۔ اسے اس وقت جبکہ وہ پن چکی کے احاطہ میں پڑا سو رہا تھا۔ اس کی تلوار سے اسے ذبح کر ڈالا۔ اور اس کے قیمتی لباس اور جواہرات کی مالا پر قبضہ کر لیا۔

یزدجرد لاولد تھا اس کی موت سے نوشیرواں کی اولاد اس صفحہ ارض سے اُٹھ گئی۔ اور ایران کے تخت کا موروثی حق ختم ہو گیا۔

یزدجرد کی موت سے ساری بغاوتیں بھی دم توڑ گئیں۔ وہ زندہ تھا اور ایرانی اسے دیکھتے تو قومی غیرت جوش مارنے لگتی۔ وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے اور فتنہ کو ہوا دینے لگتے۔

اکتیسواں باب

چند بڑے کام

اب اسلام کی حکومت کا دامن بہت وسیع ہو گیا تھا ملکی فتوحات کا سلسلہ کسی قدر رک گیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چند اندرونی مسائل پر توجہ فرمائی۔

سب سے پہلے قرآن حکیم کی قرأت کا مسئلہ سامنے آیا۔ مختلف ملکوں میں قرآن کی مختلف قرأتیں رائج تھیں۔ قرآن کی تلاوت کی یہ مختلف قرأتیں اگر باقی رکھی جاتیں۔ تو قرآن کی ہمہ گیری میں کسی قدر فرق آ جاتا۔ اور نہ جانے بعد میں یہ اختلاف کتنی خوفناک صورت اختیار کر جاتا۔

ایک مقتدر صحابی۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے یہ مسئلہ اٹھایا وہ شام، عراق۔ فلسطین۔ مصر اور کوفہ اور بصرہ گئے تھے۔ اور وہاں کے مسلمانوں کو قرآن کی تلاوت کرتے سنا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے مخارج دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ اور کہیں کہیں تو الفاظ

کے سمجھنے میں دقت پیش آتی۔ حضرت حذیفہؓ کے نزدیک یہ اختلافات اچھا نہ تھا۔ وہ سفر سے واپس آئے تو حضرت عثمانؓ نے مختلف صوبوں کے گورنروں کو حکم بھیجا۔ اپنے اپنے ہاں کے نسخے مدینہ بھیج دیں۔ جب یہ نسخے مدینہ پہنچ گئے۔ تو حضرت عثمانؓ نے بڑے بڑے حفاظ کی ایک کونسل بٹھائی۔ اور حضرت حفصہؓ سے قرآن کا اصل نسخہ لے کر ان کے سپرد کیا کہ بیرونی نسخوں کی صحت کا توازن کریں۔ یہ بڑا اہم کام تھا۔ ایک لفظ۔ ایک ایک نقطے کی جانچ پڑتال ہوئی۔

حضرت حفصہؓ والا نسخہ صحیح ترین نسخہ تھا۔ یہ وہ نسخہ تھا جو وحی الہٰی کے مطابق خود رسول اللہؐ نے اپنے سامنے مرتب کرایا تھا۔ یہی وہ نسخہ تھا۔ جس کی ترتیب حضرت صدیقؓ نے اپنے دور میں کی تھی۔ اس کی کتابت مختلف چیزوں پہ ہوئی تھی۔ حضرت صدیقؓ نے یہ اختلاف دور کر کے ایک ہی قسم کی تختیوں پہ کتابت کرائی۔ پھر حضرت فاروقؓ نے اپنے دور میں یہ کام پھر کیا۔ اور حفصہ والے قرآن کی کئی نقلیں کر کے مختلف صوبوں میں بھجوائیں۔

اب پھر اسی نسخہ کی بہت سی کاپیاں کی گئیں۔ صوبوں والی کاپیاں ضائع کر دی گئیں۔ اور نئی کاپیاں ہر صوبے میں بھیج کر حکم دیا گیا۔ ہر کوئی اس نسخہ کے مطابق قرآن پڑھے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی تھا کہ ہر صوبہ اپنی اپنی ضرورت کے مطابق قرآن کی اور کاپیاں کرا کر اہم مقامات اور اہم اشخاص کے سپرد کرے۔ تاکہ عوام میں ایک ہی قسم کی تلاوت رواج پا جائے۔

یہ بڑی نیکی کا کام تھا۔ جو حضرت عثمانؓ نے تکمیل کو پہنچایا۔ اسی دن سے حضرت عثمانؓ کو جامع قرآن کا خطاب ملا۔ یہ خطاب۔ زیادہ تر حضرت صدیق اکبرؓ کے لئے موزوں تھا۔ کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے قرآن کی

ترتیب اور اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی تھی ۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ قرآن کی ترتیب حضرت عثمان رضؓ نے کی ۔ اور یہ غلط فہمی لفظ جامع سے پیدا ہوئی ۔ جامع سے مراد ۔ قرآن کو ترتیب دینے والے نہیں ۔ اس کے معنی جامع علی القراۃ ہیں ۔ یعنی قرآن کی قرأت پر امت کا اجتماع کرنے والے ۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی ہے ۔ امام بخاری کا بیان ہے ۔ کہ قرآن حکیم کی موجودہ ترتیب وہی ہے ۔ جو وحی الٰہی کے مطابق رسول اللہؐ کے وقت تھی ۔ حضرت حفصہ کے پاس جو نسخہ تھا ۔ وہ اصل نسخہ کے حرف بحرف مطابق تھا ۔ نہ صدیق رضؓ نے اس میں سر مو کوئی فرق کیا نہ فاروق نے اور نہ عثمان رضؓ نے ۔

کعبہ اور مسجد نبوی کی توسیع

(کعبہ اور مسجد نبوی کی توسیع سب سے پہلے حضرت فاروق رضؓ نے اپنے دور میں کی جب انہوں نے کعبہ کی توسیع کا کام شروع کیا تھا ۔ تو کعبہ کے آس پاس کے کئی مکان خرید لئے تھے ۔ مکہ کے کسی آدمی میں اتنا حوصلہ نہ ہوا ۔ کہ فاروق رضؓ کی کسی بات کی مخالفت کر سکتے ۔

حضرت عثمان رضؓ کے دور میں جب اسلامی فتوحات اور زیادہ پھیلیں اور باہر سے حج کے موقعہ پر آنے والے مسلمانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ۔ تو حضرت عثمان رضؓ نے سب سے پہلے کعبہ کی چار دیواری کی توسیع پہ توجہ دی ۔ وہ خود مکہ آئے ۔ کعبہ کے آس پاس جن لوگوں کے

مکانات تھے۔ ان کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان سے درخواست کی کہ اپنے اپنے مکان ان کے حوالے کر دیں۔ اور مناسب قیمت لے لیں۔ مگر کوئی بھی اپنا مکان انہیں دینے پر آمادہ نہ ہوا۔

مورخین نے اس موقعہ پر خیال آرائی کی ہے۔ کہ لوگوں پر عثمانؓ کا اثر باقی نہ رہا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مکہ کے لوگوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے۔ جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ اور ان کا ایمان اتنا قوی نہ تھا۔ جو قوت کے مظاہرہ کے بغیر کام کر سکتا۔ اگر ان میں قوی ایمان ہوتا تو وہ ذاتی مفاد پر ملی مفاد کو ترجیح دیتے۔ اور خانہ کعبہ جیسی مقدس جگہ کی توسیع میں روکاوٹیں نہ ڈالتے۔

حضرت عثمانؓ نے اُنہیں راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی جب وہ سیدھے نہ ہوتے تو اُنہیں جیلوں میں بند کر دیا۔ اور شکوہ کیا فاروقؓ نے جب تم سے مکان مانگے تو تم رضا کارانہ آئے تھے۔ اور تم میں سے ہر ایک نے اپنا مکان کسی قسم کے معاوضہ کے بغیر دینے کی درخواست خود کی تھی۔ لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور جیلوں میں چلے گئے۔

شکوہ صحیح تھا یا غیر صحیح۔ لیکن حضرت عثمانؓ ایسا شکوہ کرتے وقت بھول گئے کہ وہ فاروقؓ نہ تھے۔ اور نہ انہیں فاروقؓ جیسی عظمت حاصل تھی۔ نہ ان میں وہ تدبر اور وہ انکسار تھا جس سے فاروقؓ کا دامن بھرا تھا لوگ فاروقؓ کی زندگی کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے اس دور میں وہ چاہتے تھے۔ یہ مدت مختصر ہو جائے۔

بہرحال کعبہ کی تعمیر ہوئی اور کعبہ کی چاردیواری پہلے کی نسبت زیادہ

وسیع ہو گئی ۔

مسجد نبوی

(کعبہ کے بعد مسجد نبوی کی توسیع ہوئی ۔ ابھی تک خانہ کعبہ کے بعد دنیا کا یہ سب سے مقدس معبد کھجوروں کے پتوں اور شاخوں کو اپنے دامن میں ڈالے تھا ۔

حضرت عثمان رضؓ نے آس پاس کے کئی مکان خرید کر مسجد کے احاطے میں ملادیئے ۔ کھجور کے وہ تنے جو پہلے ستونوں کا کام دیتے تھے ۔ اب بدل دیئے گئے ۔ اور ان کی جگہ بڑے بڑے پتھروں نے ستونوں نے لی لی حضرت عثمان رضؓ نے باہر سے بڑے اہتمام کے ساتھ خوبصورت پتھر منگوائے ۔ اور ساری مسجد ان خوبصورت پتھروں سے از سر نو تیار ہوئی ۔ مسجد کی دیواروں پر سنہری روپہلی نقش و نگار کندہ ہوئے ۔

اور بالکل اس طرح جس طرح اس وقت کے مسلمان متمول اور دولت کے باعث نمائشی ہو گئے تھے ۔ یہ پاک مسجد بھی دنیاوی آرائش سے مزین ہو گئی ۔ اور وہ سادگی جاتی رہی جسے رسول اللہ صلعم صدیق رضؓ اور فاروق رضؓ نے مسلمان کی زندگی کا لازمی جزو قرار دے دیا تھا ۔

بہرحال اللہ نے مسلمانوں کو دولت دی تھی ۔ اور حضرت عثمان رضؓ نے اس دولت کو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانے پر صرف کیا ۔ یہ مسجد کافی دنوں میں تیار ہوئی ۔ اب یہ پہلی سی نہ رہی تھی ۔ پہلے سے بہت زیادہ شاندار ہو گئی تھی ۔ مگر نہ جانے کیا

بات تھی۔ بعض بڑے صحابہ پہلے در و دیواروں اور چھتوں کو یاد کر کے روتے۔ انہیں وہ ابتدائی دن یاد آتے۔ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق کی معیت میں اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ اور حضورؐ کی اونٹنی اس جگہ آن ٹھہری۔ انہیں یاد آتا کہ کس طرح چند دن بعد ان کے آقا اور مولا اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کرنے لگے۔ حضورؐ کے دونوں ہاتھ گارے سے بھرے تھے۔ کپڑوں پر گارے کے دھبے ایسے نظر آتے تھے۔ جیسے نیلے آسمان پر ستارے۔ اللہ کے اس محبوب نبیؐ نے مسجد کی دیواریں ہولے ہولے اوپر اٹھائیں۔ یہ پاک معمار تھے اس پاک مسجد کے۔ یہ مسجد جب تعمیر ہوئی۔ تو پاک معمار امام بنے اور صحابی مقتدی۔ کبھی بارش ہوتی تو چھت ٹپکنے لگتی۔ عصر کے نماز کے وقت اکثر ایسا ہوتا کہ صحابہ کو اندر جگہ نہ ملتی۔ تو وہ باہر صحن میں نماز پڑھتے وہ سجدہ میں جاتے وقت اپنے ہاتھ سے فرش پر سے کنکریاں دور کرتے یہ عجیب یاد تھی۔ آقا کی اور پرانی مسجد کی۔ صحابہ خوب روئے۔

تیئسواں باب

انتشار

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں شام کے سوا قریب قریب ہر صوبہ کے عوام میں حضرت عثمانؓ کے خلاف اندر اندر ہی ایک انتشار پیدا ہوتا جارہا تھا۔ خود اکابر صحابہ میں کئی ایسے لوگ تھے۔ جو حضرت عثمان کے سکرٹری مروان بن حکم کے سخت خلاف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مروان۔ کاروبار سلطنت میں کسی قسم کی مداخلت کرے۔ اکابر صحابہ کا خیال تھا۔ حکومت کے سارے بڑے مسائل حضرت صدیق اور فاروقؓ کے دور کی طرح مجلس شوریٰ میں پیش ہوں۔ اور عہدیداروں کا تنزل اور تقرر بھی اس مجلس کے مشورہ سے عمل میں آئے۔ مگر مروان بن حکم حضرت عثمانؓ کا بہت زیادہ قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان پر بہت غالب تھا۔ حضرت عثمانؓ کی طبیعت میں جو نرمی تھی۔ اس سے یہ شخص ناجائز فائدہ اٹھاتا گیا۔ اس نے ہولے ہولے تمام بڑے

صوبوں پر بنو امیہ کے خاندان کے افراد مسلط کرادیئے۔ خاص طور پر ابن ابی سرح کا تقرر تو صحابہ کو بہت کھلا۔ اس نے حضرت عمرو بن عاص کی جگہ لی تھی جن کے ہم پلہ یہ قیامت تک نہ ہو سکتا تھا۔ اس میں بڑی بے اعتدالیاں تھیں۔ ایسی بے اعتدالیاں جو کسی مسلمان گورنر کے شایان شان نہ تھیں۔ ان ہی بے اعتدالیوں کے باعث اس میں اور محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور مصر میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی۔ جو ابن ابی سرح کی وجہ سے حضرت عثمان ؓ پر اعتراض کرنے لگی۔

مصر میں ابن ابی سرح اور کوفہ میں سعید بن عاص نے حضرت عثمان کے خلاف رائے عامہ کو بھڑکایا۔ سعید بن عاص بھی حضرت عثمان ؓ کے بہت قریبی عزیز تھے جب سے وہ کوفہ کے حاکم بنے تھے۔ انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا تھا۔ کہ قبیلوی مسائل پر آزادانہ گفتگو کرتے۔ قریش کو فضیلت دیتے اور دوسرے قبائل کو ادنیٰ قرار دیتے۔ کوفہ کے لوگوں میں پہلے ہی قبیلوی تعصب بہت کافی تھی۔ سعید بن عاص کی توجہ سے یہ قبیلوی تعصب بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ آپس میں لڑائی تک ہی نوبت پہنچ گئی۔ مالک اشتر اور ان کے ساتھی ایک طرف تھے۔ اور سعید دوسری طرف تھا۔ ان کے حامیوں کی تعداد قریب قریب یکساں تھی۔ مالک اشتر کے حامی سعید کو برا بھلا کہتے اور سعید کے حامی مالک اشتر پر آوازے کستے۔ تھوڑی دیر کے بعد سعید کے خلاف اعلانیہ اعتراضات بھی شروع ہو گئے۔ اور کوفہ کے متقدر لوگ سعید کا نام لے لے کر اس کی برائیاں بیان کرتے اور لوگوں کو اس کے خلاف ابھارنے لگے۔ ان کی تعداد گو کم تھی۔ مگر ان کی لگائی ہوئی آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ سعید اس پر قابو نہ پا سکا۔ تو اس نے حضرت عثمان ؓ کو لکھا حضرت عثمان ؓ

نے مروان بن حکم کے مشورے سے اس فتنہ کو اس طرح دبانا چاہا۔ جو خود مروان اور اس کے حاکم رشتہ داروں کی بے احتیاطیوں سے ہولے ہولے زور پکڑ رہا تھا۔

ہوا دی

یہ خبر مدینہ پہنچی تو صحابہ کی جماعت پریشان ہو گئی۔ اور یہ پریشانی حج کے موقعہ پر اور زیادہ بڑھ گئی۔ جبکہ حضرت عثمان نے حج کی رسوم میں کچھ تبدیلیاں کیں۔

رسول اللہؐ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے دور میں حج کے دنوں میں کبھی منیٰ کے میدان میں خیمے نصب نہ کئے گئے تھے۔ حاجی دھوپ میں قربانیاں کرتے۔ دھوپ کی شدت سے حاجیوں کو بچانے کے لئے حضرت عثمانؓ نے خیمے نصب کرا دئے۔ یہ ایک تبدیلی تھی جو ظاہر میں بہت حقیر ہے۔ لیکن بباطن صحابہؓ نے اسے بہت محسوس کیا انہوں نے سوچا، جو بات حضورؐ نے نہیں کی۔ وہ خواہ اچھی اور مفید ہو کیوں کی جائے۔

حضرت عثمانؓ نے منیٰ اور عرفات میں جو نمازیں پڑھائیں۔ ان میں مسنون سورتوں کے بجائے اور سورتیں پڑھیں۔ یہ بات بھی صحابہ کے نزدیک قابلِ اعتراض ہوئی۔ اور انہوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ صحابہؓ رسول اللہ کی سنت سے کسی طرح ہٹنے کے لئے آمادہ نہ کئے جا سکتے تھے۔ انہیں حضورؐ کی سنت کی حفاظت بہت عزیز تھی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ صحابہؓ کا جذبہ اگر بعد میں آنے والے زمانوں میں بھی زندہ رکھا جاتا۔ تو مسلمان کبھی ادبار کی نذر نہ ہوتے۔ اس زمانہ میں ایک اور افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ رسول اللہؐ کی انگوٹھی۔ خلافت کی علامت کے طور پر حضرت عثمانؓ کے حصہ میں آئی تھی حضرت عثمانؓ سے پہلے حضرت فاروقؓ ان سے پہلے حضرت صدیقؓ اور ان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس انگوٹھی سے سرکاری خطوط پر مہر لگاتے۔ حضرت عثمانؓ کو یہ انگوٹھی بہت پیاری تھی۔ اسے وہ ہمیشہ اپنی انگوٹھی میں پہنے رہتے۔ ایک دن جبکہ وہ مدینہ کے قریب ایک کنواں کھدوا رہے تھے۔ اور کنوئیں پر کھڑے مزدوروں کو انگلی سے اشارے کر رہے تھے۔ انگوٹھی انگلی سے نکل کر کنوئیں میں گر گئی۔ حضرت عثمانؓ بہت پریشان ہوئے۔ کنوئیں کی ساری مٹی باہر نکالی گئی۔ اسے چھانا گیا۔ انعامات مقرر ہوئے۔ مگر انگوٹھی نہ جانے کس کونے میں جا چھپی تھی۔ کہ اتنی تلاش کے باوجود نہ ملی۔ حضرت عثمانؓ کو بڑا صدمہ پہنچا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا۔ جیسے ان کے جوان بیٹے نے عین جوانی کے عالم میں انہیں داغِ مفارقت دے دیا۔ مگر وہ بے بس تھے۔ کچھ کر نہ سکتے تھے۔

اس چیز سے لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مخالفین نے اسے حضرت عثمانؓ کی بے پرواہی پر محمول کیا۔

ابن سبا کا فتنہ

حضرت عثمانؓ کے خلاف عوام کے جذبات بھڑکانے میں جس شخص

نے سب سے زیادہ کام کیا ہے۔ وہ عبداللہ بن سبا ہے۔ یہ شخص پہلے یہودی تھا۔ پھر مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے اسلام لایا۔ مدینہ میں آن کر ٹھہرا خلافت کی کمزوریاں جانیں اور اندر ہی اندر ایک اسکیم بنا کر بصرہ پہنچا۔ بصرہ میں اسے کوئی جانتا نہ تھا۔ ان ہی دنوں حکم بن جبلہ کو اس کی خیانتوں کی بنا پر بصرہ میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ ہر جگہ اسی کا چرچا تھا۔ ابن سبا نے یہ چرچا سنا تو حکم کے پاس پہنچا۔ اس سے یارانہ گانٹھا اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے ایک انوکھے فتنہ کا آغاز ہوا۔

بصرہ کی آبادی میں ایسے جاہل بہت تھے جنہیں اس نے اپنا ہم خیال بنا لیا۔ وہ بظاہر لوگوں کو حضرت علیؓ کی حمایت پر اکساتا۔ مگر ان میں بدخیالی پیدا کرنے کے لئے ان سے کہتا۔ لوگو علیؓ رسول اللہؐ کے وصی ہیں۔ اور جیسے رسول اللہ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس طرح علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ مسلمانوں نے علیؓ کی جگہ صدیقؓ فاروقؓ اور عثمانؓ کو دے کر ان کا حق غصب کیا ہے۔ اور عثمانؓ تو غاصب ہیں۔ انہیں قتل کر دو یا خلافت چھین لو۔

ابن سبا بڑا زبان آور خطیب تھا۔ اس نے تھوڑے دنوں کے اندر جاہلوں کی ایک اچھی خاصی جماعت اپنے چاروں طرف جمع کر لی۔ اور یہ لوگ علانیہ جلسے اور مباحثے کرنے لگے۔ یہ بڑا فتنہ تھا جس نے بصرہ کے اندر سر اٹھایا تھا۔ بصرہ کے حاکم ابن عامر اگر سمجھدار ہوتے تو اس بد باطن رہنما اور اس کی جماعت کو قید کر دیتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ صرف اسے تنبیہ کر دی۔ حالانکہ خود انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ ابن سبا بد باطن اور بدخیال ہے۔

ابنِ سبا بصرہ میں اپنے ہم خیال پیدا کر چکا تھا۔ بصرہ میں اس کا کام ختم ہوگیا تو وہ کوفہ پہنچا۔ کوفہ کی فضا پہلے ہی مکدر تھی۔ وہاں قبیلوی تعصب بہت بڑھتا جا رہا تھا ابنِ سبا نے اس قبیلوی تعصب کو اور ہوا دی۔ آدمی بہت چالاک تھا۔ کوفہ پہنچ کر اس نے زہد کا جامہ پہنا۔ لمبی لمبی نمازیں پڑھنے اور وظائف کرنے لگا۔ کوفہ کے جاہل اور قبیلوی تعصب کے شکار لوگ اس سے بہت متاثر ہوئے جب یہ اثر بڑھا اور لوگوں کے گروہ کے گروہ اس کے پاس آنے جانے لگے تو اس نے اپنے ان بُرے عقیدوں کی اشاعت یہاں بھی شروع کر دی جن کا اظہار وہ بصرہ میں کیا کرتا۔

کچھ لوگ کوفہ میں پہلے ہی سے ایسے تھے جو حضرت عثمانؓ اور ان عامل کوفہ سے خوش نہ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو حضرت علیؓ کے حامی تھے ابنِ سبا کی تحریک ہولے ہولے ان دونوں گروہوں کی حمائت حاصل کر گئی اور وہ اندر ہی اندر ہزار پندرہ سو آدمیوں کا رہنما بن گیا۔ تحریک زور پکڑ گئی تو کوفہ کے گورنر سعید بن عاصی کو اعلانیہ برا بھلا کہا جانے لگا۔ سعید صاحب خود فسادی طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے بھی اپنے کچھ حامی ایسے بنا رکھے تھے۔ جو ان کو بُرا بھلا کہنے والوں کو برا بھلا کہتے۔ ان میں اور ابنِ سبا کے آدمیوں میں روزانہ بحث و تکرار ہوتی کوفہ کے عام لوگوں پر اس روزانہ بحث و مباحثہ کا بہت برا اثر پڑا۔ ممتاز شہری ڈرے کہ کہیں یہ فتنہ قیامت نہ بن جائے۔ انہوں نے ابنِ سبا کو بلا کر سخت ڈانٹا اور وہ کوفہ سے بھاگ کر مصر پہنچا۔

اب وہ زیادہ محتاط ہوگیا تھا۔ اس نے پہلے کی نسبت زیادہ رازداری سے کام لینا سیکھ لیا تھا۔

مصر میں کوفہ اور اور بصرہ سے بھی زیادہ گنجائش تھی۔ یہاں کے گورنر ابن ابی سرح سے عوام کو بہت کافی شکایات پہنچی تھیں۔ ابن سبا نے ان شکایات کو اور زیادہ سنگین صورت دے دی۔ عوام سے کہا اس میں ابن ابی سرح کا قصور نہیں خلیفہ مجرم ہیں۔ ان کو معزول کر دو۔

ابن ابی سرح غافل تھا۔ اسے اس فتنہ کا پتہ بھی نہ چلا اور یہ فتنہ بڑھتے بڑھتے قیامت ہو گیا۔ اور بغاوت کی اس آگ کے شعلے مصر کوفہ اور بصرہ سے نکل کر مدینہ تک جا پہنچے۔ ابن سبا نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ اس تحریک کی قیادت کی۔ کوفہ سے مصر، مصر سے کوفہ، بصرہ سے مدینہ اور مدینہ سے بصرہ تک کے لوگوں نے ایک دوسرے کے نام وہاں کے عاملوں کے خلاف خط و کتابت کا جال کچھ اس طرح پھیلایا کہ ہر جگہ کے لوگوں کو کچھ ایسا محسوس ہونے لگا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں کہیں بھی امن نہیں ہے۔ مدینہ میں چونکہ ہر جگہ سے خطوط پہنچ رہے تھے اس لیے مدینہ کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ سارے صوبوں میں یکساں ظلم ہو رہا ہے، ہوتے ہوتے اس انتشار کی خبر حضرت عثمانؓ کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ بڑے صحابہ نے انہیں اس فتنہ کو دبانے پر متوجہ کیا۔ تو انہوں نے عمار بن یاسر اور محمد بن مسلمہ کو حکم دیا مصر اور کوفہ جائیں۔ حضرت عمار بن یاسر جب مصر پہنچے اور وہاں کے لوگوں سے تحقیق احوال کی۔ تو انہیں ابن ابی سرح کے خلاف شاکی پایا۔ عمار بن یاسر بہت نیک اور بہت رحم دل آدمی تھے۔ ان پر ان شکایات کا بہت اثر پڑا۔

ادھر محمد بن مسلمہ جب کوفہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو بھی بہت بد دل پایا۔ یہاں کے لوگ حضرت خلیفہ اور ان کے عاملوں کے خلاف جلسے کرتے اور

جلوس نکالتے محمد بن مسلمہ نے یہ کیفیت حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجی۔ مگر ان کے دیکھتے دیکھتے یہ آگ اس قدر مشتعل ہو گئی۔ کہ گورنر کوفہ کو بھی اس پر قابو پانا مشکل نظر آیا۔ اور وہ حضرت خلیفہ کی امداد لینے کے لیئے کوفہ سے مدینہ کی طرف چلا، اپنے پیچھے وہ جناب قعقاع کو چھوڑ گیا۔ قعقاع سپاہی تھے۔ وہ میدان جنگ میں فوج کی قیادت تو خوب کر لیتے۔ مگر امور ملکی اور نظم و نسق میں دسترس نہ رکھتے تھے۔ اس لیئے انتشار اور زیادہ بڑھا۔ اب لوگ حضرت خلیفہ اور ان کے عاملوں کو علانیہ برا بھلا کہنے لگے۔ مخالفین تلواریں کمروں سے باندھ کر کوفہ کی گلیوں میں نکلتے۔ اور زور سے نعرے لگاتے خلیفہ اور اس کے عاملوں کو معزول کر دو۔ یزید بن قیس ان سب میں زیادہ تیز تھے۔ انہوں نے ان لوگوں سے کہا۔ کوفہ کی گلیوں میں ان مظاہروں سے کیا فائدہ چلو مدینہ چلیں اور خلیفہ کو تخت سے اتار دیں۔ اور بد باطن کوفی ہتھیاروں سے سج سج کر ہزاروں کی تعداد میں اس کے ساتھ ہو لیئے۔ اور یہ قافلہ کوفہ سے نکل کر مدینہ جانے والی سڑک پر بڑھنے لگا۔ یہ موقع قعقاع کے جوہر دکھانے کا تھا۔ وہ بھی ہتھیار سجا کر ایک دستے کو لے کر ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ اور انہیں اتنا مارا کہ بہت سے لوگ تو بھاگ آئے اور یزید بن قیس قید ہوئے۔ یزید بڑا باتونی آدمی تھا۔ اس نے قعقاع کو باتوں میں الجھا لیا اور اسے یقین دلایا کہ وہ مدینہ اس لیئے نہیں جا رہا کہ خلیفہ کو معزول کرے اس کے سفر کا مقصود تو سعید کی شکایت ہے۔ سعید سے خود قعقاع بھی زیادہ خوش نہ تھے انہوں نے یزید کو چھوڑ دیا۔ یزید آزاد ہوا تو مکار کوفی پھر اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اور ہوتے ہوتے اس کے ساتھیوں کی تعداد پھر کافی ہو گئی۔ ادھر مالک اشتر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوفہ آن پہنچا۔ اب بلوائیوں کی تعداد پہلے سے بہت بڑھ گئی۔ قعقاع کے اپنے

ساتھیوں میں سے بہت سے آدمی اس گروہ میں جا ملے۔ اور یہ کارواں قادسیہ آن پہنچا۔ یہ کارواں ابھی یہیں ڈیرے ڈالے تھا کہ سعید مدینہ کے سفر سے لوٹ کر آئے۔ انہوں نے یہاں پر طوفان برپا دیکھا۔ تو پوچھا یار و یہ ہنگامہ کیوں ہے؟

مالک اشتر آگے آئے۔ بولے

"خیر چاہتے ہو تو جس راہ آئے ہو اس راہ پھر جاؤ! ہم تمہیں کوفہ میں داخل ہونے نہ دیں گے"

سعید کے خادم نے، مالک اشتر کو ڈانٹا

یہ کیا حماقت ہے حاکم سے اس طرح گستاخانہ باتیں کرتے تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم کون ہوتے ہو حاکم کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکنے والے۔

اشتر نے اس کی اس بات کا جواب ہاتھ سے دیا۔ اسے اس کا پاؤں پکڑ کر اسے اونٹنی سے نیچے گرا لیا اور ذبح کر ڈالا!

سعید کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ اس کے تو حواس اڑ گئے۔ یہ غنیمت ہوا کہ مالک اشتر کی تلوار اس کی طرف نہیں بڑھی۔ اس نے صرف زبان سے سمجھانے پر اکتفا کی۔ اور تحکمانہ انداز میں کہا۔

اسی طرح واپس ہو جاؤ اور خلیفہ سے کہو ابوموسیٰ اشعری کو یہاں بھیج دیں سعید ناکام واپس ہوا اور حضرت عثمان رضؓ سے یہ بات جا کہی۔ یہ وقت بڑا نازک تھا۔ بغاوت کی ابھی ابتدا تھی۔ یہاں ضرورت تھی صدیق رضؓ کے عزم اور فاروق رضؓ کے استقلال کی۔ ضرورت تھی کہ خلیفہ وقت ایک بڑی فوج لے کر ان لوگوں کی سرکوبی کو بڑھتے اور اس فتنہ کو وہیں دبا دیتے جہاں سے اس نے سر اٹھایا تھا۔ مگر حضرت عثمان رضؓ ضرورت سے زیادہ رحم دل خلیفہ تھے

انہوں نے سعید کی بات سنی تو ابوموسیٰ اشعری کو بلایا۔ اور ان کو کوفہ کا والی بنا کر کوفہ بھیج دیا حضرت عثمانؓ نے کوفہ کے لوگوں کے نام ایک خط بھی لکھا۔ جس میں ان کی خواہشوں کے احترام اور ان سے حتی الوسع نرمی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ گو ابوموسیٰ اشعری نے کوفہ پہنچ کر ظاہری حالات پر قابو پا لیا۔ مگر اندر کی آگ ابھی تک برابر سلگ رہی تھی۔ ابن سبا مصر میں بیٹھ کر اس آگ کو پوری قوت کے ساتھ ہوا دے رہا تھا۔ اور یہ آگ نہ صرف کوفہ، بصرہ، مصر، فلسطین اور حمص تک محدود تھی بلکہ دور دور تک پھیل گئی تھی ابن سبا کے آدمی ہر چار طرف پہنچ رہے تھے مدینہ کے لوگوں کو بھی برابر خط آتے رہے۔ ان خطوں میں خلیفہ کے عاملوں کی بے انداز شکایتیں روانہ کی جاتیں۔

مدینہ میں ایک اچھی خاصی جماعت، ان شکایات پر کان دھرنے لگی۔ اور حضرت خلیفہ جب بھی سامنے آتے۔ ان سے اعلانیہ، عاملوں کو معزول کرنے کے لیئے کہا جاتا۔ خود حضرت علیؓ اور دوسرے متقدر صحابہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ ان کو سمجھایا۔ اپنے عمال کو معزول کر دو۔ ملت کا اطمینان اور سکون رخصت ہوتا جا رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو حالات مہلک صورت اختیار کر لیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس وقت تو سر جھکا دیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد مروان نے سارا اثر عدم کر دیا۔ اور عمال کو تبدیل کرنے کا مسئلہ، نظر انداز کر دیا گیا۔ البتہ حضرت عثمانؓ نے نماز کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا حضرت عثمانؓ نے اپنے خطبہ میں ان شکایات کا ذکر کیا۔ اور لوگوں کو سمجھایا کہ وہ غلط لوگوں کی باتیں سن رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی جو ان کے نام پر دھبہ لگانا چاہتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا

تم مجھے ان باتوں کا الزام دیتے ہو جنہیں تم حضرت فاروقؓ کے دور

میں ہنس ہنس کر برداشت کرتے رہے۔ وہ تم پر سختی کرتے وہ تمہیں اپنے دُرّہ سے پیٹتے مگر تم مار بھی کھاتے اور خوش بھی رہتے۔

میں تمہارے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں۔ تمہاری پردہ پوشی کرتا۔ اور تمہارے ساتھ مروت سے پیش آتا ہوں۔ اور اب تم میرے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ تم میری شکائتیں کرتے ہو۔ حالانکہ میرے دور میں اسلام نے بڑی ترقی کی، تم لوگ خوشحال ہو گئے؟ اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو سارے قلمرو میں بغاوت کی آگ پھیل نکلے گی اور طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا!

حضرت عثمانؓ وعظ فرما چکے تو مروان نے لقمہ دیا! اور بولے۔

اگر تم نے خلیفہ کی مخالفت کی تو تمہیں تلوار سے سیدھا کر دیں گے

مروان بہت بدنہاد اور مردودِ عوام شخص تھا۔ اور صحابہ اور عوام اس کے ہاتھوں بہت نالاں تھے۔ اس نے یہ بات کہی تو عوام میں اضطراب کی ایک اور لہر دوڑ گئی۔ گو حضرت عثمانؓ نے اسے ڈانٹ دیا! لیکن مروان کا بولنا، نمک پاشی کا کام کر گیا۔ اس کے بعد بھی کئی جلسے ایسے ہی ہوتے۔ اور لوگ مدینہ کی گلیوں میں حضرت عثمانؓ کے خلاف باتیں کرتے پائے گئے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا۔ کہ جب حضرت عثمانؓ مدینہ کے بازاروں میں سے گذرتے۔ تو لوگ چلاتے۔ ابن ابی سرح، ابن عامر ساویہ اور مروان کو الگ کر دیجیئے۔ حضرت عثمانؓ یہ آوازیں سنتے۔ مگر چونکہ فطرتاً نرم مزاج تھے مسکرا کر گذر جاتے۔ نہ چیخنے والوں سے بازپرس کرتے۔ اور نہ ان کی شکائتیں ہی دُور فرماتے!

اندر ہی اندر ایک آگ سلگ رہی تھی۔ بظاہر کچھ نظر نہ آتا تھا۔ نہ کہیں بغاوت تھی اور نہ لوگ خلافِ قانون حرکات کے مرتکب ہوتے۔ مگر

ایک بے چینی ساری قلمرو میں دوڑ چکی تھی۔ اور ہر جگہ کے ممتاز اور سمجھدار لوگ محسوس کرنے لگے تھے۔ کہ کوہ آتش فشاں پھوٹ پڑنے کو ہے۔

عام اضطراب کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمانؓ نے چار صحابہ پر مشتمل ایک شاہی کمشن مقرر فرمایا اور اسے ہر جگہ بھیجا تاکہ اضطراب کا پتہ چلا سکے۔

اضطراب تو اندر تھا۔ بے چینی تو دلوں میں تھی اور حضرت خلیفہ کے دشمن اندر ہی اندر آگ پھیلا رہے تھے۔ اس لیئے وفد واپس آگیا۔ اور حضرت عمارؓ کے سوا کسی نے بھی اضطراب کی گہرائی کی خبر نہ دی۔ اس لیئے کہ انہوں نے کبھی بھی عوام کو خلافِ قانون حرکات کرتے نہیں دیکھا۔ نہ بغاوت کے آثار ہی پائے۔ البتہ حضرت عمارؓ نے، مصر میں سلگنے والی آگ کی طرف اشارہ کیا مگر تفصیل وہ بھی نہ پیش کر سکے۔

حضرت عثمانؓ نے آخر تنگ آکر۔ گورنروں اور عوام کے نام ایک فرمان بھیجا کہ گورنروں کے خلاف جسے کچھ شکایت ہو حج کے موقعہ پہ مدینہ آن کر عرض کرے۔ دشمنوں نے جب یہ منادی سنی تو خوش ہوئے کہ ان کی لگائی ہوئی آگ اہمیت حاصل کر گئی ہے۔ اس کا عوام پہ اثر بھی ہوا۔ اور وہ حضرت خلیفہ سے خوش بھی ہوتے۔ مگر وہ جو اضطراب پھیلانے والے تھے۔ اضطراب پھیلاتے رہے۔

حج کے موقعہ پر ساری اسلامی مملکت کے گورنر مدینہ آئے۔ لیکن ان کے خلاف کسی نے کوئی شکایت پیش نہ کی۔ اس کے باوجود مدینہ کے سب اہل الرائے اصحاب یہ سمجھتے تھے کہ عوام جان بوجھ کر مدینہ نہیں آتے۔ اور اضطراب کی آگ پہلے کی طرح سلگ رہی ہے۔ اس لیئے حضرت عثمانؓ اور گورنروں نے باہمی مشاورت کی۔ کئی تجویزیں پیش کی گئیں!

مگر کسی پر عمل نہ ہو سکا۔

امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو شام چلے جانے کی رائے دی۔ مگر حضرت عثمانؓ کے ایمان اور محبت رسولؐ کا یہ عالم تھا۔ کہ انہوں نے امیر معاویہ کی پیشکش ٹھکرا دی اور بولے۔

اپنی جان بچانے کے لیئے میں اس جگہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ جہاں رسول اللہؐ نے پناہ لی جہاں انہوں نے زندگی کے دن کاٹے اور جہاں وہ اب آرام فرما رہے ہیں۔

معاویہؓ نے کہا۔ اگر یہ بات نہیں مانتے۔ تو مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کی حفاظت کے لیئے شام سے ایک مضبوط فوج بھیجدوں

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا!

میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ رسول اللہؐ کی آرام گاہ کے ہمسایہ میں رہنے والے لوگوں پر فوج مسلط کر دوں۔

معاویہ دنیا دار آدمی تھے اور سمجھتے تھے کہ دنیاوی ضروریات کیا ہوتی ہیں اس لیئے تنگ آ کر بولے۔

پھر سمجھ لیجیے۔ کہ آپ کا وقت قریب ہے۔ اور آپ جلد مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔

اللہ میری مدد کرے گا! وہی بہتر محافظ ہے

"اچھا خدا حافظ" امیر معاویہ یہ کہکر مدینہ سے شام کی طرف بڑھے رستہ میں انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو ایک جگہ سے واپس آتے دیکھا۔ تو انہیں روک کر کھڑے ہو گئے۔ اور بولے۔

عثمانؓ کی حفاظت تمہارے ذمہ ہے۔ اس کی مدد کرو۔

حضرت علیؓ نے وعدہ فرمایا۔ اور حضرت زبیرؓ نے اس کی تائید کی۔ امیر معاویہ چلے گئے۔ تو حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا۔ عثمان کی ذمہ داری اب ہم پر پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

آخری دن!

عین اس وقت جب کہ اسلامی صوبوں کے گورنر مدینہ میں تھے۔ ان کے پیچھے بدمعاشوں اور مخالفوں نے سازش مکمل کرلی۔ اور خروج کا وقت متعین کر لیا۔ لیکن شائد اس لیئے کہ ان کے خروج کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ انہوں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور حج سے تین مہینے پہلے کوفہ، بصرہ اور مصر کے مخالفین عمرہ کا بہانہ کر کے۔ اپنے اپنے علاقہ سے مدینہ کی طرف بڑھے! ابن ابی سرح کو ان کے خروج کی اس وقت خبر ہوئی۔ جب وہ اس کے پایۂ تخت کو گھیر چکے تھے۔ اسے، بھاگ کر جان بچانی پڑی۔ اور یہ لوگ آگے بڑھے!

باغیوں کی آمد کی خبر پائی۔ تو حضرت عثمانؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور لوگوں کو خطرہ سے آگاہ کیا! اور لوگ خطرہ سے آگاہ ہو کر باغیوں کے مقابلہ کی تیاری کرنے لگے۔ مدینہ کے سپاہیوں کی زیادہ تعداد، کوفہ، بصرہ شام اور دوسرے مقامات پر تھی۔ مدینہ میں کوئی فوج نہ تھی۔ صرف کچھ بڑے صحابہ تھے۔ اور ان کی اولاد تھی۔ مگر جیسے ہی باغیوں نے تین طرف سے آن کر مدینہ کو گھیر لیا۔ تو مدینہ والے مسلح ہو گئے! اور لڑائی کی ٹھان لی۔

باغیوں نے جب مدینہ والوں کو لڑنے کے لیے تیار دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ کی ازواج مطہرات اور بڑے صحابہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ رسول اللہ کے روضہ کی زیارت کرنے آئے ہیں ان کا مقصد کچھ اور نہیں مگر ان کو شہر میں آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ بصرہ، کوفہ اور مصر کے قافلے۔ اس بات میں تو متحد تھے کہ خلیفہ کو معزول کر دیا جائے مگر نئے خلیفہ کے بارہ میں وہ متحد نہ تھے۔ کوفہ والے حضرت زبیرؓ کے حامی تھے۔ بصرہ والے حضرت طلحہؓ کے اور مصر کے لوگ حضرت علیؓ کے طالب تھے۔ لیکن جب ان تینوں کے پاس انہوں نے انہیں امداد کے پیغام بھیجے اور خلافت کا منصب پیش کیا تو ان سب نے ان کی درخواست ٹھکرا دی۔ خاص طور پر حضرت علیؓ نے تو ان لوگوں کو خوب ڈانٹا! ان کے پاس گئے اور ان سے کہا آدمی بنو اور واپس چلے جاؤ۔ ان میں دو چار آدمیوں کو ساتھ لے کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ اور حضرت عثمان کو مشورہ دیا۔ مصر والوں کی بات مان لیجئے اور ابن ابی سرح کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو گورنر بنا دیجئے حضرت عثمانؓ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔ محمد بن ابو بکر کو گورنری کا پروانہ لکھ دیا اور بلوائی بظاہر مطمئن ہو کر واپس ہو گئے۔ مگر نہ جانے کیا بات ہوئی۔ تھوڑی دور جا کر یہ تینوں قافلے اچانک مدینہ لوٹ آئے۔ اور مدینہ کو چاروں طرف سے آن گھیرا۔ مدینہ کے مسلمان محفوظ حالت میں نہ تھے۔ انہوں نے ہتھیار کھول دیئے تھے اور بہت سے لوگ حج کے لیئے۔ مکہ روانہ ہو چکے تھے!

جب حضرت علیؓ ان کی آمد کی خبر پا کر۔ ان سے پوچھنے گئے۔ تم لوگ واپس کیوں آ گئے۔ حالانکہ تم مطمئن ہو کر گئے تھے۔ تو انہوں نے ایک فرمان پیش کیا۔ اس فرمان پر خلافت کی مہر تھی۔ اور حضرت عثمانؓ کا نام لکھا تھا جس

میں ہر صوبہ کے گورنروں کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ باغیوں کو یا تو قتل کر دیں یا جیل خانوں میں ڈال دیں۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا۔ اگر یہ بات تھی۔ تو تم تینوں تو الگ الگ راہ پر جا رہے تھے۔ تمہارے راستے مختلف تھے۔ اگر خط پکڑا گیا۔ تو ایک قافلہ نے پکڑا۔ دوسرے کو اس کی خبر کیسے ہوئی۔!

حضرت علیؓ کی بات معقول تھی۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ صرف فرمان پیش کیا۔ فرمان پر سچ مچ۔ خلافت کی مہر تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ فرمان مروان نے لکھا۔ طبری اور ابن اثیر کوئی قطعی رائے ظاہر نہیں کر سکے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ انہوں نے جعل سازی سے کام لیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مروان نے ایسا حکم فساد پھیلانے کے لیئے اپنی طرف سے دے دیا ہو۔ یا انہوں نے۔ اس سے مہر حاصل کر کے۔ اس فرمان پر ثبت کر دی ہو۔ مگر یہ کسی طرح مانا نہیں جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ نے یہ فرمان لکھا۔

باغی رہنماؤں نے خلیفہ کے حضور حاضر ہو کر اپنی شکایات پیش کرنے کی اجازت مانگی تھی حضرت عثمانؓ نے یہ اجازت دے دی! جب یہ لوگ حضرت خلیفہ کے حضور حاضر ہوئے۔ تو انہوں نے فرمان پیش کیا۔ اور وجہ پوچھی کہ یہ فرمان کیوں لکھا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمان کی صحت سے انکار کیا

باغی بولے!

آپ کا اپنا خادم یہ خط لے جاتا پکڑا گیا ہے!

حضرت عثمانؓ نے قسم کھائی کہ وہ اس خط کے متعلق کچھ نہیں جانتے!

باغی رہنما اس بات پر بضد تھے کہ خواہ آپ نے خط لکھا یا نہ لکھا۔ دونوں صورتوں میں آپ خلافت کے اہل نہیں ہیں۔ آپ نے خط لکھا۔ تو بدعہدی

کی ۔ اور اگر آپ کی مہر کسی نے استعمال کی۔ تو آپ کمزور ہیں جو اپنے ماتحت لوگوں کو اتنی جرات دلاتے ہیں۔ اور ان پر قابو نہیں پا سکتے۔

دوسرا اعتراض معقول تھا۔ اس لیئے حضرت علیؓ اُٹھ کر گھر چلے آیئے۔ باغی راہنماؤں کا وفد بھی اپنے اُپنے خیمہ کو پلٹ گیا۔

بات چیت شروع کر کے۔ ان لوگوں نے اپنا مقصد پا لیا۔ وہ اگر ہتھیار اٹھاتے۔ تو کبھی کامیاب نہ ہو سکتے۔ اب وہ صلح صفائی سے مسجد میں آتے نماز پڑھتے۔ اور حضرت عثمانؓ کو اکیلے دیکھکر کبھی کبھی ان سے چھیڑ چھاڑ بھی کرتے۔ انہوں نے شہر میں راہ پا لی تھی۔ شہریوں میں سے اکثر کے ہتھیار ہتھیا لیئے تھے شہریوں سے دوستانہ قائم کر لیا تھا۔ ان کے باتونی لوگوں نے شہریوں میں سے کئی کو بیرون مدینہ کی غلط خبریں سنا سنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف بھی کر لیا!! اور وہ فضا ختم ہو گئی تھی۔ جو شہر میں داخلہ سے پہلے تھی۔

طبری کا بیان ہے کہ شروع میں ان لوگوں کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ مروان کو ان کے سپرد کر دیا جائے۔ صحابہ نے بھی اس بات کی تائید کی۔ مروان سے کوئی خوش نہ تھا۔ یہ وہی شخص تھا جسے رسول اللہؐ نے مدینہ سے نکال دیا تھا حضرت صدیق اور فاروقؓ کے دور میں یہ مدینہ سے جلاوطن رہا۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ بنے تو اسے مدینہ بلا لیا اور نہ صرف بلا لیا۔ بلکہ اسے چیف سیکرٹری بنا دیا اور خلافت کے سارے امور اس کے سپرد کر دیئے۔ یہ شخص فتنہ کی جڑ تھا اگر حضرت عثمانؓ اسے باغیوں کے سپرد کر دیتے تو مدینہ کے لوگ یقیناً حضرت عثمان پر کوئی آنچ نہ آنے دیتے۔

ابن خلدون اور طبری دونوں راوی ہیں کہ ہنگامے کے اس دوران میں اکثر بڑے صحابہ نے بے تعلقی اور غیر جانبداری برتی۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت

طلحہؓ تو مکہ چلے گئے۔ عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عثمانؓ نے خود حج کا امیر بنا کر مکہ بھیج دیا۔ ہمارا خیال ہے کہ اگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ مکہ میں ہوتے۔ تو یقیناً بلوائیوں سے جنگ کرتے۔ مگر وہ نہیں رہے۔ حضرت علیؓ۔ اپنے دونوں بیٹوں حضرت حسنؓ اور حسینؓ۔ کو مدینہ میں چھوڑ کر خود مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور اس لیئے لے گئے کہ حضرت عثمانؓ نے ان کے مشورے پر کان نہیں دھرے اور مروان کو خلافت کے دفتر سے الگ نہیں کیا۔ اور بات طول پکڑتی گئی۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ شروع میں بلوائیوں کے سرگروہ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اگر ان کا یہ ارادہ ہوتا۔ تو ابتداہی میں جب انہیں تھریں و خل ملا حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیتے۔

مروان نے حالات کو بگاڑا اور ابن خلدون کی روائت کے مطابق حضرت علیؓ باہر سے کئی بار مدینہ آتے اور حالات کو سلجھانے کی کوشش کی۔ مگر مروان کی بد زبانی نے بنی ہوئی بات بگاڑ دی۔ مروان نے حضرت علیؓ کو طعنہ دیا یہ سب تمہارے بلوائے ہوئے آتے ہیں۔ تم بنو ہاشم بنو امیہ سے انتقام لینا چاہتے ہو۔

حضرت علیؓ کو مروان کی اس بات نے سخت رنج پہنچایا اور وہ حسنؓ و حسینؓ عبداللہ بن عمرؓ، ابن طلحہؓ اور ابن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور فرما کر مدینہ سے گیارہ بارہ میل دور کی ایک بستی میں چلے گئے۔ اور مروان اور اس کے مخالفین کو مدینہ میں چھوڑ گئے۔ پھر بھی یہ داستان اسلامی تاریخ کا سب سے ہولناک باب ہے۔ اور دکھ ہوتا ہے کہ مدینہ کے اندر اور ہمسایہ میں ان کے خلیفہ اور مسلمانوں کے امیر کو چند ہزار بلوائیوں نے محصور کر دیا۔ ان کو برا بھلا کہا۔ ان پر پانی بند کر دیا۔ اور آخر ان کو انتہائی

مظلومیت کے عالم میں جب کہ وہ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے شہید کر دیا
حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ نے مدافعت کی. بلوائیوں نے جب ان پر تلوار کا
وار کیا تو اس بہادر اور فرض شناس خاتون نے اپنا بازو اپنے شوہر اور تلوار میں
حائل کر دیا تلوار نائلہ کی انگلیاں کاٹتی ہوئی دہری ہو گئی۔

مگر نائلہ کی بہادری دیکھو۔ کہ جب تک مدافعت کی سکت رہی وہ مدافعت
کرتی رہیں۔ دو ایک بلوائیوں نے انہیں پکڑ لیا۔ اور عثمانؓ شہید کر دیئے گئے

طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے۔ کہ خلیفہ محترم کو جب نظر بند کر دیا گیا۔
تو صحابہ کی ایک جماعت ان کے مکان کے دروازوں پر پہرہ دے رہی تھی
خود حضرت عثمانؓ کے خدام بھی تلواریں ہاتھ میں لے کر ڈیوڑھی پر موجود تھے
ان میں اور بلوائیوں میں کئی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ حضرت حسن، حضرت حسین،
ابن زبیر، ابن عمر اور طلحہ کے صاحبزادوں نے بلوائیوں پر تیر بھی برسائے۔
مگر حضرت عثمانؓ نے ان سب کو اندر بلا لیا اور حکم دیا۔ نہ تلوار چلائیں اور نہ
تیر اندازی کریں اور قسمت کا لکھا ہوا فیصلہ پورا ہونے دیں۔

تاریخ کا یہ باب مورخین نے بہت الجھا دیا ہے۔ بہت متضاد کیفیتیں
ہمارے سامنے آتی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ اکابر صحابہ میں سے سوائے
سعد بن وقاص کے مدینہ میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ اور ان کو بھی بلوائیوں نے
ان کے گھر میں بند کر رکھا تھا۔

امہات المومنین میں حضرت عائشہ اور دوسری بیگمات حج کے لیے مکہ
جا چکی تھیں۔ علیؓ کو خود مروان نے شہر میں آنے نہ دیا۔

بہر حال یہ بہت افسوس ناک حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ مدینہ میں شہید
کیے گئے۔ وہاں جہاں سارے جہاں کے آقا آرام فرما تھے۔ وہ آقا جو عثمانؓ

سے محبت کرتے اور جنہوں نے عثمان رضؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے انہیں دو بیٹیاں دیں۔

ایسے حال میں مدینہ کے لوگوں کا فرض تھا کہ عثمان رضؓ کو شہید ہو نے نہ دیتے۔ اگر بلوائیوں کا مطالبہ یہی تھا کہ مروان ان کے سپرد کر دیا جاتا۔ وہ مسئلہ کو سلجھا سکتے تھے۔ عثمان خلیفہ برحق تھے۔ انہیں خلافت کے لیئے چنا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ مدینہ کے لوگ انہیں معزول کر دیتے۔ وہ مسند جس پر انہوں نے عثمان رضؓ کو بٹھایا تھا۔ ان سے چھین لیتے۔ لیکن بلوائیوں کو ان تک نہ پہنچنے دیتے۔

مورخین نے اور ہم نے بھی اوپر لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے دروازہ پر حضرت حسینؓ۔ حضرت حسنؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور ابن طلحہؓ پہرہ دے رہے تھے۔ مگر یہ چاروں حضرات۔ بلوائیوں میں سے ایک نہ ایک گروہ کے ممدوح تھے۔ مصر کے لوگ حضرت علیؓ کے حامی تھے، کوفہ کے لوگ طلحہ کے چاہنے والے تھے اور بصرہ کے لوگ زبیر کو اپنا پیر و مرشد مانتے۔ اس لیئے انہوں نے ان حضرات سے کوئی باز پرس نہ کی۔ وہ دروازہ سے ہٹ گئے۔ اور ہمسایہ کے ایک مکان کی دیوار پھاند کر چھت پر پہنچے اور عثمان رضؓ کو شہید کر دیا اور غضب، تو یہ ہے کہ اس وقت کوئی تلوار نہیں چلی۔ مدینہ کے لوگوں میں سے کوئی تلوار ہاتھ میں لے کر باہر نہیں نکلا۔

تاویلیں بہت کی جا سکتی ہیں۔ لیکن کسی مؤرخ نے۔ مدینہ کے لوگوں کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کی خبر پانے کے بعد، مدینہ کے لوگ ان بلوائیوں سے ٹکرائے۔ خود ابن زبیر، حضرت حسن، حضرت حسینؓ اور ابن طلحہ نے بھی تلواریں نہ جانے کہاں پھینک دیں۔ تاریخ سے یہ بھی

ثابت نہیں ہوتا کہ ان لوگوں کو بلوائیوں نے قید کر لیا ہو۔ اور ان کے ہاتھ سے ہتھیار چھین لیئے ہوں۔

بہر حال یہ حقیقت ہے۔ کہ مدافعت ٹھیک طور پر نہیں ہوئی۔ اور عثمانؓ مظلومی کی حالت میں مارے گئے۔

یا یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مدینہ کے لوگ، حضرت عثمانؓ کے بارہ میں غیر جانبدار بن گئے تھے۔ وہ ان کی حکومت سے اتنے تنگ آگئے تھے کہ ان کو بلوائیوں کے سپرد کر کے خود الگ ہو گئے۔

مؤرخین کہتے ہیں۔ مدینہ میں اصحاب رائے بزرگوں میں سے اکثر باہر کے صوبوں میں تشریف لے گئے تھے۔ لیکن ہمارے خیال میں۔ مدینہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت عثمانؓ سے چھٹکارا چاہتے تھے۔ اس لیئے ان میں سے اکثر گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے۔ ورنہ یہی مدینہ تھا جس کے باشندوں نے بڑی سے بڑی جابر قوت کا منہ پھیر دیا۔ مگر مدینہ پر آنچ نہ آنے دی۔

اور یہ کتنا افسوس ناک قصہ ہے کہ باغیوں نے صرف حضرت عثمانؓ کو بہت سخت بے رحمی کے ساتھ شہید کیا۔ بلکہ ان کی شہادت کے بعد، ان کی لاش کی بے حرمتی کی۔ اس کے اوپر چڑھ گئے۔ داڑھی اور سر کے بال نوچ لیئے۔ مکان کو لوٹا۔ حضرت عثمان کی بیوہ حضرت نائلہ کو بے پردہ کر دیا! ان کے جسم پر کئی زخم لگائے! اور اس وقت تک بے ہودگیاں کرتے رہے جب تک کسی نے انہیں بیت المال لوٹنے کی طرف متوجہ نہیں کیا۔

طبری۔ ابن اثیر۔ اور ابنِ خلدون۔ تینوں اس بات پر متفق ہیں۔ کہ باغیوں

نے بیت المال کو لوٹا، اس بات سے ظاہر ہے کہ باغی، کون لوگ تھے اور ان کے اخلاق کا معیار کیا تھا! یہ سب کے سب اوباش اور لفنگے تھے۔ وہ رائے عامہ کے نمائندے نہ تھے۔ بلکہ بصرہ، مصر اور کوفہ کے نچلے درجہ کے بداعمال لوگ تھے۔ اگر وہ بااصول ہوتے۔ تو وہ بیت المال کو نہ لوٹتے۔ وہ تو اسلام کے دشمن تھے۔ وہ اسلام سے انتقام لینا چاہتے تھے کہ اس نے ایران مصر اور شام کی بادشاہتوں کو کیوں ختم کر دیا! یہ انتقام عثمان غنی سے نہیں اسلام سے لیا گیا! یہ عثمان غنی کی شہادت نہیں تھی مسلمانوں کے وقار کی موت تھی۔

یہ لکھتے وقت دکھ ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ کی لاش تین دن، ان کے مکان میں بے گور و کفن پڑی رہی! شہر پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ انہوں نے ہر طرف سے شہر کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ تین دن کے بعد قریش کے کچھ آدمیوں نے۔ حضرت علیؓ سے اجازت چاہی کہ لاش کو دفن کر دیا جائے شام کے دھندلکے میں مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ کی لاش انتہائی بے چارگی کے ساتھ دفن کی گئی۔ جب جنازہ اٹھایا جا رہا تھا۔ باغیوں نے حضرت کی لاش پر اس وقت بھی پتھر برسائے۔

حضرت عثمانؓ کو مدینہ کے عام قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ان کے رونے والوں میں کم تھے اور ہنسنے والے زیادہ تھے۔

✓ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے متعلق بہت سی بے بنیاد باتیں کہی گئی ہیں۔ کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کو ان کی شہادت کا باعث گردانا ہے لیکن یہ محض غلط بیانی ہے۔ حضرت علیؓ کو اس شہادت سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں۔ انہیں یہ خیال بھی نہ تھا۔ کہ باغی حضرت عثمان رضؓ کو شہید

کر دینگے تاہم انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ وحسینؓ کو محافظ دستہ کے ساتھ حضرت عثمان رضؓ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اور بچوں کی جان کو خطرہ میں ڈالا۔

بہرحال تاریخ کا یہ باب کچھ بہت الجھا ہوا ہے۔ اور اس باب میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ؛

تینتیسواں باب

حضرت علیؓ

طبری اور ابن اثیر کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بلوائی ہی مدینہ کے حاکم تھے۔ ان ہی کا ایک آدمی مسلمانوں کی امامت کراتا۔ وعظ کرتا اور خدا کا شکر ادا کرتا کہ ان کے ہاتھوں ایک نیک نام انجام کو پہنچا۔

باغی مسجد نبوی پر بھی قابض رہے۔ اور خزانہ بھی ان کی تحویل میں رہا۔ انہوں نے خزانہ کو خوب لوٹا اور اس کی ایک ایک پائی جیب میں ڈال لی۔

۱ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر پاکر حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ تینوں مدینہ میں آگئے تھے۔ حضرت سعدؓ پہلے ہی یہاں تھے۔ اور یہ چاروں حضرات اپنے اپنے مکانوں کے دروازے بند کرکے بیٹھ گئے تھے۔

بے لیس اور بے چارگی کا عجیب عالم تھا۔ یہ اس گروہ میں سے تھے جس نے ساری دُنیا کو ہلا ڈالا تھا۔ مگر آج یہی دروازے بند کر کے اندر بیٹھے تھے۔

حج کے آخری دن تھے۔ اور حاجیوں کے قافلے مکہ سے لوٹنے ہی والے تھے۔ بلوائیوں کو اب اپنی فکر ہوئی۔ اُنہیں خیال ہوا سارا عالم اسلام امنڈ کر نہ آجائے اور انہیں تباہ نہ کر دے۔ اس لئے ابن سبا نے ایک چال چلی اور بلوائیوں کو باری باری حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ اور درخواست کی خلافت قبول فرما لیجئے۔ ان تینوں نے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ ایسے حال میں جبکہ سارا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ اس کانٹوں کی سیج پر بیٹھنا نہیں چاہتے تھے۔

پانچویں یا چھٹے دن ان لوگوں نے جب ہر طرف مایوسی دیکھی۔ تو ایک اور چال چلی۔ مدینہ کی گلیوں میں اعلان کر دیا۔ آپ لوگ دو دن تک اپنا کوئی خلیفہ مقرر کر لیجئے۔ ورنہ ہم طلحہؓ، زبیرؓ اور علیؓ تینوں کو قتل کر دیں گے۔ لوگوں کے دروازے آپ ہی آپ کھلنے لگے۔ وہ زبیرؓ اور طلحہؓ اور علیؓ کی طرف بھاگے۔ جو لوگ پہلے دونوں کے پاس گئے تھے۔ وہ بھی حضرت علیؓ کے دروازے پر آئے طلحہ اور زبیرؓ نے انہیں علیؓ کی طرف بھیج دیا تھا۔

انتخاب

اس افسوسناک حالت میں مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کا

انتخاب عمل میں آیا۔ مدینہ کے اکثر لوگوں نے سوائے بنو امیہ کے ان کے ہاتھ پہ بیعت کر لی۔ اکثر لوگ بیعت کر چکے تو حضرت علیؓ نے پوچھا سعد۔ زبیر طلحہ اور دوسرے بدری صحابہ کہاں ہیں جب تک وہ بیعت نہ کریں گے میں انتخاب کو صحیح نہ سمجھوں گا۔ یہ لوگ بھی بلائے گئے۔ ان میں سے صرف دو حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ تشریف لائے۔ حضرت سعدؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیر محمد بن مسلمہؓ۔ ابو سعید خدریؓ۔ کعبؓ بن مالک۔ نعمانؓ بن بشیر۔ زیدؓ بن ثابت۔ مغیرہؓ بن شعبہ۔ عبداللہؓ بن سلام۔ اسامہؓ بن زید اور حسانؓ بن ثابت نہیں آئے۔ انہوں نے غیر جانبداری برتی۔ حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ پر بیعت کے لئے زور ڈالا گیا۔ اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے مطالبۂ قصاص کو شرط بنا کر بیعت کر لی۔ اور جب یہ عام بیعت ہو گئی تو بلوائیوں نے بیعت کی۔ یہ بیعت گو زبردستی تھی۔ مگر اب اس کی صورت آئینی ہو گئی۔ مدینہ کے لوگوں نے پہلے بھی تینوں خلیفوں کا انتخاب خود کیا تھا۔ اس چوتھے خلیفہ کا انتخاب ان ہی کے ہاتھوں ہوا۔

مدینہ کے مسلمانوں کی اکثریت نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعت کی۔ سوائے حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے بیعت کے بارے میں کسی پر سختی نہیں کی گئی۔ ایک بلوائی نے حضرت عبداللہ بن عمر اور سعد بن وقاص پر سختی کرنی چاہی حضرت علیؓ نے حکم دیا۔ ایسا نہ کرو۔ یہ رسول اللہؐ کے بڑے ساتھی ہیں۔ انہیں اختیار ہے۔ ان کا جی چاہے مجھے امیر بنائیں جی چاہے نہ بنائیں۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ہاتھ پر حضرت علیؓ نے خود بیعت کرنے کی خواہش سب سے پہلے ظاہر کی۔ انہوں نے ان دونوں سے باری باری کہا۔ تم مجھ سے بیعت لے لو۔ مجھے خلیفہ

بننے کا شوق نہیں۔

اور سچ پچ یہ شوق کی بات نہ تھی حضرت علیؓ کو عثمانؓ کے انتخاب کے وقت یقیناً خلیفہ بننے کا شوق تھا۔ اس وقت ان کی عمر اڑتیس سال تھی مگر یہ شوق ہوتے ہوتے کم ہو گیا۔ اس وقت وہ پچاس سال کے ہو چکے تھے۔ اور شوق اور آرزو کا طوفان تھم چکا تھا۔ مگر اس وقت شوق کی خاطر نہیں ملت کو اس انتشار سے بچانے کے لئے انہوں نے خلافت کا جامہ پہنا۔

خود ان سے جب آگے چل کر ایک موقعہ پر پوچھا گیا۔ کیا رسول اللہؐ نے وصال سے پہلے آپ کے لئے خلافت کی وصیت کی تھی؟ حضرت علیؓ بولے۔ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ رسول اللہؐ نے میرے لئے ایسی کوئی وصیت نہیں کی۔ اگر رسول اللہؐ وصیت کر جاتے تو صحابہؓ اس کا احترام کرتے۔ اور میں خود اس وصیت کے احترام میں کسی کو رسول اللہؐ کے منبر پر چڑھنے نہ دیتا۔

رسول اللہؐ نے میرے لئے کوئی وصیت نہیں کی۔ البتہ وصال سے پہلے جب آپ کی قوت جواب دے گئی۔ اور آپؐ سے نماز باجماعت پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ سے کہو۔ وہ نماز پڑھائیں حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی۔ اور حضورؐ کے وصال کے بعد جب میں نے اس بات پر غور کیا۔ تو مجھے محسوس ہوا کہ حضورؐ نے نماز کی امامت کا حکم ابوبکرؓ کو دے کر ہمیں یہ بات سمجھائی کہ میں نے تمہارے لئے ابوبکرؓ کو دین کا رہنما بنایا ہے۔ نماز اصل دین ہے۔ ہم نے اس دینی رہنما کو دنیوی رہنما بھی بنا لیا۔ ہم میں سے کسی نے ان کی رہنمائی قبول

کرنے سے انکار نہیں کیا۔ کسی کو بھی ابوبکرؓ سے نفرت نہ تھی۔ ان سے سب خوش تھے۔ میں نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی پوری فرمانبرداری کی۔ انہوں نے مجھے جہاں لڑنے کا حکم دیا لڑا۔ وہ مجھے جو دیتے میں اسے قبول کر لیتا۔ انہوں نے مجھے قاضی مقرر کیا۔ اور میں ان کے وصال تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ انتقال کے وقت وہ عمر فاروقؓ کو اپنا نائب بنا گئے۔ میں نے ان کی بھی اطاعت کی۔ حضرت عمرؓ کا انتقال ہونے لگا تو مجھے خیال ہوا عمرؓ مجھے میرے اوصاف کی بنا پر خلیفہ بنائیں گے۔ مگر عمر فاروقؓ بڑے محتاط آدمی تھے۔ انہوں نے انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ اور انتخاب کے لئے ایک کونسل بنا گئے۔ اور اپنے بچوں کو خلافت سے محروم کر گئے۔ انتخاب اب قریش کے ہاتھ میں تھا۔ میرا خیال تھا مجھے منتخب کیا جائے گا۔ مگر عثمانؓ منتخب کر لئے گئے۔ تو میں نے ان کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لی۔ اور اب جبکہ وہ سب چلتے رہے مسلمانوں نے مجھے انتخاب کر لیا ہے۔

یقیناً مدینہ کی اکثریت نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی کہ وہی خلافت کے اہل بھی تھے۔

چونتیسواں باب

ذاتی صلاحیتیں

حضرت علیؓ نے ابھی ہوش نہ سنبھالا تھا کہ حضورؐ کو نبوت ملی۔ علیؓ نبوت کے منصب اور فرائض سے آگاہ نہ تھے۔ مگر فطرت صالح تھی اس لئے بھائی نے جو بات کہی اس پر ایمان لے آئے۔ حضرت علیؓ رسول اللہؐ کے پیارے چچا جناب ابوطالب کے صاحبزادے تھے حضورؐ سے انہیں حقیقی بھائی سے زیادہ محبت تھی۔ حضورؐ پر سب سے پہلے جو لوگ ایمان لائے۔ ان میں حضرت علیؓ بھی تھے۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ بارہ سال کی تھی۔ اور گیارہ بارہ سال کے یہ علی رسول اللہ سے اس درجہ محبت کرتے۔ کہ جب حضورؐ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اسلام لانے کی دعوت دی۔ تو کسی نے حضورؐ کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ سارے مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ حضرت علیؓ سارے مجمع کو خاموش دیکھ کر اٹھے۔ ان کی ٹانگیں کمزور تھیں اور کانپ رہے تھے۔ وہ بڑے زور سے پکارے۔

محمدؐ میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں تمہارے کام آؤں گا۔ اور یہ علیؓ حضورؐ کے ہر طرح کام آئے۔ انہوں نے حضورؐ سے پوری وفا کی۔ ہجرت کے وقت جب قریش نے رسول اللہؐ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور حضورؐ کی جان کا خطرہ تھا۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے بستر پر سوئے۔ اور بھائی کے لئے اپنی جان نذر کرنے کی ٹھان لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امانتیں سونپیں۔ اور خود ہجرت فرما گئے۔ جب تک علیؓ قبا نہیں پہنچ گئے۔ حضورؐ مدینہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

پاک نبیؐ نے اپنے اس چچیرے نوجوان بھائی کو ایک بہت بڑے شرف سے نوازا۔ اپنی لاڈلی اور پیاری بیٹی جناب فاطمہؓ ان سے بیاہ دی۔ اب یہ رسول اللہؐ کے فرزند بن گئے تھے۔ اور حضورؐ ان کو بیٹوں کی طرح چاہتے۔

علیؓ رسول اللہ کی سرپرستی میں جوان ہوئے تھے۔ ان کی جوانی فرشتوں جیسی پاک تھی۔ ان کا دل مطمئن اور نگاہ معصوم تھی۔ بازوؤں میں قوت تھی اور ارادے اونچے تھے۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے بہادر اور انتہائی سخی تھے۔ وہ رسول اللہؐ کی طرح اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دیتے اور خود بھوکے رہتے۔ وہ دنیادار نہ تھے۔ ان کے پاس دولت نہ تھی۔ علم اور زہد تھا۔ خداترسی اور انسانی ہمدردی کا سرمایہ تھا۔ رسول اللہؐ کے داماد ہونے کے باوجود ان کے کپڑوں میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے۔ وہ اپنے گھر کا سارا کام خود کرتے۔ وہ غریبوں اور کمزوروں کے رکھوالے تھے۔ ان کی بہادری زبان زدِ خاص و عام

تھی خیبر کے جس دروازے کو کئی آدمی ہلا نہ سکے تھے۔ اسے انہوں نے اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا تھا حضورؐ کے ساتھ وہ تبوک کے سوا ساری لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ اور غیر معمولی بہادری دکھائی۔ جنگ بدر اور احد میں انہوں نے دشمن کی صفیں کی صفیں الٹ ڈالی تھیں۔ احد کے نازک ترین موقعہ پر وہ حضورؐ کی سپر بن گئے تھے۔ اور حضورؐ کی تو ساری پدری محبتوں کا وہ مرکز تھے۔ حضورؐ فرماتے جس نے علیؓ سے محبت کی۔ اس نے مجھ سے محبت کی جس نے علیؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

رسول اللہؐ کے وصال کے وقت علیؓ کو ایسا صدمہ ہوا جیسے ان کے سارے رشتہ دار سرپرست انتقال کر گئے ہیں۔ ان کی آنکھیں بہ رہی تھیں اور دل رو رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور فاروقؓ کے دور میں علیؓ کی حیثیت سارے صحابہ سے اونچی تھی۔ ابوبکرؓ اور فاروقؓ ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش ہوتا۔ تو یہ دونوں بڑے آدمی علیؓ کی رائے لیتے اور علیؓ جو رائے دیتے اس پر عمل کیا جاتا۔ جب ایران کے بادشاہوں کی سب سے قیمتی متاع شاہی قالین۔ جو عجوبہ روزگار تھا۔ مدینہ آیا تو علیؓ کی رائے پر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے۔

علیؓ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم اور سب سے بڑے فقیہ تھے۔ اسی لئے ابوبکرؓ اور فاروقؓ دونوں بزرگوں کے دور خلافت میں علیؓ مسلمانوں کے جھگڑوں کے فیصلے کرتے۔ اور ان کے فیصلے بہت صحیح ہوتے۔

اور سب سے بڑی بڑائی جو علیؓ کے سوا کسی کو نصیب نہ ہوئی وہ یہ

تھی کہ علیؓ محمد رسول اللہؐ کی نسل کے باپ تھے۔ ان سے رسول اللہؐ کا خاندان چلا حسنؓ اور حسینؓ ان ہی کے فرزند تھے۔

اسلام اگر ایک خاص قسم کی جمہوری حکومت کی بنا نہ رکھتا۔ تو یقیناً حضرت علیؓ رسول اللہؐ کے بعد تخت پر بیٹھتے۔ اور وہ حضورؐ کے سچے جانشین ثابت ہوتے۔

علیؓ کی صلاحیتوں کی بنا پر بعض جاہل لوگ۔ علیؓ کو ابوبکرؓ اور فاروقؓ دونوں پر بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علیؓ کا مقام اپنا تھا۔ اور ابوبکرؓ اور فاروقؓ اپنی جگہ پر تھے۔ وہ رسول اللہؐ کے داماد تھے۔ وہ ہر اعتبار سے بہت اونچے آدمی تھے۔ مگر ملت کی نگہبانی کا کام جس خوبی اور دانائی سے ابوبکرؓ اور فاروقؓ نے کیا۔ ویسا کام وہ نہ کر سکتے تھے۔ وہ رسول اللہؐ کے وصال کے وقت نوجوان آدمی تھے۔ ان کا اثر اتنا نہ تھا۔ جتنا ابوبکر اور فاروق کا تھا۔ اگر ان کا ذاتی اثر اتنا ہوتا۔ تو عثمان کی جگہ وہ منتخب ہوتے۔ ان میں عثمانؓ سے بہت زیادہ خوبیاں تھیں۔ اور اگر وہ منتخب ہوتے تو مسلمانوں کے نصیب کبھی نہیں نہ پھوٹتے۔ اور اب جس وقت وہ منتخب کئے گئے۔ حالات بہت ہی خطرناک تھے۔

سب سے مشکل کام

(یہ سیج سچ کانٹوں کی سیج تھی جس پر حضرت علیؓ کو بیٹھنا پڑا
ان سے پہلے خلیفہ کو شہید ہوئے ابھی چھ دن ہوئے تھے۔ وہ زمین

ابھی رنگین تھی جس پر ۸۲ برس کے بوڑھے خلیفہ کا خون گرا۔مدینہ کی گلیوں میں ابھی بلوائی موجود تھے۔ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں ۔ اور دلوں میں چور تھا۔)

مدینہ کے وہ لوگ جنہوں نے ان بلوائیوں سے ڈر کر گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے ۔اب دروازے کھول کر باہر آ گئے تھے ۔ ان میں سے اکثر نے بیعت کر لی تھی ۔مگر کچھ ایسے بھی تھے ۔جو علیؓ سے عثمانؓ کا قصاص مانگنے لگے تھے ۔حالانکہ انہیں علیؓ سے قصاص مانگنے کا کوئی حق نہ تھا۔اگر علیؓ مجرم تھے تو یہ سب خود بھی مجرم تھے۔اور اگر علیؓ مجرم نہیں تھے ۔تو پھر ان کو ان سے قصاص مانگنے کا حق کیا تھا۔ عثمانؓ پر جب بلوائیوں نے قابو پایا ۔اس وقت ان میں سے اکثر مدینہ میں تھے۔ اور بلوائیوں کے ڈر کی وجہ سے دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھے گئے تھے ۔علیؓ نے تو سات دفعہ بلوائیوں کو سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کی تھی ۔انہوں نے تو پہلی بار جبکہ ابھی بلوائی باہر تھے ۔اندر نہیں آئے تھے ۔ بلوائیوں کو باہر سے پھیر دیا تھا ۔اور پھر جب دوبارہ بلوائی آئے۔ تو انہوں نے پھر ان کو بڑی سختی سے ڈانٹا۔

جو لوگ اب عثمان کا قصاص مانگ رہے تھے ۔ان میں سے تو کوئی بھی بلوائیوں کو روکنے کے لئے سامنے نہیں آیا ۔اور اگر بلوائی اس وقت غالب تھے ۔جب عثمان شہید ہوئے تو اب بھی وہی حالت تھی ۔بلوائی ابھی مدینہ پر قابض تھے ۔خلافت تو حضرت علیؓ کو مل گئی تھی ۔مگر قوت ان کے ہاتھ میں نہیں آئی تھی ۔وہ تین ہزار آدمیوں سے کس طرح قصاص لے سکتے تھے ۔ان سب سے یہی بات حضرت علیؓ نے یہی کہی ۔انہوں

نے کہا۔

تم خود دیکھ رہے ہو۔ میرے ہاتھ ابھی کتنے کمزور ہیں۔ میں قصاص لینے پر قادر نہیں ہوں۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ قوت میرے ہاتھ آجائے۔ تو عثمانؓ کا قصاص لوں گا۔

مگر وہ نہ مانے۔ اور وہی نہیں۔ ہزاروں بدو مدینہ سے باہر آن جمع ہوئے۔ اور شور مچانے لگے۔

ہم عثمان کا قصاص لیں گے۔

بات بہت بڑھ گئی۔ زبیر اور طلحہ، جیسے بزرگ اس مطالبہ کی حمایت کرنے لگے۔ حالانکہ جب عثمانؓ پر بلوائیوں نے حملہ کیا ہے۔ تو یہ یا تو باہر چلے گئے تھے۔ یا گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے۔

معاملہ بڑا نازک ہے۔ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے وقت ایمان کے پر جلتے ہیں۔ یہ سارے بڑے مخلص، بڑے اونچے صحابی تھے۔ زبیر اور طلحہؓ تو وہ تھے جنہوں نے رسول اللہؐ کے لئے حیرت انگیز قربانیاں کی تھیں۔ جنگِ احد میں جب نازک وقت آیا تھا اور رسول اللہؐ پر چاروں طرف سے وار ہونے لگے تھے۔ طلحہ اور زبیر رسول اللہؐ کو اپنے دائرہ میں لئے تھے۔ طلحہؓ نے تو کئی وار اپنے ہاتھ پر روکے اور یہ ہاتھ بوٹی بوٹی ہو کر اٹھ گیا۔ زبیرؓ کے سینہ پر ان گنت زخم آئے تھے۔ یہ سب اللہ کے رسولؐ کو پیار کرنے اور اللہ کا رسول ان کو چاہتا۔ بہر حال آدمی تھے۔ عام مطالبۂ قصاص سے متاثر ہو گئے۔ اور عثمانؓ کو شہید پا کر ان کا جذبۂ قصاص بھڑک اٹھا۔

اور وہ دونوں اور ان کے ساتھ کئی لوگ مدینہ سے باہر چلے گئے۔

ادھر اندر اور باہر طوفان برپا تھے۔ ادھر بہادر اور سچے علیؓ نے ایک اور پریشانی مول لے لی۔ حق پسندی ان کا شیوہ تھا۔ وہ آج تک کبھی ظلم سے دبے نہ تھے۔ عثمان کے طریق حکومت اور گورنروں سے وہ سخت نالاں تھے۔ ان کو اقتدار کی مسند پہ بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے مصلحتِ وقت کے بغیر طریقِ حکومت کو بھی بدل ڈالا۔ اور گورنروں کے نام معزولی کے فرمان بھی لکھے۔ اور ان کی جگہ نئے گورنروں کا تقرر بھی فرما دیا۔ ایسا کرتے وقت انہوں نے سیاست کی آنکھ سے آس پاس کے ماحول کو نہ دیکھا۔ اور یہ تک نہ سوچا کہ ابھی وہ خود اتنی سی بات پر قادر نہ تھے۔ کہ عثمان کے قاتلوں سے انتقام لے سکتے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو ان کے عزیز بھی تھے۔ اور دوست بھی ان کو سمجھایا۔ علیؓ ذرا ٹھہر جاؤ۔ گورنروں کو معزول نہ کرو۔ ان کے نام جو فرمان لکھو۔ اس میں حضرت عثمانؓ کی شہادت پر افسوس ظاہر کرنے کے بعد ان کے تقرر کی تصدیق کر دو۔ ان میں سے کسی کو معزول نہ کرو۔ اور نہ تبدیل ہی کرو۔ مگر حضرت علیؓ بڑے لوگوں میں سے تھے۔ جو ارادہ کر لینے کے بعد اس سے پھرنے کا نام نہیں لیتے۔ انہوں نے جو راہ اپنے لئے اختیار کی۔ یقیناً وہی حق کی راہ تھی۔ علیؓ کے نزدیک عثمان کے گورنر قطعاً نااہل تھے۔ وہ جابر بھی تھے۔ اور خائن بھی۔ وہ اسلامی چلن بھول گئے تھے۔ ان میں تعیش آگیا تھا۔ ان کی اصلاح ضروری تھی۔ یہ ایمان کا تقاضا تھا جسے علیؓ نے پورا کیا۔ اور گورنروں کی معزولی کے احکام ہر چہار طرف بھیج دئے۔ چند دن بعد عبداللہ بن عباس حج سے مدینہ واپس آئے۔ انہوں نے بھی حضرت علیؓ سے یہی بات کی۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو

سمجھایا کہ گورنروں کو اس وقت نہ بدلئے گا۔
جب آپ کی حکومت تسلیم کر لی جائے اور لوگ آپ کے ہاتھ پہ بیعت کر لیں حضرت علیؓ نے مصلحت اور دور اندیشی کو ایمان کے منافی سمجھا۔ اور عبداللہ بن عباس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ مایوس نہیں ہوئے۔ انہوں نے دوبارہ دوسری بات کہی کہنے لگے۔
علیؓ میرے پیارے۔ کم سے کم اور نہیں تو اتنا کرو۔ معاویہ کو نہ ہٹاؤ۔ وہ بڑا سیاست دان ہے۔ اور اس کی حکومت کی جڑیں بہت مضبوط ہو چکی ہیں۔
مگر کبھی ایمان نے ان خطرات کا لحاظ کیا ہے۔ جو علیؓ کرتے۔ علیؓ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اور وہ انتہائی زوردار آواز میں بولے۔
عبداللہ! کیا باتیں کرتے ہو۔ ایک کو رہنے دوں اور دوسروں کو معزول کر دوں۔ عبداللہ بن عباس نے بات کاٹ لی۔
تم نہیں جانتے اگر تم نے معاویہ کو معزول کر دیا تو شامی تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور تم سے عثمان کا قصاص مانگیں گے۔ معاویہ کو شام کا گورنر رہنے دو گے۔ تو وہ عثمان کے قصاص کی پروا نہیں کریں گے۔ انہیں حکومت سے غرض ہے۔ عثمان کا قصاص ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتا۔
مگر عبداللہ بن عباس شاید علیؓ کے دل میں اُتر کر اس ایمان کو نہ دیکھ پائے تھے۔ جو محمد رسول اللہ صلعم کے اس چچیرے بھائی اور داماد کے سینہ میں تھا۔ عبداللہ وہ دن بھول گئے تھے۔ جب محمد رسول اللہ صلعم نے سارے خاندان والوں کو اپنے ہاں بلایا اور اُن

سے کہا تم میں سے میری کون مدد کرے گا۔ کسی نے ہامی نہ بھری۔ علیؓ اُٹھے اور تین بار کہا۔ محمدؐ میں تمہاری مدد کروں گا۔ ساری دنیائے کفر کے ساتھ محض تمہارے لئے ٹکراؤں گا۔ اور علیؓ نے جب یہ بات کہی تھی تو علیؓ کی کمزور ٹانگوں کی طرف اشارے کئے۔ مگر علیؓ پر ان کی اس بیہودگی کا کوئی اثر نہ پڑا۔ جب بچپن میں علیؓ کے دل میں مصلحتِ وقت اور قوت سے ڈرنے کا خیال نہ آیا۔ تو علیؓ اب کس طرح معاویہ کے جاہ وجلال سے مرعوب کئے جا سکتے تھے۔ وہ بڑے زور سے چیخے۔

یہ کبھی نہیں ہوگا۔ معاویہ کو میں ایک دن کے لئے بھی گورنر نہ رہنے دوں گا۔ اے ابنِ عباس میرے بازو میں قوت ہے۔ میرے ہاتھ تلوار چلانا جانتے ہیں۔

یقیناً علیؓ کے بازوؤں میں قوت تھی۔ اور رب کعبہ کے جلال و احترام کی قسم اگر علیؓ کے ساتھ چند ہزار ایماندار ہوتے۔ تو علیؓ کے بازو ساری دُنیا کو اُلٹ ڈالتے۔ علیؓ محمدؐ کا پروردہ تھا۔ وہ محمد کا سچا شاگرد تھا۔ مگر افسوس صد افسوس اس کے ساتھی مصلحت اندیش تھے۔ عشاق کا گروہ لد چکا تھا اور جو باقی تھے وہ عثمان کے دور میں دور دراز کی مملکت میں پھیل گئے تھے۔

مگر علیؓ خود تو تھا۔ اس نے تلوار کے قبضہ پہ ہاتھ رکھا۔ اور ساری مصلحتوں کو نظر انداز کر کے عبداللہ بن عباس کی طرف کچھ اس انداز سے دیکھا کہ وہ پھر کچھ کہہ نہ سکے۔

عثمان بن حنیف (بصرہ) عمارہ بن شہاب (کوفہ) عبیداللہ قیس

بن سعد مصر اور سہیل بن حنیف شام کے گورنر مقرر کئے گئے۔ ان میں سے عبداللہ بن عباس قیس بن سعد اور عثمان بن حنیف کامیاب ہوئے۔ مگر باقی گورنروں کو جان کی خیر منانے کے لئے بھاگ کر مدینہ آنا پڑا۔

کوفہ اور شام میں گورنر حضرات کے ساتھ جو بیتی اس سے حضرت علیؓ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے ابوموسیٰ اشعری اور امیر معاویہ دونوں کے نام خط لکھے اور انہیں حق کی راہ اختیار کرنے کی دعوت دی۔ ابوموسیٰ شرارت پسند نہ تھے۔ صرف انتظار کر رہے تھے۔ وہ محض عامل تھے۔ حکومت یا خلافت پانے کی ہوس نہ رکھتے تھے۔ اس لئے جیسے ہی انہیں حضرت علیؓ کا خط ملا۔ وہ چپ ہو گئے۔ اور قاصد سے کہا حضرت علیؓ سے کہہ دو۔ میری طرف سے نہ مخالفت ہو گی نا موافقت مسلمان ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ تو میں بھی حاضر ہوں۔ یہ مسلک غلط تھا۔ بہرحال حضرت علیؓ نے بھی کوئی سخت کارروائی مناسب نہ سمجھی۔

امیر معاویہ کے نام حضرت علیؓ کا خط گیا۔ تو وہ غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگے۔ مگر جانتے تھے علیؓ ان سے ہر اعتبار سے بہتر ہیں اور پھر بہادر رہیں اس لئے اُن سے جنگ اس طرح نہ لڑی جا سکے گی اس لئے خط کا جواب کچھ نہ دیا۔ البتہ شام کے عوام کو اُن کے خلاف اکسانے کا کام شروع کر دیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں کہیں سے حاصل کر لیں۔ اور دمشق کی مسجد میں دن رات ان کی نمائش

ہونے لگی۔

عربوں میں یہ پرانی ریت تھی۔ کہ اپنے رشتہ داروں کے مارنے والوں سے خوفناک بدلہ لیتے۔ امیر معاویہ نے عربوں کے اس جذبہ کو خوب خوب پیدا کیا۔ ایسے واعظ مقرر کئے جو عثمان کی مظلومی کی داستان ہر جگہ دہراتے۔ اور رورو کر واقعات شہادت بیان کرتے۔

امیر معاویہ کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔ وہ عثمانؓ کے قصاص کو محض بہانہ بنا کر حکومت و سیادت کی گدی پر بیٹھنا چاہتے تھے ان میں غرض پیدا ہو چکی تھی۔ وہ اس باپ کے بیٹے تھے جس نے اس وقت تک حکومت ہاتھ سے نہ دی جب تک رسول اللہؐ کی تلوار اس کی شاہرگ تک نہ پہنچ گئی۔ وہ اس ہندہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے جس نے بھائی اور باپ کے قصاص میں حمزہ کا کلیجہ دانتوں تلے چبایا تھا۔

شام کی فضا میں ہر طرف قصاص ہی قصاص کے نعرے پھیل گئے۔ اور شام کی چھاؤنی سپاہیوں سے بھرنے لگی جب ساٹھ ہزار سپاہی کیل کانٹے سے لیس ہو گئے۔ تو امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے نام ایک خط لکھا۔ خط صرف ایک لفافہ تھا۔ جس پر صرف اتنی عبارت تھی۔

معاویہ کی طرف سے علی کے نام

گویا یہ اعلان جنگ تھا۔ کوئی مطالبہ نہ تھا۔ اگر امیر معاویہ ایسے ہی سچے تھے تو ان کا حق تھا کہ اس خط میں علیؓ سے عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرتے۔ ان سے کہتے عثمان شہید ہو گئے

ہیں۔ جن لوگوں نے انہیں مارا ہے۔ انہیں میرے سپرد کر دیجئے۔ تو میں آپ کی سیادت تسلیم کر لوں گا۔ مگر قصاص کسے مطلوب تھا۔ مقصود تو حکومت تھی۔ اگر وہ علیؓ کو خلیفہ مان لیتے تو شام کی حکومت ہاتھ سے جاتی۔ اسائشیں وہ مزے اور تعیش کے سامان جاتے جو شام میں میسر تھے۔

یقیناً یہ ایک بڑا امتحان تھا۔ دولت اور ثروت کو چھوڑنا کچھ آسان کام نہیں۔ امیر معاویہ اس امتحان میں پورے نہ اتر سکے۔ اور علیؓ کو چیلنج دے دیا۔

جو قاصد امیر معاویہ کی چٹھی لے کر آیا تھا۔ اس سے حضرت علیؓ نے اس عجیب و غریب خط کی وضاحت چاہی۔ اس نے جان کی امان پانے کے بعد عرض کیا۔

میں اپنے پیچھے ساٹھ ہزار سپاہی چھوڑ آیا ہوں۔

اس نے آقا کی ترجمانی کی تھی۔ یقیناً علیؓ خلیفہ برحق کے مقابلہ کے لئے امیر معاویہ نے ساٹھ ہزار آدمی تیار کر لئے تھے۔ عمرو بن عاص جیسے بڑے اور پہنچے سپہ سالار بھی ان سے جا ملے تھے۔ اور اپنی سادگی کی بنا پر امیر معاویہ کے پھیر میں آ گئے تھے۔

ادھر یہ خط آیا ادھر علیؓ منبر پر چڑھے۔ اور ایک عجیب و غریب تقریر کی۔ علیؓ بہت بڑے خطیب تھے۔ حاضرین کے دل سینوں میں جوش مارنے لگے۔

تقریر کرنے کے بعد علیؓ منبر سے اترے اور امیر معاویہ کے مقابلہ میں سپاہی بھرتی کرنے لگے۔

حضرت عائشہ

ان دنوں جب باغیوں نے مدینہ کو آن گھیرا تھا۔ حضرت عائشہ مدینہ سے مکہ آ گئی تھیں حج کا زمانہ تھا حج کرنے کے بعد جب وہ مدینہ واپس آنے لگیں۔ تو انہوں نے رستہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سنی۔ تو انہوں نے قافلہ والوں سے کہا۔ "مجھے واپس لے چلو۔ لوگوں نے خلیفہ کو مار ڈالا ہے۔ میں اس کے خون کا بدلہ لوں گی"

حضرت عائشہ نے گو حضرت عثمان کی خلافت کے آخری سالوں میں حضرت عثمان کے بعض کاموں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ یہ برداشت نہ کر سکتی تھیں۔ کہ حضرت عثمانؓ اس بے رحمی کے ساتھ شہید کر دئے جائیں۔ اور خود انہوں نے اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کو جو مصری باغیوں کے سرغنہ تھے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے ساتھ مکہ لے جانے کی بہت کوشش کی۔ حضرت عائشہؓ کی واپسی کی خبر سن کر بہت سے مسلمان ان کے ساتھ ہو گئے۔ وہ ان کے نبی کی بیوی تھیں۔ ایسی بیوی جن سے نبی پاک وصال تک انتہائی محبت فرماتے رہے۔

مکہ میں حضرت عائشہؓ سے حضرت زبیر اور طلحہؓ بھی آ ملے۔ بنو امیہ کے خاندان کے لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اور ہر وقت ایک اچھا خاصا مجمع ان کے پاس جمع رہنے لگا۔ لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعات بیان کرتے۔ حضرت زبیرؓ

اور طلحہ کی موجودگی نے ان اجتماعات کی اہمیت بڑھادی تھی۔ اور وہ دونوں مکہ کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ۔

صداقت اور باطل اس درجہ ایک دوسرے میں مل گئے ہیں کہ لوگ یہ تمیز نہیں کرسکتے کہ سیدھی راہ کونسی ہے" یہ مکہ والوں کا کام ہے۔ کہ وہ رہنمائی فرمائیں۔ اور ان لوگوں کو سزا دیں جنہوں نے خلیفہ کو شہید کیا ہے"

مکہ والے حد سے زیادہ مشتعل ہو گئے تھے۔ آس پاس کے بدوی بھی ان سے آملے۔ جوش کا یہ عالم تھا کہ لوگ تڑپ کر اپنی داڑھیاں نوچ لیتے۔

طے یہ پایا کہ سب سے پہلے بصرہ کی طرف خروج کیا جائے۔ بصرہ میں اکثریت حضرت طلحہؓ کی طرفدار تھی۔ بہت سے ایسے لوگ بھی تھے۔ جو بصرہ کے معزول شدہ گورنر ابن عامر کے ماننے والے تھے۔ نئی فوج کا خرچ چلانے کے لئے ابن عامر اور یعلیٰ نے بہت سارو پیہ دیا۔ ابن عامر بصرہ سے بھاگتے وقت سارا خزانہ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ یہی کام یعلیٰ نے کیا تھا۔

بصرہ کی طرف کوچ کرنے کے لئے جو فوج تیار ہوئی۔ اس میں تین ہزار آدمی تھے۔ جن میں سے ایک ہزار اشخاص صرف مکہ اور مدینہ کے تھے۔ باقی دو ہزار ادھر اُدھر سے آن شامل ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ اسلام کی تاریخ میں پہلی دفعہ جنگ کی قیادت کے لئے تیار ہوئیں۔ حضرت حفصہؓ رسول اللہؐ کی دوسری حرم اور حضرت فاروقؓ کی صاحبزادی بھی حضرت عائشہؓ ..... کا ساتھ دینا چاہتی تھیں۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ نے انہیں

روک دیا۔ وہ غیر جانبدار تھے اور اس ہنگامہ کے سخت خلاف تھے۔ اور حقیقت دیکھی جائے۔ تو جو صورت قصاص لینے کی۔ ان لوگوں نے تجویز کی تھی۔ وہ قطعاً غیر مناسب تھی۔

اگر یہ لوگ محض قصاص ہی چاہتے تھے۔ تو انہیں بصرہ کی طرف جانے کی بجائے مدینہ کا رُخ کرنا چاہیئے تھا۔ یہ لوگ مدینہ آتے۔ ان کے ساتھ تین ہزار آدمی تھے۔ اگر تین ہزار کی بجائے تین شخص بھی ہوتے تو انہیں جرأت سے کام لے کر علیؓ سے جا کر کہنا چاہیئے تھا۔ علیؓ مدینہ کے بلوائیوں میں ایک گروہ ایسا ہے۔ جس نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ تم یا ان سے بدلہ لو یا غیر جانبداری اختیار کر کے ہمیں اجازت دو ہم ان سے بدلہ لیں۔

مورخین کے اندازہ کے مطابق بلوائیوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی۔ اور ان میں سے چند کے سوا باقی سب کمزور ایمان کے لوگ تھے۔ اور یہ فوج جو حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور زبیرؓ کی زیر قیادت جمع ہوئی تھی۔ اس کی تعداد بھی تین ہزار کے قریب پہنچ گئی تھی۔ یہ تعداد کوئی تھوڑی تعداد نہ تھی۔ زبیر اور طلحہؓ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ کتنی تھوڑی تعداد کے ساتھ انہوں نے کفار کو بے شمار شکستیں دی تھیں۔

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ باب بڑا ہی افسوسناک ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی اس طرح تیاریاں کرتا ہے۔ جیسے کسی غیر پر چڑھائی کرنے جا رہا ہے۔

مکہ سے ڈیڑھ ہزار آدمی تیار ہوئے اور ڈیڑھ ہزار کا یہ قافلہ

حضرت عائشہ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، ابن عامر اور یعلیٰ کی قیادت میں مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ رستے میں ڈیڑھ ہزار آدمی اور آن ملے۔ یہ وقت تھا کہ یہ قافلہ اپنا رُخ پھیر لیتا۔ بصرہ نہ جاتا۔ مدینہ پہنچتا اور بلوائیوں سے دو دو ہاتھ کرتا۔ مگر قافلہ نے اپنا رُخ نہ پھیرا اور آگے کی طرف ہی بڑھتا گیا۔

رستہ میں نماز کا وقت آیا تو مروان بن حکم نے ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا۔ اس نے خود اذان دی اور طلحہ اور زبیرؓ دونوں سے پوچھا نماز کی امامت کون کرائے گا۔ طلحہ اور زبیرؓ تو نہیں بولے البتہ ان کے بیٹوں نے اپنے اپنے باپ کی وکالت کی۔ مروان نے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ اور قریب تھا کہ جھگڑا طول پکڑ جاتا۔ کسی نے یہ خبر حضرت عائشہؓ کو پہنچا دی۔ اور حضرت عائشہؓ نے حکم دیا۔ نہ طلحہ نماز پڑھائیں اور نہ زبیر۔ نماز عبداللہ بن زبیرؓ پڑھائیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے نماز پڑھائی اور قافلہ آگے کی طرف بڑھا آگے چل کر مروان نے پھر فتنہ کا دروازہ کھولا۔ حضرت طلحہ اور زبیر دونوں سے پوچھنے لگا۔ اگر بصرہ میں کامیابی ہوتی۔ علی معزول کر دیئے گئے۔ تو خلافت کی مسند پر کون بیٹھے گا۔ کوئی بولا۔ زبیرؓ مسند خلافت پر بیٹھیں اور کسی نے طلحہؓ کے حق میں رائے دی۔ اختلاف پھر بڑھ گیا۔ کچھ لوگ زبیر کے حامی بن گئے۔ اور کچھ طلحہ کے بنو امیہ میں سے اکثر ایسے تھے۔ جو خلافت کو بنو امیہ کے خاندان میں رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اصرار کیا۔ کہ عثمان کے بیٹے کو خلافت دی جائے۔ یہ بات بہت ہی نامناسب

تھی۔اس لیے طلحہ اور زبیر دونوں نے یہ سوال اُٹھانے والے لوگوں کو ڈانٹا۔ بولے۔ بزرگ صحابہ میں سے کسی کا نام لو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ بوڑھوں کو چھوڑ کر بچوں کو حاکم بنا دیا جائے۔ بحث بڑھ گئی اور قافلہ میں سے کئی آدمی ساتھ چھوڑ کر واپس ہو گئے۔ اور قافلہ آگے کی طرف بڑھا۔

رات کا وقت تھا۔ اندھیرا ہر طرف پھیلا تھا۔ قافلہ اندھیرے کے دامن کو کترتا آگے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا کہ ایک بستی کے قریب سے گزر ہوا۔ بستی کے کُتے بُری طرح بھونکنے لگے۔ ادھر کُتے بھونک رہے تھے ادھر حضرت عائشہ کی اونٹنی کی مہار پکڑے آگے چلنے والے شخص چلا رہا تھا۔

قافلے والو یہ چشمہ حوءب ہے۔ جہاں سے ہم گزر رہے ہیں۔

یہ دفعتہً حضرت عائشہؓ کے دماغ میں ایک زلزلہ سا پیدا ہوا۔ ان کا دل ڈوبنے لگا۔ انہیں یاد آیا کہ ایک دن وہ دوسری ازدواج مطہراتؓ کے ساتھ رسول اللہؐ کے پاس بیٹھی تھی۔ کہ حضورؐ نے ان سب کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

میں نہیں جانتا۔ تم میں سے کس پر حوءب کے کُتے بھونکیں گے حضرت عائشہؓ کے اخلاص اور پاکیزگی کا انداز دیکھو کہ جیسے یہ خیال آیا ویسے ہی حکم دیا۔ میری اونٹنی روک دو۔ اونٹنی روک دی گئی۔ تو لوگوں نے سبب پوچھا۔ عائشہ بولیں۔ یہ حوءب کی بستی ہے تو میں آگے نہیں بڑھوں گی۔ میرے رسول اللہؐ نے مجھے تنبیہ کر دی تھی۔ مگر قافلہ والوں میں اکثر بنو امیہ کے آدمی تھے۔ مروان بھی

تھے اور ابن عامر بھی۔ وہ علیؓ کے خلاف مہم لے جا رہے تھے۔ انہوں نے سوچا اگر عائشہ رُک گئیں۔ تو فتنہ کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔ اسی لئے وہ چیخے یہ حوئب بستی نہیں۔ اونٹنی والے نے غلط بات کہی ہے! مگر حضرت عائشہ آگے بڑھنے پر رضامند نہیں ہوئیں۔ فوج پورا دن وہیں کی وہیں رہی۔ لوگ حضرت عائشہؓ کو دن بھر سمجھاتے رہے۔ لیکن وہ آگے نہ بڑھیں رات کے وقت اچانک فوج کا نقیب چلایا۔

علیؓ نے حملہ کر دیا۔

یہ محض غلط بیانی تھی حضرت عائشہؓ کو دھوکہ دینے کے لئے۔ اس کا اثر ہوا۔ حضرت عائشہؓ اچانک سواری پر بیٹھ گئیں اور قافلہ آگے کو بڑھنے لگا!

بصرہ میں

حضرت عائشہؓ اور زبیرؓ و طلحہ کی یہ فوج آگے بڑھتی بڑھتی بصرہ آن پہنچی۔ اور بصرہ کے میدان میں خیمے نصب کر دیئے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابن حنیف بصرہ کے گورنر بنائے گئے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کی حکومت کو اُلٹنا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا بصرہ پر فوج کشی سے اور کیا مقصود تھا۔ ابن حنیف مقابلہ کے لئے نکلے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر فقرے کسے گئے۔ ابن حنیف نے طعنہ دیا کہ زبیر اور طلحہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر جب بیعت کر لی۔ تو پھر انہوں نے کیوں مخالفت شروع کی ہے۔ یہ تو

صریحاً بدعہدی ہے!

ان دونوں کی طرف سے جواب دیا گیا۔ کہ ہم نے بیعت خوشی سے نہیں کی تھی۔ ہم پر جبر کیا گیا تھا بات بڑھ گئی۔ اور ہوتے ہوتے دونوں پارٹیوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ اور دوسرے دن تک ہوتی رہی۔ آخر اس بات پر سمجھوتہ ہوگیا۔ کہ مدینہ سے حقیقت حال دریافت کی جائے۔ اگر یہ بات ثابت ہوگئی کہ زبیرؓ اور طلحہؓ پر بیعت کے لئے سچ مچ سختی کی گئی تھی۔ تو ابو حنیف شہر کو ان دونوں کے سپرد کر کے خود باہر نکل جائیں گے!

چنانچہ دونوں طرف کا ایک معتمد سفیر مدینہ بھیجا گیا۔ اس نے مدینہ کے ایک اجتماع میں لوگوں سے حقیقت حال پوچھی۔ شروع میں تو کسی نے جواب نہیں دیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے زبان کھولی۔ بولا۔

زبیر اور طلحہ نے جبر کے عالم میں بیعت کی تھی۔

کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ اور بحث نے خوب طول کھینچا سفیر نے اس جھگڑے سے اپنی سمجھ کے مطابق نتیجہ اخذ کر لیا۔ اور بصرہ لوٹ آیا۔

ادھر حضرت علیؓ نے جو اس وقت نجد میں تھے۔ مدینہ میں نہ تھے ابن حنیف کو اطلاع دی کہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہؓ پر کوئی سختی نہیں کی گئی۔ انتخاب رائے عامہ سے ہوا۔

مخالفین نے ابن حنیف سے سفیر کے پہنچنے پر مطالبہ کیا کہ شہر ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ ابن حنیف نے جواب میں حضرت علیؓ کا خط

پیش کر دیا مخالف فوج شہر میں کافی اثر رکھتی تھی۔ ان میں سے کچھ لوگ۔ کوفہ میں داخل بھی ہو چکے تھے۔ اس لئے جب ابن حنیف نے شہر حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تو مخالفین نے لڑائی شروع کر دی اور ابن حنیف کے مکان کا محاصرہ کر کے انہیں قید کر لیا۔ دوسرے دن دونوں جماعتوں میں بڑی خوفناک لڑائی ہوئی۔ زبیر اور طلحہؓ کامیاب ہوئے اور بصرہ کی حکومت حضرت علیؓ سے نکل کر ان دونوں کے ہاتھوں میں چلی گئی

جیسے ہی بصرہ کی حکومت حضرت زبیر اور طلحہؓ کے ہاتھوں میں آئی۔ ویسے ہی انہوں نے ان شہریوں کو طلب کیا جن پر یہ شبہ تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش میں شریک تھے۔ یہ سب کے سب بغیر استثنا اور بغیر مقدمہ کے قتل کر دئے گئے۔ ابن حنیف کو زندہ رکھا گیا۔ البتہ ان کی داڑھی اور سر مونڈھ دیا گیا۔ مونچھیں اور ابرو اکھیڑ لئے گئے۔ انہیں اس حالت میں رہائی دی گئی۔ اور وہ حضرت علیؓ کے پاس بھاگ گئے۔

حضرت عائشہ، جناب طلحہؓ اور زبیرؓ نے شام، کوفہ اور یمن خطوط روانہ کئے اور امداد طلب کی۔ بصرہ میں حضرت زبیر اور طلحہ کی حکومت قائم ہو گئی۔ تو رقابت سے بچنے کے لئے دونوں کے بیٹے باری باری نماز پڑھاتے۔

پینتیسواں باب

جنگِ جمل

حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کے خروج اور بصرہ پر قابض ہونے کی خبریں یکے بعد دیگرے حضرت علیؓ کو پہنچیں۔ انہوں نے اس وقت مخالف فوج کی راہ روکنے کی کوشش کی جبکہ وہ مکہ سے بصرہ کو روانہ ہوئی تھی۔ لیکن جس وقت مکہ سے بصرہ جانے والی راہ پر پہنچے۔ تو فوج آگے گزر گئی تھی اور ان کے ساتھ اتنے آدمی نہ تھے۔ جن پر بھروسہ کر کے وہ اس فوج کا تعاقب کرتے انہیں مزید کمک کا انتظار کرنا پڑا۔ انہوں نے کئی خط کوفے والوں کو لکھے۔ شروع میں کوفیوں نے ان کے خطوط کا جواب نہ دیا۔ کوفہ کے لوگ تذبذب میں تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو حضرت زبیر اور حضرت طلحہؓ کے ماننے والوں میں تھے۔ اور کچھ کسی طرف بھی نہ تھے۔ حضرت ابوموسیٰ گورنر کوفہ بھی غیر جانبدار تھے اور جب

حضرت علیؓ کے خطوط اس طرف سے اور حضرت عائشہ کے خطوط دوسری طرف سے قریب قریب روزانہ کوفے والوں کو ملنے لگے۔ تو حضرت ابوموسیٰ نے کوفہ والوں کو سمجھایا کہ ان خطوں پر توجہ نہ دیں۔ اور غیر جانبدار رہیں۔

کوفہ والوں کی سرد مہری کو دیکھ کر حضرت علیؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن کو حضرت عمار کے ساتھ کوفہ بھیجا۔ حضرت حسنؓ رسول اللہ کے نواسے تھے۔ ان کی صاحبزادی کے بیٹے اس لئے وہ جب کوفہ آئے۔ اور لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ تو بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے اور چند دن کے اندر اندر دس ہزار اشخاص ان کی خاطر مخالفوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت حسن دس ہزار کوفیوں کو ساتھ لے کر کوفہ سے بصرہ کی طرف بڑھے اور حضرت علیؓ سے جا ملے جو خود بھی بصرہ کی طرف پیش قدمی فرما رہے تھے۔

بصرہ کے قریب پہنچ کر حضرت علیؓ نے جناب زبیر اور طلحہؓ کو خط لکھے کہ راہ راست پر آ جائیں۔ اور زیادتی نہ کریں حضرت زبیرؓ طلحہؓ اور عائشہؓ کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ حضرت علیؓ عثمان کے قاتلوں سے بدلہ لیں۔ حضرت علیؓ کی فوج میں خود ایسے لوگ شامل ہو گئے تھے۔ جو عثمانؓ کے خلاف اٹھے تھے۔ اور ان کی تمیز بہت مشکل تھی۔ اور اس سے زیادہ یہ مشکل تھا۔ کہ ان لوگوں کو اس وقت سزا دی جاتی۔ اس لئے حضرت علی اور زبیر و طلحہ میں کوئی مصالحت نہ ہو سکی۔

حضرت قعقاع بھی حضرت علیؓ کے ساتھ آن ملے تھے۔ وہ

ان لوگوں میں بہت ممتاز تھے۔ جنہوں نے اسلامی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے تھے۔ حضرت علیؓ نے قعقاع کو آگے بھیجا۔ اور خود بصرہ سے کسی قدر پیچھے ہٹ گئے۔ قعقاع بصرہ پہنچے۔

حضرت قعقاعؓ پہلے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گئے۔ اور پوچھا۔

محترمہ! آپ نے علیؓ کے خلاف کیوں خروج فرمایا۔ اور یہاں کیوں تشریف لائیں۔

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا۔

میں چاہتی ہوں ملت کا انتشار دور ہو جائے۔ اور مسلمان قرآن پر عمل کرنے لگیں۔ یہی بات حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے بھی کہی حضرت قعقاع نے ان سے بحث کی۔ پوچھا یہ راہ جو آپ نے اختیار فرمائی ہے۔ کیا یہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ ہے؟

ان دونوں نے جواب دیا۔

ہم قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور قرآن قصاص کا حکم دیتا ہے

قعقاع زبان آور خطیب تھے۔ انہوں نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ انہوں نے فرمایا۔

یہ قصاص لینے کا وقت نہیں۔ اس وقت ہر طرف انتشار اور اضطراب کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ لوگوں کی نیندیں حرام ہو گئیں اطمینان جاتا رہا۔ پہلے یہ انتشار و اضطراب دور کر لیجئے کسی کو اختیار دو کہ وہ امن قائم کرے۔ پھر قاتلین عثمان سے انتقام لینا آسان ہو جائے گا۔ لیکن ایسے حال میں تمہارا مقصد پورا نہ ہوگا۔ تم نے عثمانؓ

کے قصاص میں بصرہ کے چھ سو آدمی مار ڈالے ہیں۔ مگر مرقوص بھاگ نکلا۔ تم اس کے پیچھے گئے تو تمہارے مقابلہ کو چھ ہزار تلواریں چمک اٹھیں۔ تم پھر آ گئے اور قصاص ملتوی کر دیا۔

اسی پر علیؓ کی حالت کا قیاس کرو۔ علیؓ بلوائیوں میں گھرے تھے انہیں معلوم نہ تھا قاتل کون ہے۔ ہزاروں آدمیوں میں قاتل کی تحقیق اس وقت ممکن نہ تھی اضطراب ہر طرف پھیل چکا تھا علیؓ نے قصاص ملتوی کیا۔ تو بہانہ کیا۔ مصلحتِ وقت یہی تھی۔ علیؓ قصاص لینا چاہتے ہیں۔ لیکن پہلے ان کے ہاتھ تو مضبوط کر دو۔

قعقاع کی تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ طلحہ اور زبیر اور حضرت عائشہؓ تینوں کی نیتیں نیک تھیں۔ انہیں صرف عثمان کی مظلومیت کا خیال تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے یہ خیالات سنے تو ان سے متعلق غلط فہمی دور ہو گئی۔ اور تینوں بیک آواز بولے۔

اگر یہ بات ہے تو ہم علیؓ سے نہیں لڑیں گے۔

قعقاعؓ پھر علیؓ کے پاس آئے۔ اور علیؓ خوش ہو گئے۔ کہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو گی۔ قعقاع کے ساتھ بصرہ کے لوگوں کا ایک وفد بھی گیا تھا۔ اس نے بھی حضرت علیؓ سے یہی بات کہی انہیں علیؓ سے مل کر یہ راز کھلا کہ علیؓ بصرہ کے لوگوں کو ہلاک کرنے نہیں آئے۔ ان سے صلح صفائی چاہتے ہیں۔ ان سے تو بنو امیہ کے خاندان نے کہا تھا۔ علیؓ بصرہ والوں کو ذبح کرنے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانے آ رہے ہیں۔ بصرہ کے لوگوں کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ تو انہوں نے حضرت علیؓ کو اپنی صلح پسندی

کا یقین دلایا۔

اس طرح حضرت قعقاع کئی بار بصرہ گئے اور آئے۔ اور ہر بار خوش خوش آتے۔ کہ بات چیت کامیابی کے مراحل طے کر رہی ہے۔ علیؓ کو بڑی خوشی تھی۔ انہوں نے اعلان کرا دیا۔ کہ وہ بلوائی جو عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے۔ یا مدینہ پر چڑھ کر گئے۔ ہم سے الگ ہو جائیں۔

عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ انہوں نے جلسہ کیا اور اس صورت حال پر غور کیا مختلف تجویزیں پیش ہوئیں۔ آخر عبداللہ بن سبا نے فیصلہ دیا کہ ہم میں سے آدھے لوگ پیچھے ہٹ جائیں اور آدھے بڑی فوج میں گھل مل جائیں۔ اور جیسے ہی علیؓ صلح کی شرائط کی تصدیق کرتے آگے بڑھیں موقعہ دیکھ کر بصرہ والوں پر حملہ کر دیں۔

دوسرے دن حضرت علیؓ آگے بڑھے اور بصرہ کے میدان میں ڈیرے ڈال دئے۔ بصرہ کی فوج بھی میدان میں آن اتری تھی۔ حضرت علیؓ گھوڑے پر سوار ہو کر مخالف کیمپ کے قریب گئے۔ حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کو بلایا اور ان سے شکوے اور شکائتیں کیں اور آخر طے پایا کہ کل صبح معاہدہ پر دستخط ہو جائیں گے۔

اس گفتگو میں شام ہو گئی تھی۔ اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا تھا دونوں طرف سے لوگ خوشیاں منا رہے تھے۔ صبح مصالحت ہو جائے گی اور مسلمانوں میں تلوار چلنے کی نوبت نہ آئے گی حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ دونوں نے قسم کھالی تھی۔ کہ وہ علیؓ سے

کسی صورت میں نہیں لڑیں گے۔ یار کو سامنے دیکھ کر اُن کے سارے شکوے دُور ہو گئے تھے۔

مگر عبداللہ بن سبا غافل نہ تھا۔ وہ جس نے یہ سارا فتنہ کھڑا کیا تھا۔ اپنے کام میں مشغول تھا۔ اس نے اپنا پروگرام اندر ہی اندر تیار کر لیا تھا۔ ادھر لوگ خوشیاں منا رہے تھے۔ اور ادھر وہ اور اس کے ساتھی بڑی فوج سے کٹ کر ذرا فاصلے پر آن ٹھہرے تھے۔ ہتھیار سجائے جا رہے تھے۔ اور حملہ کی سمتیں متعین کی جا رہی تھیں۔

سیاہ رات کا سایہ ہولے ہولے گہرا ہوتا گیا۔ دونوں طرف کی چھاؤنیاں، خاموشی کے دامن میں سو گئیں۔ دونوں طرف اطمینان تھا۔ دونوں طرف خوش فہمی تھی۔ کہ ہم دشمن نہیں دوست ہیں۔

مگر اچانک رات کے پچھلے حصہ میں جبکہ آسمان پر ستارے چمک چمک کر ڈوبنے لگے تھے۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی بصرہ کی فوج پر لوٹ پڑے۔ ہر طرف ایک شور اُٹھا۔ علیؓ کے ساتھیوں نے دھوکا دیا۔ زبیرؓ اور طلحہؓ دونوں نے اپنے ہاتھ غم میں کاٹ لئے اور چیخے۔ ہائے افسوس علیؓ خونریزی سے باز نہ آئے۔ دونوں فوجوں میں عجب غلط فہمی پیدا ہوئی علیؓ کے ساتھی سمجھے۔ زبیرؓ اور طلحہؓ نے حملہ کیا ہے۔ اور زبیر اور طلحہ کے ساتھی سمجھے۔ علیؓ حملہ آور ہوئے ہیں۔ اندھیرا ابھی دور نہیں ہوا تھا۔ کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے اُلجھ گئیں۔ دونوں فوجوں میں غالب تعداد بدوی قبائل کی تھی۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے گتھ گئے! اور تلواریں ایک دوسرے کا خون چاٹنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو پھر بھی بہت سمجھایا۔ کہ لڑائی روک دیں۔ مگر مشتعل آگ اس وقت کب ٹھنڈی

نہ ہوئی جب تک دونوں طرف کے دس ہزار اشخاص قتل نہ ہو گئے۔

حضرت زبیرؓ معاہدہ کے مطابق لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ لڑائی کے میدان سے ہٹ کر وادی میں چلے گئے تھے۔ مگر ایک سازشی نے ان کا پیچھا کر کے پیچھے سے ان پر وار کر دیا۔ اور اس طرح اسلام کے ایک بہت بڑے سپاہی اور بلند پایہ صحابی کو شہید کر ڈالا۔ طلحہؓ پر مروان نے قریب آ کر زہر میں بجھے ہوئے تیروں کی بارش کر دی۔ ایک تیر ان کے پاؤں میں لگا اور زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا۔ دونوں رہنماؤں کی شہادت پر بصرہ کی فوج بھاگ نکلی۔ ابھی شہر میں داخل نہ ہوئی تھی کہ اس نے حضرت عائشہؓ کے اونٹ کو دیکھا۔ کہ میدان میں کھڑا ہے۔

فوج رک گئی بہادر آگے آئے اور حضرت ام المومنینؓ کے اونٹ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اسی قریشی سردار یکے بعد دیگرے آگے بڑھے۔ اور علم ہاتھ میں لیا شہادت پائی۔

اس طرح رکی ہوئی لڑائی پھر زور پکڑ گئی۔ حضرت علیؓ لڑائی کو طول دینا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے یہ حال دیکھا تو حکم دیا کہ حضرت عائشہ رضؓ کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دئے جائیں۔ حضرت علی رضؓ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ اونٹ کے پاؤں کاٹ دئے گئے۔ اونٹ چیخا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ تدبیر کارگر ہوئی۔ بصرہ کی فوج نے لڑائی روک دی۔ اور شہر کو پلٹی۔

حضرت علیؓ نے حکم دیا۔ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ نہ زخمیوں کو تکلیف پہنچائی جائے۔ مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔ اور گھروں میں گھسنے کی کوشش نہ کی جائے۔ دونوں طرف کے مجروحین کی مرہم پٹی

ایک ہی طرح کی گئی۔ دونوں طرف کے مقتولین کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی گئی اور مخالف اور موافق کی تمیز کے بغیر انہیں ایک ساتھ دفن کیا گیا۔

حضرت عائشہؓ کے لئے الگ کیمپ نصب کیا گیا۔ ان کے بھائی محمد کو حکم ملا کہ وہ انہیں ان کے کیمپ میں پہنچا دیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عائشہؓ کو کوئی زخم نہیں پہنچایا گیا۔ اس سے یہ بات آسانی سے جانی جا سکتی ہے۔ کہ حضرت علیؓ لڑائی نہ چاہتے تھے۔ اور نہ ان کا منشا یہ تھا کہ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی آنچ آئے۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد جب ایک شخص حضرت زبیرؓ کی تلوار لے کر آیا۔ تو حضرت علیؓ کو بہت افسوس ہوا۔ اور انہوں نے حکم دیا اسے قتل کر دو۔ مگر قاتل نے اپنی تلوار سے آپ ہی خودکشی کر لی۔

لڑائی کے خاتمہ کے کچھ دیر بعد حضرت علیؓ شہر میں داخل ہوئے۔ اور شاہی خزانہ فوج میں تقسیم کر دیا۔ دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ ان کا سلوک یکساں تھا۔ انہوں نے کسی کو اس بات کی سزا نہ دی کہ وہ ان کے خلاف جنگ میں کیوں شریک ہوئے۔ سارے مخالفین معاف کر دئے گئے۔ اور شہر میں پہلے جیسا امن وامان قائم کر دیا گیا۔ مروان اور امیر کے خاندان کے کئی دوسرے لوگ جو مخالف فوج کو اکسانے کا فرض انجام دے رہے تھے۔ بصرہ سے شام کو بھاگ گئے۔ حضرت عائشہ سے حضرت علیؓ نے خود ملاقات کی۔ اور انہیں پورے احترام کے ساتھ شہر میں لائے۔ شہر میں سب سے بہتر جو مکان تھا۔ وہ انہیں رہنے کے لئے دیا گیا! اور ان کی خدمت میں ان ہی کی لونڈیاں رکھی گئیں! کچھ دن بعد جب حضرت عائشہؓ نے

مکہ واپس جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو انہیں رخصت کرنے کے لئے حضرت علیؓ کافی دور تک پاپیادہ آئے۔ فوج کے کچھ آدمی ساتھ کردئے۔ تاکہ انہیں پوری حفاظت کے ساتھ مکہ پہنچادیا جائے۔ مکہ پہنچ کر انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر مدینہ آگئیں۔

طبری اور ابن خلدون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ میں اس واقعہ کے بعد پوری صفائی ہوگئی۔ اور اس کے بعد ان دونوں میں کبھی کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا۔

کوفہ

حضرت علیؓ کچھ دن بصرہ میں قیام فرما رہے۔ اور جب شہر بھر میں امن وسکون قائم ہوگیا اور سب لوگ مطیع ہوگئے۔ تو انہوں نے اپنی جگہ حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر بناکر خود کوفہ کا رخ کیا۔ انہوں نے کوفہ کو پہلی دفعہ دارالسلطنت بنایا۔ پہلی دفعہ کوفہ کے نصیب جاگے۔ کہ وہاں خلیفہ کے قدم آئے۔ کوفہ اس وقت علماء کا مسکن تھا۔ لیکن بدوی قبائل کا مستقر ہونے کی وجہ سے اس میں مخالف عنصر بھی موجود تھا۔ ایسے لوگ بھی تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام نے ابھی گھر نہیں کیا تھا اور جن کے مزاج ابھی بدلے نہ گئے تھے۔

مصر

حضرت قیس بن سعد حضرت علیؓ کی طرف سے مصر کے اس

وقت گورنر بنائے گئے تھے۔ جب انہوں نے خلافت کا منصب پا لیا! قیس ہوشیار اور مدبر آدمی تھے۔ اہل بیت کی محبت سے ان کا سینہ معمور تھا۔ مصر کی گورنری کے لئے وہ موزوں ترین آدمی تھے۔ اس لئے معاویہ کو خدشہ پیدا ہوا کہ ان کی موجودگی معاویہ کے حق میں مفید ثابت نہ ہوگی۔ شروع میں تو انہوں نے کوشش کی کہ قیس ان سے مل جائیں۔ مگر قیس نے جب انہیں ٹکا سا جواب دیا۔ تو امیر معاویہ نے اُن کے خلاف ایک سنگین چال چلی۔ ان کے متعلق مشہور کیا کہ وہ حضرت علیؓ کے وفادار نہیں ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں دشمنوں سے ساز باز کر رہے ہیں۔ یہ خبر اس لئے مشہور کی گئی تھی کہ حضرت علیؓ تک پہنچ جائے۔ چنانچہ یہ حضرت علیؓ تک پہنچ گئی۔ اور انہوں نے اس کا سچ اور جھوٹ جاننے کے لئے قیس کو حکم دیا۔ مصر کے مخالفین کو سزا دو۔ جناب قیس مصر کے مخالفین کے خلاف لڑنے کی صلاحیت ابھی اپنے میں نہیں پاتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس حکم کی تعمیل سے سردست معذوری ظاہر کی۔ حضرت علیؓ کا شبہ بڑھ گیا۔ حاشیہ نشینوں نے اسے زیادہ بڑھا دیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جناب قیس معزول کر دئے گئے۔ قیس مدینہ لوٹ گئے۔ ان کی جگہ محمد بن ابوبکر مصر کے گورنر بنائے گئے۔ اور معاویہ کا مقصد پورا ہوا۔

قیس مدینہ میں کچھ دن ٹھہرے۔ یہاں تک کہ وہ حضرت علیؓ کے پاس کوفہ پہنچنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت علیؓ کا اعتماد انہیں پھر حاصل ہو گیا۔ قیسؓ اتنے ہوشمند تھے کہ جب معاویہؓ نے یہ خبر سنی کہ جناب قیس حضرت علی کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ تو انہیں بہت رنج ہوا۔ اور انہوں نے مروان سے کہا تم نے قیس کو تنگ کر کے مدینہ سے نکالا۔ تو وہ علیؓ کے

پاس چلے گئے۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ تم ایک ہزار سوار لے کر علیؓ سے مل جاتے۔
ادھر عمرو بن عاص معاویہ کے پاس پہنچ گئے۔ وہ حضرت عثمان سے خوش نہ تھے۔ اس لئے اس وقت جب باغیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ وہ مدینہ چھوڑ کر فلسطین چلے آئے! وہاں انہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی اطلاع ملی انہیں اس خبر سے اتنا رنج پہنچا کہ فلسطین سے سیدھے معاویہ کے پاس گئے۔ اور ان سے کہا مجھ سے بدلہ لو۔ میں عثمان کے قتل کا ذمہ دار ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ مدینہ میں ہوتے تو عثمانؓ کو کوئی قتل نہ کر سکتا!

معاویہ نے عمرو بن عاص کو پایا تو بہت خوش ہوئے۔ عمرو بڑے سمجھدار اور بات کے دھنی تھے۔ ان کو پا کر معاویہ قیس کا فسانہ بھول گئے۔ اور انہیں ایسا محسوس ہوا کہ فاتح فلسطین کی مدد سے بنو امیہ کی حکومت قائم ہو گئی!

چھتیسواں باب

شام کا قصّہ

علیؓ اب کوفہ میں تھے۔ انہوں نے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو نوازا تھا ان کا خیال تھا یہاں سے شام قریب ہوگا۔ اور امیر معاویہ پہ فوج کشی آسان ہوگی۔

حضرت علیؓ اب شام کے سوا باقی ساری مملکتِ اسلام کے خلیفہ تسلیم کر لئے گئے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ انفرادی طور پر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور کئی دوسرے مقامات پر مخالفت موجود تھی۔

کچھ اطمینان ہوا تو حضرت علیؓ نے امیر معاویہ سے پھر مصالحت کی گفتگو شروع کی۔ ان کے نام ایک خط لکھا کہ بیعت کر لو۔ اور مسلمانوں کا ساتھ دو۔ جو سفیر خط لے کر گیا تھا۔ اسے امیر معاویہ نے پہلے کی طرح کئی دن انتظار کرایا۔ امیر معاویہ اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی سمجھتے تھے۔

ان کو فخر تھا کہ وہ عرب کے پوتے اور ابوسفیان کے بیٹے ہیں۔ وہ علیؓ کے سامنے سر جھکانے کو خاندانی نجابت اور شرافت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے کوئی تحریری جواب نہیں دیا۔

سفیر سے زبانی کہہ دیا۔ کہ ہم اس وقت تک اطاعت قبول نہیں کرینگے جب تک عثمان کے قاتل ہمیں نہ دو گے!

عثمان کے قاتل کون تھے۔ علی جانتے نہ تھے۔ علیؓ کو قاتلوں کی شناخت ہوتی۔ تو وہ انہیں خود قصاص میں قتل کر دیتے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اصل قاتل گم ہو چکے تھے۔ البتہ بلوائیوں کی زیادہ تعداد وہیں موجود تھی۔ اور ان کی تحقیقات جنگ کے اس زمانہ میں ممکن نہ تھی۔ اور پھر علیؓ جانتے تھے۔ معاویہ کے سامنے حکومت ہے قصاص تو بہانہ ہے۔ قصاص مل بھی جاتا تو وہ پھر بھی شام کی حکومت کے لئے جنگ کرتے۔

سفیر ناکام لوٹا۔ تو حضرت علیؓ نے شام پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کیں۔ کوفہ کے لوگوں کو ہر روز شام پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتے پہلے تو لوگ راضی نہ ہوئے۔ لیکن ہولے ہولے بات سنتے گئے۔ اور پچاس ہزار اشخاص کی ایک فوج تیار ہو گئی۔ عبداللہ بن عباس بھی بصرہ سے کئی ہزار آدمیوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر آن ملے اور حضرت علیؓ نے فوج کو شام پر چڑھائی کا حکم دیا۔ زیاد بن حارثی۔ شریح بن ہانی۔ معقل بن قیس کو اٹھارہ ہزار آدمی دے کر آگے آگے بھیجا۔ اور خود باقی فوج کے ساتھ پیچھے روانہ ہوئے۔ رقہ کے قریب مقدمۃ الجیش اور باقی فوج ایک دوسرے سے مل گئی۔ رقہ کے قریب دریا فرات عبور کیا

گیا۔ زیاد و شریح اور اشتر کو پھر آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ یہ تینوں سردار بڑی تیزی کے ساتھ یلغار کرتے ہوئے شام کی سرحدیں عبور کر گئے۔ تھوڑی دور آگے ابوالاعور شامی نے امیر معاویہ کی طرف سے لڑائی کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ شام کے قریب ابوالاعور نے حملہ کیا۔ تھوڑی دیر تک لڑائی ہوتی پھر رک گئی۔ اندھیرا ہو گیا تھا۔ دوسری صبح دونوں فوجیں پھر لڑنے نکلیں اور شام تک لڑتی رہیں۔

جناب علیؓ اور معاویہ

دوسرے دن سورج ابھی طلوع ہوا تھا۔ اس طرف سے امیر معاویہ اور ادھر سے حضرت علیؓ اپنی اپنی بڑی فوجیں لے کر فرات کے قریب آن پہنچے حضرت علیؓ نے آتے ہی لڑائی رکوا دی۔ اور اشتر کو حکم دیا۔ آگے بڑھ کر فرات کے کنارے پر چھاؤنی ڈال دو۔ تاکہ پانی کی تکلیف نہ رہے حضرت علیؓ جناب امیر معاویہ کے خاندان کی خصوصیات سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ یہ اس ہندہ کے جگر گوشہ ہیں جس نے حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ اس لئے انہیں اندیشہ تھا۔ امیر معاویہ ہمارا پانی بند کر دیں گے ایسا ہی ہوا۔ فرات کے کنارے پر امیر معاویہ کی فوج نے قبضہ کر لیا تھا اور جب علیؓ کے سپاہی پانی لینے کے لئے کنارے پر گئے۔ تو کسی نے انہیں پانی لینے نہ دیا۔

پہلی بار کینہ

یہاں پہلی بار مسلمانوں نے دوسرے مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں کینہ پالا۔ اور معاویہ کے لشکر نے علیؓ کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا۔ آج تک کسی مسلمان فوج نے دشمن پر بھی پانی بند نہیں کیا تھا۔ یہ تو بہادری اور شرافت کے متضاد وصف ہے۔ علیؓ کے سپاہی ان کے پاس آئے عرض کیا۔ معاویہ کے لوگ پانی پر قابض ہیں۔ کچھ تدبیر فرمایئے۔ پیاس سے فوج کا بُرا حال ہے۔ علیؓ بہادر آدمی تھے۔ انہوں نے اشعث کو حکم دیا۔ سواروں کا ایک دستہ لے جاؤ۔ اور ذرا ان کا حوصلہ دیکھو جو قدرت کی سبیل ہم پر بند کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اشعث گئے اور معاویہ کے آدمیوں نے ان پر تیروں کی بارش کی۔ گھمسان کا رن پڑا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے جو امیر معاویہ کے ساتھی تھے یہ حال دیکھا تو معاویہ کو سمجھایا۔ اتنی سخت دلی اور تنگ ظرفی سے کام نہ لو۔ تمہارے لئے یہ تنگ ظرفی اچھی نہ ہوگی۔ تمہارے اپنے ساتھی تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ شامی کہیں گے بڑے شقی ہیں۔ امیر معاویہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور پانی سے پہرہ اُٹھا لیا۔

یہ آدمیت کا مظاہرہ تو خیر قطعاً نہ تھا۔ اسلامیت بھی اس پر شرما رہی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں سے اتنی لڑائیاں لڑیں۔ مگر کبھی ایسی سختی نہ برتی۔ جو لڑا اس کے ساتھ شرافت سے لڑے

لڑائی

حضرت علیؓ نے اس کے باوجود پھر سفیر بھیجے۔ اور امیر معاویہ کو مصالحت کی دعوت دی۔ اِدھر سے بھی جوابی سفیر آیا۔ کئی دن تک کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔ جب ہر طرح سفارت ناکام رہی۔ تو لڑائی کا آغاز ہوا۔ پہلے طرفین کی طرف سے نامور بہادر اکیلے اکیلے میدان میں آئے اور بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کر کے شہید ہوتے یا واپس چلے جاتے۔ پھر چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے کے مقابل آتے اور لڑتے رہتے۔ ایک مہینہ تک یہی حال رہا۔ اب محرم آگیا جس میں خونریزی حرام کی گئی ہے۔ دونوں طرف کے مسلمانوں نے اس مہینہ کا احترام کیا اور جنگ روک دی۔ اور ایک بار پھر مصالحت کی کوششیں شروع ہوئیں۔

گو مصالحت کے امکانات کم تھے مگر علیؓ اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں اس پر نازل ہوں۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کا خون بہنے سے رک جائے۔ مگر معاویہ حکومت چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لئے مصالحت نہ ہو سکی اور محرم کا مہینہ گزر گیا۔

محرم کے بعد لڑائی کا آغاز ہوا۔ اور ایک ہفتہ تک اتنی خوفناک اور لرزہ انگیز جنگ ہوئی کہ مسلمانوں نے اتنی بڑی لڑائی کسی دشمن سے بھی نہ لڑی تھی۔ عرب بھوکے بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ اور سینے چھید رہے تھے۔ کبھی حضرت علیؓ کا پانسہ بھاری ہوا۔ اور کبھی شامی فوج جیتتی نظر آئی۔ خدا کی شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس جیالے اور پیارے چچیرے بھائی اور داماد کے ساتھ انصار صحابہ کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور ان انصار صحابہ نے محمدؐ کے اس پیارے پر اپنی جانیں خوب خوب فدا کیں۔ انہوں نے اپنے نبیؐ سے سنا تھا۔ جو علیؓ کو پیار کرتا ہے۔ وہ مجھ کو پیارا ہے۔ اور جو علیؓ کو پیار نہیں کرتا۔ جو اس سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس کا مجھ سے محبت کا دعویٰ فضول ہے۔

ہم نہیں جانتے امیر معاویہ نے رسول اللہؐ کا یہ ارشاد سنا تھا یا نہیں سنا تھا۔ کم سے کم انہیں یہ تو معلوم تھا کہ جناب علیؓ سے محمد رسول اللہؐ کی سب سے پیاری بیٹی فاطمہ بیاہی تھیں۔ اور علیؓ محمد رسول اللہ کی نسل کے باپ تھے۔ یقیناً اسلام میں عمل ضروری ہے۔ رشتے بعد کی چیزیں ہیں۔ لیکن رسول اللہؐ نے رشتہ داروں سے محبت کرنے کو ایمان کا ایک جزو قرار دیا۔ علیؓ رسول اللہ کے چچیرے بھائی اور داماد ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے متقی اور بڑے پرہیزگار تھے۔

ہم اگر کسی شخص سے سچا پیار کرتے ہیں۔ تو ہمیں اس کے بچے بھی پیارے لگتے ہیں۔ ہم ان کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں محبت کا تقاضا یہی ہے۔

ہم تاریخ لکھ رہے ہیں۔ محبت کے فلسفے پر بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ بہرحال ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے۔ اولاد ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ کو بھی اپنی اولاد پیاری تھی اور اس لڑائی میں رسول اللہؐ کے داماد رسول اللہؐ کے نواسے حسن و حسین اور رسول اللہ کا سارا خاندان تھا۔ یہ رسول اللہ کا اہل بیت تھا۔ علی حسن و حسین۔ محمد رسول اللہؐ اور فاطمہ نہ تھے۔ دونوں وصل پا

چکے تھے۔ اوران تینوں کے خلاف۔ امیر معاویہ شام کی فوج کے ساتھ لڑرہے تھے۔

دونوں طرف سے ساٹھ ہزار آدمی مارے گئے۔ ساٹھ ہزار سپاہیوں کی جمعیت مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گئی۔ جناب عثمانؓ کا قصاص لینے والے شامیوں میں سے چالیس ہزار اور عراق اور مصر اور مدینہ کے بیس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

لڑائی بڑھتی جارہی تھی۔ علیؓ خود گھوڑے پر سوار ہوکر فوج کی قیادت فرمارہے تھے۔ مگر معاویہ خیمے میں دبے بیٹھے تھے۔ عمرو بن عاص البتہ مصروف قتال تھے۔ لڑائی کو طول پکڑتے دیکھ کر علیؓ دشمن کی صفیں چیرتے امیر معاویہ کے کیمپ تک پہنچ گئے۔ اور بہت اونچی آواز سے بولے۔

معاویہ! باہر آؤ۔ آؤ تم اور میں آپس میں لڑیں۔ مسلمانوں کو کیوں مرواتے ہو۔ مسلمانوں پر اپنے آپ کو قربان کردو۔

عمرو بن عاص نے معاویہ سے کہا:۔

ہاں علی ٹھیک تو کہتے ہیں۔ میدان میں نکل کر لڑو۔

معاویہ بولے!

جی ہاں آپ چاہتے ہیں میرے بعد حکومت آپ کے قبضہ میں آئے۔ اس لئے کہ آپ جانتے ہیں کہ علیؓ کے مقابلہ میں آج تک جو نکلا۔ بچ کر نہ نکلا۔ علیؓ کی تلوار اس کا سر کاٹ ہی گئی۔

امیر معاویہ خود تو مقابلہ میں نہ آئے۔ البتہ کئی جواں مرد ساتھیوں کو آگے بڑھا دیا۔ اور علیؓ ان کو مارتے کچلتے دوسرے رُخ کی طرف بڑھ

گئے۔ اس دن علیؓ نے خود تلوار چلائی۔

طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے۔ کہ علیؓ کی تلوار کے سامنے جو آیا۔ موت کے دامن میں جا سویا۔

یہ علیؓ کا سب سے بڑا شرف تھا۔ بڑے بڑے جوانمردوں نے علیؓ سے مقابلہ کیا۔ مگر علیؓ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکا۔

اشتر بھی اس جنگ میں بہت ممتاز تھے۔ وہ اور عمار بن یاسر رسول اللہ کے ایک بہت اونچے صحابی دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ عمارؓ تو شہید ہو گئے۔ البتہ اشتر نے دشمن کا قلب الٹ ڈالا۔ عمار کے متعلق مشہور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا۔ تجھے باغی ماریں گے)

شامی فوج میں انتشار پیدا ہونے کو تھا۔ کہ عمرو بن عاص کی دور بین نگاہ بھانپ گئی۔ اور انہوں نے امیر معاویہ سے کہا شکست ہونے کو ہے۔ اپنی فوج سے کہو۔ قرآن نیزوں پر چڑھا کر اوپر اٹھائیں اور ہر طرف سے پکاریں۔

قرآن کا حکم مان لو۔

گویا دوسرے لفظوں میں یہ اعترافِ شکست تھا۔ شامی ہار مان چکے تھے۔ لیکن ہار کو اس پردہ میں چھپانا چاہتے تھے۔

علیؓ کے ساتھ ابن سبائی۔ ابھی تک موجود تھے۔ انہوں نے یہ حال دیکھا تو علیؓ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ انہیں بری طرح گھیر لیا اور تلواریں میان سے نکال کر چلائے

اشتر کو واپسی کا حکم دو۔ ورنہ تمہیں مار ڈالیں گے۔

آہ یہ علیؓ کی نہیں مسلمان قوم کی بدنصیبی تھی کہ علیؓ کو ایسے

ساتھی ملے۔ اشتر واپس بلا لیئے گئے۔ انہوں نے اس واپسی پر بہت افسوس ظاہر کیا۔ مگر وہ وفادار جرنیل تھے۔ خلیفہ کے حکم پر سر نہ اُٹھا سکے گا۔

لڑائی رُک گئی۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس جنگ میں پینسٹھ ہزار مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔

طبری اور ابن خلدون نے شام اور عراق کے معرکوں میں کام آنے والے مسلمانوں کی جو مجموعی تعداد بیان کی ہے۔ اتنے مسلمان اس اس ایک لڑائی میں شہید ہو گئے۔

لڑائی کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ تو حضرت علیؓ نے حکم دیا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کی جائے۔ انہوں نے اپنی فوج اور مقابل فوج دونوں کے زخمیوں کی ایک جیسی دیکھ بھال کی۔ شہدا کو بغیر کسی تمیز کے نماز جنازہ کا مستحق سمجھا۔ اور ایک ساتھ دفنایا۔

شہدا دفنائے جا چکے۔ تو اشعث نے حضرت علیؓ سے درخواست کی۔ امیر معاویہ سے پوچھئے۔ انہوں نے قرآن کو حکم بنانے کا نعرہ کیوں بلند کیا۔ وہ کیا چاہتے ہیں۔ جب امیر معاویہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا۔

آیئے ہم اور آپ قرآن کو حکم بنالیں۔ قرآن کی رو سے ایک ثالث آپ مقرر کر دیجئے۔ اور ایک ثالث ہم مقرر کرتے ہیں۔ دونوں جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہوگا۔

علیؓ کی فوج نے اس رائے کو پسند کیا۔ امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن عاص حکم مقرر کئے گئے۔ اور حضرت علیؓ سے درخواست کی

گئی کہ آپ اپنی طرف سے حکم مقرر کیجئے حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباس کا نام پیش کیا۔ نگران کے عجیب فطرت والے ساتھی چلائے عبداللہ بن عباس تمہارے بھائی ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری کو ثالث بناؤ۔ حضرت علیؓ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری پر اعتماد نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مالک اشتر کا نام پیش کیا۔ نگران کے عجیب وغریب فطرت والے ساتھی چیخے۔ مالک اشتر صحابی نہیں ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری صحابی ہیں۔ حضرت علیؓ جھک گئے۔ اور ابوموسیٰ اشعری ثالث تجویز ہوئے۔

دونوں ثالثوں نے ایک معاہدہ لکھا۔ اور فیصلہ ہوا۔ کہ چھ مہینے کے بعد جو فیصلہ یہ ثالث کریں گے۔ وہ طرفین کو منظور ہوگا۔ طرفین نے یہ اقرار بھی کیا۔ کہ وہ قرآن حکیم کے مطابق چلیں گے۔ دونوں ثالثوں نے بھی قرآن کی پابندی مسلمانوں کو جنگ اور لڑائی سے بچانے کا اقرار کیا۔ اور اس طرح حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں لڑائی بند ہوگئی۔

امیر معاویہ خوش تھے کہ ناکامی سے بچ گئے۔ اور علیؓ رنجیدہ تھے۔ کہ جو موقعہ قدرت نے بخشا تھا وہ بعض فتنہ پرور اور احمق کوفیوں کے باعث ہاتھ سے جاتا رہا۔ مگر یہ فتنہ پرور ابھی مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ وہی لوگ جنہوں نے حضرت علیؓ کو لڑائی بند کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہی اب ان سے جھگڑنے لگے۔ آپ نے لڑائی کیوں بند کی۔ ثالث کیوں تسلیم کرلئے۔ ان میں سے بہت سے ایسے لوگ تھے۔ جنہوں نے حضرت علیؓ پر زور ڈالا

کہ آپ یہیں سے واپس ہو جائیے اور شام پر لشکر کشی فرمائیے۔ حضرت علیؓ ان لوگوں کی تلون مزاجی سے تنگ تھے۔ انہیں سمجھایا جب حکم مان لیا تو بدعہدی جائز نہیں۔

اللہ کی شان حضرت علیؓ کے یہ ساتھی بھی عجیب تھے۔ راہ چلتے ایک دوسرے سے بحث کرتے رہتے۔ کوئی کہتا علیؓ نے حکم مان کر قرآن کی مخالفت کی ہے۔ علیؓ اس قابل نہیں کہ ان کی پیروی کی جائے۔ جھگڑے نے کئی دفعہ لڑائی کی صورت اختیار کر لی حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے انہیں سمجھایا۔ کہ آدمیت سیکھو مگر آدمیت سیکھنے سے بھی کبھی آئی ہے۔ جو ان کو آتی۔

ابھی کوفہ کچھ فاصلے پر تھا۔ کہ بارہ ہزار آدمی الگ ہو گئے۔ اور حروراء کی طرف چل دیئے۔

یہ گروہ بعد میں خوارج کے نام سے مشہور ہوا۔ حروراء میں پہنچ کر ان لوگوں نے اپنا نظام آپ قائم کیا۔ عبداللہ بن الکواء اور شبث بن ربعی سردار مقرر ہوئے۔ اور ان دونوں نے اعلان کیا۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے مطابق نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا ہمارا فرض ہے۔ کوئی خلیفہ یا امیر نہیں نئی حکومت قائم ہونے کے بعد سب مسلمان مل کر اور باہمی مشورہ سے حکومت کا کاروبار انجام دیں گے۔

ان لوگوں کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اور یہ خطرہ قوی ہو گیا تھا۔ کہ کہیں صورت حال مخدوش نہ ہو جائے۔ حضرت علیؓ کے مخبر انہیں دم بہ دم ان لوگوں کی سرگرمیوں سے مطلع کر رہے تھے

جب خطرہ انتہائی صورت اختیار کر گیا تو حضرت علیؓ نے خوارج پر توجہ کی حضرت عبداللہ بن عباس کو ان لوگوں کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے بحث چھیڑ دی۔ ابھی بحث جاری تھی کہ حضرت علیؓ خود بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور ان لوگوں کو راہ پر لانے کی ہر تدبیر کی۔ مگر یہ لوگ راہ پر نہ آئے۔

ثالثی فیصلہ

ادھر خوارج کا فتنہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ کہ چھ مہینے کی مدت گزر گئی اور ثالثی فیصلہ کی متعینہ تاریخ آگئی۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن عباس چار سو آدمیوں کی معیت میں اذرح پہنچے۔ اُدھر سے حضرت عمرو بن عاصؓ بھی چار سو آدمیوں کے ساتھ وہاں گئے۔

باہمی اختلاف کو دُور کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے طرفِ ثانی کی مرضی سے حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت سعد بن وقاص کو مدینہ سے بلا لیا تھا۔ تاکہ وہ بھی اس فیصلہ کو سن سکیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری سیدھے سادے آدمی تھے۔ جناب عمرو بن عاصؓ نے انہیں باتوں میں الجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے جناب ابوموسیٰ اشعری سے دو باتیں منوالیں کہ حضرت عثمان کی شہادت مظلومی کی حالت میں ہوئی۔ اور ان کا قصاص ضروری ہے اور معاویہ چونکہ ان کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ اس لئے وہ قصاص کا مطالبہ

کہنے میں حق بجانب ہیں۔ اس کے بعد خلافت کا مسئلہ چھڑا۔ ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علیؓ کی خوبیاں بیان کیں اور جناب عمرو بن عاصؓ نے جناب امیر معاویہ کے محاسن گنوائے۔ دونوں میں دیر تک بحث ہوتی رہی جب کوئی موافقت کی صورت پیدا نہ ہوئی تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے تجویز پیش کی۔ کہ حضرت علیؓ اور معاویہ کو نظر انداز کر کے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو خلافت پیش کی جائے۔ عبداللہ بن عمرؓ وہیں بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔ جب اپنا نام خلافت کے لئے پیش ہوتے سنا تو سختی سے انکار کر دیا۔ پھر عمرو بن عاصؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کا نام لیا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ تو عمرو بن عاصؓ نے آخری تجویز پیش کی۔ ہم دونوں کو معزول کر دیں۔ اور ملت کو اختیار دے دیں کہ وہ جسے چاہے خلیفہ بنا دے۔ اسی رائے پر دونوں متفق ہو گئے۔ اور طے پایا کہ باہر نکل کر دونوں طرف کے گروہوں میں یہ فیصلہ سنا دیا جائے۔

جب یہ لوگ باہر آئے تو دونوں طرف کے گروہ انتظار میں بیٹھے تھے۔ عمرو بن عاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے درخواست کی۔ آپ اُٹھیے اور فیصلہ سنا دیجئے۔

ابوموسیٰ اشعری اُٹھے اور فیصلہ سنا دیا۔

ہم دونوں اس بات پر متفق ہو گئے ہیں۔ کہ حضرت علی اور جناب امیر معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ اور آپ لوگ جسے چاہیں کثرت رائے سے اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری فیصلہ سنا کر بیٹھے۔ تو عمرو بن عاص

اُٹھے۔ اور مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

آپ لوگوں کے سامنے ابوموسیٰ اشعری رضؓ نے اپنے ساتھی جناب علیؓ کو معزول کر دیا ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔ البتہ میں امیر معاویہ کو معزول نہیں کرتا۔ اور انہیں بحال رکھتا ہوں۔ یہ باہمی معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ اس لئے جوں ہی اس کا اعلان کیا گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے عمرو بن عاص کو بددعا دی کہ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ عبداللہ بن عباس اور شریح بن ہانی بھی سخت پریشان ہوئے۔ شریح نے عمرو بن عاص پر تلوار اٹھائی۔ اور قریب تھا کہ لڑائی شروع ہو جاتی کہ طرفین کے لوگوں نے قابو پا لیا۔

دونوں طرف کے گروہ سخت مشتعل تھے۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ انہیں واپس لے جایا جائے۔ شامی خوش خوش واپس گئے۔ مگر کوفی روتے ہوئے اور ابوموسیٰ اشعری اور حضرت علیؓ کو کوستے ہوئے واپس آئے۔

حضرت علیؓ کو جب یہ فیصلہ سنایا گیا تو انہیں سخت رنج ہوا یہ صریحاً خلاف ورزی تھی یہ دھوکا اور فریب تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ نے معاویہ اور عمرو بن عاص کو بددعا دی۔ اور امیر معاویہ کو جب اس بددعا کا علم ہوا تو انہوں نے بھی بددعا دی۔ اور یہ رسم جاری ہو گئی۔

دو حاکم

اسلامی حکومت اب دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ حضرت علیؓ کے تابع فرمان تھا۔ اور دوسرے پر امیر معاویہؓ قابض تھے امیر معاویہ کے پاس صرف شام کا ملک تھا۔ اور حضرت علیؓ کے پاس ساری اسلامی مملکت تھی۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ شام میں کوئی فتنہ و فساد نہ تھا۔ اور ایران۔ خراسان، عراق، مصر، یمن اور دوسرے ممالک میں فتنہ و فساد کے طوفان اُٹھ رہے تھے۔

خوارج کا استیصال

(خوارج کی قوت دن پر دن بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ حضرت علیؓ کو علانیہ کافر کہنے لگے تھے۔ حضرت علیؓ وعظ کہتے تو یہ بیچ میں بول اُٹھتے۔ حضرت علیؓ نے جب ان پر سختی کی تو وہ نہروان کی طرف چلے گئے۔ بصرہ میں بھی کچھ ایسے ہی لوگ موجود تھے) وہ بھی نہروان جا پہنچے۔ اور ان کی تعداد ہوتے ہوتے پچیس ہزار تک تجاوز کر گئی۔ یہ بڑے خطرہ کی بات تھی۔ لیکن حضرت علیؓ نے شروع میں اس پر کچھ زیادہ توجہ نہ دی۔ ان کے سامنے بڑا مقصد شام پر چڑھائی تھی۔ وہ چڑھائی کی تیاریاں کر رہے تھے کہ انہیں اچانک خبر ملی کہ حضرت عبداللہ بن خباب کو خارجیوں

نے قتل کر دیا ہے حضرت عبداللہ بڑے مقتدر صحابی تھے۔ حضرت علیؓ ان کی شہادت کی خبر سنتے ہی بہت پریشان ہوئے۔ اور انہیں خطرہ ہوا کہ اگر ہماری فوج شام کی طرف بڑھ گئی تو یہ خارجی۔ کوفہ اور بصرہ پر حملہ آور ہو کر سارا نظام درہم برہم کر دیں گے اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اس فتنہ کو دبانے پر توجہ فرمائی۔ انہوں نے پہلے تو ان لوگوں کو لکھا کہ جن لوگوں نے عبداللہ بن خباب کو قتل کیا ہے۔ انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔ اور جب ان کی طرف سے جواب آیا۔ عبداللہ بن خباب کا قتل جائز تھا۔ اور تمہارا قتل بھی جائز ہے۔ تو حضرت علیؓ فوج لے کر ان کی طرف گئے۔ ان کو بہت سمجھایا۔ مگر جب خارجی کسی طرح راہ پر نہ آئے۔ اور لڑائی کی طرح ڈال دی۔ تو حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کر کے حملہ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ مگر ساتھ ہی حضرت ابوایوب انصاریؓ کو امان کا جھنڈا دے کر سامنے کے ٹیلے پر کھڑا کر دیا۔ اور اعلان کرا دیا کہ جو اس جھنڈے تلے جا پہنچے گا۔ اسے امان ملے گی۔ خوارج میں سے کئی آدمی اس جھنڈے تلے جا پہنچے۔ کچھ کوفہ کی طرف نکل گئے۔ اور کچھ بصرہ کی طرف اور جو باقی رہ گئے۔ اُن پر حضرت علیؓ نے حملہ کیا۔ اور انہیں بالکل ختم کر دیا۔

خوارج کا استیصال ہو گیا تو حضرت علیؓ نے شام پر چڑھائی کا حکم دیا۔ مگر کوفہ کے لوگ شام کی طرف جانا نہیں چاہتے تھے اس لئے جب حضرت علیؓ نے فوج کو نخیلہ پر ڈیرے ڈالنے

کا حکم دیا۔ تو بہت سے کوفی گھروں کو بھاگ گئے۔ اور ناچار حضرت علیؓ بھی واپس کوفہ آئے۔ لوگوں کو بہت کچھ سمجھایا۔ شام پر چڑھائی کے مقاصد واضح کئے۔ مگر کوئی بھی ادھر جانے پر تیار نہ ہوا۔ اور شام کی مہم یوں ہی ناتمام رہ گئی۔

سینتیسواں باب

مصر بھی گیا

جس وقت صفین میں لڑائی کے شعلے بھڑک رہے تھے، اس وقت مصر پر حضرت علیؓ کی طرف سے محمد بن ابی بکرؓ گورنر تھے۔ حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ کوفہ کی طرف سے شام پر وہ چڑھائی کریں گے۔ تو مصر کی طرف سے محمد بن ابی بکرؓ حملہ آور ہوں گے مگر مصر کے داخلی حالات نے یہ اسکیم پوری نہ ہونے دی۔

مصر میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ قصاص لینے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے حضرت علیؓ نے مصر کے پہلے گورنر قیس بن سعد کو تاکیدی احکام بھیجے تھے۔ مگر قیسؓ بھی ان

لوگوں سے الجھنا نہ چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ان لوگوں کو چھیڑا نہ جائے۔ تو یہ لوگ آپ ہی آپ راہِ راست پر آجائیں حضرت علیؓ دور بیٹھے تھے۔ انہیں صحیح حالات کا علم نہ تھا۔ قیس بہت بڑے معاملہ فہم اور ماہرِ نفسیات تھے۔ وہ اگر مصر کے گورنر رہتے تو نہ صرف مصر میں کوئی فساد اٹھتا۔ بلکہ قیسؓ اس قابل ہوتے کہ شام پر چڑھائی کے وقت حضرت علیؓ کی خوب مدد کرتے۔ جناب امیر معاویہ کو بھی خطرہ تھا۔ اس لئے انہوں نے قیسؓ کے خلاف غلط افواہیں پھیلائیں۔ اور قیسؓ کو حضرت علیؓ کی نگاہ میں مشتبہ بنا کر مصر کی حکومت سے معزول کرا دیا۔

اگر قیس معزول نہ کئے جاتے۔ تو جنگِ صفین کے نتائج کچھ اور ہوتے مگر قیسؓ معزول کر دئے گئے۔ اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر نے لی۔

محمد بن ابی بکرؓ گو مصر میں جانے پہچانے آدمی تھے۔ لیکن ان میں نہ قیسؓ جیسا تدبر تھا اور نہ ان جیسی جنگی مہارت تھی۔ جہاں قیس صرف سات آدمیوں کے ساتھ کامیاب ہوئے وہاں محمد بن ابی بکرؓ کئی ہزار آدمیوں کے ساتھ بھی ناکام رہے۔ انہوں نے مصر آتے ہی ان لوگوں کو للکارا۔ جو قیسؓ کے زمانہ میں غیر جانبدار تھے اور جنہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس وقت تک خاموش رہیں گے جب تک خلافت کے حالات اطمینان بخش صورت نہیں اختیار کر لیتے۔ باہمی جنگ چھڑ گئی۔ اور اس نے اتنا طول کھینچا کہ صفین کا معرکہ اپنی ساری خونریزیوں کے ساتھ ختم بھی ہو گیا۔ مگر محمد

بن ابی بکرؓ مصر کے مخالفین سے نپٹ نہ سکے۔

جنگِ صفین کے بعد جب حضرت علیؓ نے حالات کا جائزہ لیا تو مصر کی کیفیت بہت مخدوش پائی۔ عبداللہ بن عباس اور دوسرے لوگوں کے مشورہ سے مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنا کر بھیجا۔ مگر نہ جانے موت مالک اشتر کے انتظار میں کب سے بیٹھی تھی۔ وہ ابھی مصر کی راہ میں تھے کہ موت اپنا ہولناک دامن پھیلا کر ان کی طرف بڑھی اور انہیں مصر پہنچنے نہ دیا۔

مالک اشتر کی موت کی خبر حضرت علیؓ کو ملی، تو انہوں نے بہت افسوس سے فرمایا اور محمد بن ابی بکرؓ کو لکھا۔ تم پہلے کی طرح مصر کے گورنر ہو۔

مگر محمد بن ابی بکرؓ کی نا اہلیت مسلم تھی، وہ جب پہلے حالات کو سنوار نہ سکے تھے۔ تو اب کیا کر سکتے تھے۔

اور ادھر جناب امیر معاویہ غافل نہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے فاتح مصر عمرو بن عاص کو چھ ہزار سپاہی دے کر محمد بن ابی بکر کی صلاحیتوں کا امتحان لینے کے لئے بھیجا۔ چھ ہزار سپاہی باہر سے آئے۔ اور چھ ہزار کے قریب سپاہی اندر سے اٹھے۔ محمد بن ابی بکر نے اس صورتِ حال سے حضرت علیؓ کو آگاہ کیا۔ وہاں سے بڑی مشکل کے ساتھ دو ہزار آدمی مصر آسکے۔ یہ دو ہزار جانباز عمرو بن عاصؓ کا مقابلہ کیا کر سکتے تھے۔ انہوں نے انہیں بہت جلد ختم کر ڈالا۔ اور محمد بن ابی بکرؓ کو للکارا کہ میدان میں آئیں۔ محمد بن ابی بکرؓ نہ معاملہ فہم تھے۔ اور نہ مردِ میدان۔ بڑی ذلت کے ساتھ گرفتار ہوئے

مصر کے مخالفوں نے انہیں ذبح کر کے بھس میں بھر دیا۔ اور ان کی لاش کی خوب تشہیر کیا۔

محمد بن ابی بکرؓ نے بوڑھے عثمانؓ کی داڑھی نوچی تھی۔ اس عثمانؓ نے جسے رسول اللہؐ نے عزیز رکھا تھا اور جس سے اپنی دو بیٹیاں بیاہی تھیں۔ عثمانؓ کے حضور میں گستاخی کرنے والے محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھ گو زیادتی کی گئی۔ لیکن قدرت کی انتقامی کارروائی پوری ہو گئی۔

ہمارا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ پر جن لوگوں نے حملہ کیا تھا۔ ان میں سے محمد بن ابی بکرؓ ہی اب تک بچ رہے تھے۔ یہ بھی مارے گئے۔ اور عثمانؓ کی شہادت کا باعث بننے والے گروہ سے یہ صفحہ ارض خالی ہو گیا۔

انجام کار ایسا ہی ہونا تھا حضرت عثمانؓ گو کمزور تھے۔ مگر سچے مسلمان اور بلند پایہ صحابی تھے۔ انہیں مسلمانوں نے اپنا تیسرا خلیفہ منتخب کیا تھا۔ ان میں بڑے اوصاف تھے۔ اگر کمزوری نہ ہوتی۔ تو ان پر کسی شقی کو حملہ آور ہونے کی ہمت نہ ہوتی۔ بہر حال انہوں نے اپنی کمزوری کا صلہ پایا اور جنہوں نے ان پر ظلم کیا۔ ان کو خدا نے سزا دی سا اور نہ جانے ابھی حشر کے میدان میں ان کے ساتھ کیا بیتے گی۔

کچھ دوسری مشکلات

مصر اس طرح ہاتھ سے گیا۔ تو حضرت علیؓ کو بڑا صدمہ پہنچا اور

انہوں نے کوفیوں سے شکایات کی یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا۔ اور ان کی وجہ سے اور بہت کچھ ہونے والا تھا۔ اگر وہ قوی ہوتے تو جناب امیر معاویہ کو زیادہ پھیلنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ اور وہ یمن اور حجاز پر قبضہ نہ کر لیتے۔ یمن میں حضرت علی رضؓ کی طرف سے عبیداللہ بن عباس متعین تھے۔ امیر معاویہ کے ایک سردار بسر بن ارطاط یمن اور حجاز کی طرف بڑھے۔ اور ان دونوں صوبوں پر بڑی آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ یمن کے گورنر عبیداللہ بن عباس رضؓ وہاں سے نکال دیئے گئے اور ان کی جگہ بسر نے لے لی۔

جناب امیر معاویہ نے بصرہ پر بھی لشکر کشی کی عبداللہ حضرمی ایک دستہ لے کر بصرہ پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس وہاں موجود نہ تھے۔ ورنہ وہ اس کی مزاج پرسی کرتے۔ لیکن عبداللہ بن عباس کی غیر موجودگی سے عبداللہ حضرمی نے فائدہ اٹھایا۔ اور بصرہ پر قابض ہو گئے۔

حضرت علی رضؓ کو اس قبضہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے اعین بن ضبیہ کو بھیجا۔ اعین کے ساتھ گو زیادہ فوج نہ تھی۔ لیکن وہ بڑے زیرک اور دانا تھے۔ انہوں نے بڑی ہنر مندی سے کام لے کر عبداللہ حضرمی کو شکست دی۔ عبداللہ حضرمی ان کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور بصرہ پھر حضرت علی رضؓ کے دائرہ اقتدار میں شامل ہو گیا۔

ادھر فارس کے لوگوں کو بھی شوخی سوجھی۔ انہوں نے حضرت علی رضؓ کے گورنر سہیل بن حنیف کو نکال باہر کیا اور فارس پر اپنا عمل دخل شروع کر دیا۔ حضرت علی رضؓ نے زیاد کو ایک فوج دے کر ادھر بھیجا۔

زیاد بہادر آدمی تھے ۔ انہوں نے باغیوں کو خوب جھنجھوڑا اور فارس میں پہلے جیسا امن وامان قائم کر دیا۔

جناب امیر معاویہ کے کئی اور فرستادے عین التمر، مدائن اور انبار کی طرف بڑھے ۔ عین التمر پر قبضہ کر لیا گیا ۔ مگر مدائن اور انبار کو صرف لوٹا ۔ اور جب حضرت علیؓ نے تلوار کی میان پر ہاتھ رکھا ۔ تو امیر معاویہ کے جانباز بھاگ نکلے ۔

عبداللہ بن عباس

اُدھر یہ حال تھا ۔ اِدھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئے ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کے گورنر تھے ۔ بصرہ کے ایک آدمی ابوالاسود نے حضرت ابن عباس کے خلاف حضرت علیؓ کو اطلاع دی کہ انہوں نے بیت المال کی کوئی رقم اجازت کے بغیر صرف کی ہے۔

حضرت علیؓ رشتہ داروں کی کوتاہیوں کو معاف کرنے والے نہ تھے ۔ وہ عمر فاروقؓ کے صحیح جانشین تھے ۔ یہ تو ملت کی بدنصیبی تھی کہ ان کا انتخاب وقت پہ نہ ہوا ۔ ورنہ ملت کے اُفق پر ادبار کی گھٹائیں کبھی نہ چھاتیں ۔ حضرت علیؓ نے یہ اطلاع پائی تو عبداللہ بن عباسؓ سے جواب طلبی کی اور لکھا ۔ یہ رقم تم نے کیوں خرچ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب لکھا ۔ کہ آپ کو غلط اطلاع ملی ہے ۔ جو رقم میں نے خرچ کی ہے ۔ وہ میری ذاتی تھی ۔ بیت المال کی نہ تھی ۔ حضرت علیؓ کے نزدیک بیت المال کی حیثیت بہت زیادہ

تھی۔ انہوں نے فاروق رضؓ کو دیکھا تھا۔ بیت المال کے اونٹوں کے پالان کندھوں پر لٹکائے اُٹھائے پھرتے تھے۔ اس لئے ان کی تسلی اس جواب سے نہ ہوئی۔ اور انہوں نے عبداللہ بن عباسؓ کو لکھا۔ تمہارے پاس یہ روپیہ کہاں سے آیا۔ عبداللہ بن عباس اس بات پر ناراض ہو گئے۔ اور بصرہ سے مکہ معظمہ لوٹ گئے۔ اور حضرت علیؓ کو لکھ دیا۔ مجھے ایسی گورنری کی ضرورت نہیں۔

حضرت علیؓ کو اس باب میں خطا کار نہیں کہا جا سکتا۔ جو کچھ انہوں نے کیا۔ یہ ان کا منصب تھا۔ یہ وہی صورت تھی۔ جو فاروق اکبرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ پیش کی تھی۔ رسول اللہؐ نے جس قسم کی ریاست کی بنا رکھی تھی۔ اس کا تقاضا یہی تھا۔ کہ بیت المال کی ایک ایک رسی پر جواب طلب کیا جائے۔ اور خدا کی قسم علیؓ نے بیت المال کی ایک ایک رسی کی حفاظت اپنی جان سے زیادہ کی۔ اللہ کے اس نیک بندے پر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں۔

اٹھیتسواں باب

آخری وقت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جدائی کا صدمہ ابھی تازہ تھا کہ حضرت عقیلؓ بھی جناب علیؓ سے ناراض ہو گئے۔ عقیلؓ حضرت علیؓ کے سگے بھائی تھے۔ مگر نہ جانے ان کی شکر رنجی کا سبب کیا ہوا۔ وہ بھائی سے کٹ کر شام جا پہنچے اور عمرو بن عاص نے انہیں امیر معاویہؓ کے دامن میں ڈال دیا۔

یہ ایک بڑا صدمہ تھا حضرت علیؓ کو بہت دکھ پہنچا۔ انہوں نے منبر پر چڑھ کر کچھ اس جوشیلے انداز میں تقریریں شروع کیں کہ کوفہ کی فضا لرزنے لگی۔ اور کوفہ کے ساٹھ ہزار آدمیوں نے آگے بڑھ کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ ان کے ساتھ شام جائیں گے۔ اور امیر معاویہ سے ان کی زیادتیوں کا بدلہ

یں گے۔

مگر ادھر یہ تدبیریں ہو رہی تھیں۔ اُدھر ایک بچا کھچا خارجی ابن ملجم زہر میں تلوار بجھا رہا تھا کہ علیؓ کی زندگی کا چراغ گل کر دے۔

ابن ملجم ان خارجیوں میں سے ایک تھا۔ جو نہروان کی جنگ سے بچ نکلے تھے۔ اس نے اپنے دو ساتھیوں۔ برک اور عمرو کے ساتھ مل کر ایک خوفناک سازش کی تھی۔ برک نے امیر معاویہ کو مارنے کا عزم کیا تھا۔ عمرو نے عمرو بن عاص کو اور ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو۔ تینوں نے اس ناپاک کام کے لئے ۱۶ رمضان کی تاریخ مقرر کی۔ برک دمشق پہنچا۔ عمرو۔ مصر۔ اور ابن ملجم کوفہ آیا۔ امیر معاویہ اس وقت صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب برک نے تلوار چلائی۔ امیر معاویہ بچ گئے۔ معمولی زخم آیا۔ برک بھاگا مگر پکڑا گیا۔

اس وقت عمرو نے مصر کی مسجد میں عمرو بن عاص کو تاکا۔ اندھیرا ہر طرف پھیلا تھا۔ عمرو نے امام پر تلوار چلائی۔ امام مارے گئے۔ مگر اس دن عمرو بن عاص امام نہ تھے۔ بیماری کے باعث تشریف نہ لائے تھے۔ ان کی جگہ خارجہ یہ فرض انجام دے رہے تھے۔ کہ شہید ہو گئے۔ اور ادھر کوفہ کی مسجد میں ابن ملجم نے یہی کام کیا۔

رات کے اندھیرے میں نہ جانے یہ ظالم کس وقت مسجد میں آن چھپا۔ اور عین اس وقت جب طلوع سحر کے بعد حضرت علیؓ مسجد کے دروازے میں صبح کی نماز پڑھانے کے لئے داخل ہوئے۔ اس نے ان پر تلوار چلائی۔ تلوار اچٹ گئی۔ ابن ملجم اچکا اور آگے بڑھ کر ایک تلوار آپ کے منہ پر ماری۔ حضرت علیؓ تلوار کا زخم کھاتے

ہی تیور کر گرے مسجد میں ایک شور اُٹھا۔ ابن ملجم اور اس کے ساتھی شبیب اور وردان بھاگے۔ ابن ملجم اور وردان بھاگے۔ ابن ملجم اور وردان تو پکڑے گئے۔ مگر شبیب ہاتھ نہ آیا۔

ابن ملجم گرفتاری کے بعد حضرت علیؓ کے حضور میں لایا گیا۔ تو انہوں نے ابن ملجم سے پوچھا تم نے مجھے کیوں مارا۔ خارجی ابن ملجم نے جواب دیا۔ اس لئے کہ تم فساد برپا کئے تھے۔

علیؓ چپ ہو گئے۔ انہوں نے حکم دیا جس وقت میرا انتقال ہو۔ اس وقت اسے بھی قتل کر دو تاکہ میں اور یہ دونوں اکٹھے خدا کے دربار میں حاضر ہو کر جواب دے سکیں۔ کہ کون حق پر تھا؟

اللہ اللہ عجیب انصاف تھا حسن بیٹے! اس پر صرف تلوار کا ایک ہی وار کرنا جس سے یہ مر جائے۔ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا اور نہ اس کے قتل کو کسی منظم سازش کا نتیجہ سمجھنا۔ صرف اس کو مارنا۔

زخم بہت گہرا تھا۔ ظالم ابن ملجم تلوار کو زہر میں بھگو کر لایا تھا۔ تلوار دماغ تک اتر گئی تھی۔ یہ جمعہ کا دن تھا جب یہ حادثہ پیش آیا۔ لوگ چیختے چلاتے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا ہمیں کس کے سہارے چھوڑ چلے۔ آپ تو تقویٰ اور زہد کی آخری دیوار تھے!

حضرت علیؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔
پھر لوگوں سے پوچھا۔
آپ کے بعد حسنؓ کو خلیفہ بنا لیں۔

فاروق رضؓ کے سچے جانشین علیؓ نے جواب دیا۔
یہ میری خواہش نہیں ۔تم جو بہتر جانو کرنا۔
آخر وقت تھا۔حسنین کو بلایا اور چند باتیں سمجھائیں
میرے بیٹو! (اور محمدؐ عربی کے نواسو)
ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا۔ پرہیزگاری کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔کسی پر ظلم نہ کرنا۔کسی کا حق نہ چھیننا۔دنیاوی چیزوں سے محبت نہ کرنا۔ظالم کو سزا دینا اور مظلوم کے کام آنا۔قرآن پر عمل کرنا۔کبھی جھوٹ نہ بولنا۔اور کسی سے دھوکا نہ کرنا۔
پھر حسنین کو سمجھایا۔محمد بن الحنیفہ اپنے بھائی کے ساتھ محبت کا سلوک کرنا اور محمد بن الحنیفہ کو حکم دیا۔یہ دونوں تمہارے بڑے بھائی ہیں۔ان کا احترام کرنا اور ہمیشہ ساتھ دینا۔
ہفتہ کا دن تھا اور رمضان کی سترہ تاریخ تھی۔جب اس وقت کے عرب کے اس سب سے بڑے بہادر، اس سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ انصاف پسند مسلمان کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی۔
وصال کے بعد امام حسن نے ابن ملجم کو تلوار کے ایک ہی وار میں مار ڈالا۔امام حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔اور کسی ایسی جگہ دفن کر دیا جس کا پتہ آج تک کسی کو نہیں ملا۔حضرت کے مدفن کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ کو ان کے مکان میں دفن کر دیا گیا۔بعض کا خیال ہے کہ آپ کوفہ سے دو میل دور دفن ہوئے۔اور بعض کا بیان ہے حضرت علیؓ کی لاش تابوت میں رکھ

کہ مدینہ لے جا رہے تھے۔ کہ جس اُونٹ پر لدی تھی وہ بھاگ نکلا۔ علیؑ اس دُنیا سے جاتے رہے۔ ان کی لاش کے ساتھ بھی یہی ہوا جو ان کی زندگی میں لوگوں نے ان کے ساتھ کیا۔ حضرت علیؑ کے چودہ بیٹے اور سترہ بیٹیاں تھیں۔ انھوں نے نو نکاح کئے۔ سب سے پہلا نکاح حضرت فاطمہؑ سے ہوا جن سے حسن و حسین۔ زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئے۔

انتیسواں باب

خلافت ختم ہوئی

حضرت علیؓ کی شہادت۔ اس نظام حکومت کی موت تھی۔ جس کا آغاز رسول اللہؐ نے کیا۔ جسے صدیقؓ نے جاری رکھا اور فاروقؓ نے عروج پر پہنچایا۔

فاروقؓ اگر اتنی جلدی شہید نہ کیے جاتے اور ان کی جگہ حضرت عثمانؓ کا انتخاب عمل میں نہ آتا۔ تو اسلامی نظام حکومت پر کبھی زوال نہ آتا۔ فاروقؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کا انتخاب ملت کے لیے تباہی اور بربادی کا باعث بنا۔ اور تسبیح کا وہ رشتہ ٹوٹ گیا جس نے دانے جوڑ لیے تھے۔

حضرت فاروقؓ کے دور میں ابھی فتوحات جاری تھیں۔ نئے نئے ملک اسلامی قلمرو میں شامل ہو رہے تھے۔ حضرت فاروقؓ کی زندگی اگر وفا کرتی تو ایک سال کے اندر اندر۔ قریب قریب وہ ملک فتح ہو جاتے جو حضرت عثمانؓ کے دور میں فتح ہوئے۔

جس سال حضرت فاروقؓ کا وصال ہوا۔ اس سال انہوں نے فتوحات

کا دروازہ آپ ہی آپ بند کر دیا تھا۔ امیر معاویہ نے کئی بار اجازت مانگی کہ فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھائیں مگر فاروق سمجھاتے تھے کہ قلمرو میں مزید وسعت نظم و نسق میں دشواریوں کا موجب ہوگی۔

فاروق رضؓ نے اپنے آخری دور میں۔ عوام کی ضروریات کی تکمیل اور انہیں قابو میں رکھنے کی جو صورتیں اختیار کیں۔ ان پر ابھی پورے طور پر عمل شروع نہیں ہوا تھا۔ کئی چیزیں ادھوری رہ گئی تھیں۔ کوفہ بصرہ مصر اور شام میں جو عرب نئے نئے آباد ہوئے تھے۔ ان میں سے ان لوگوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ جو رسول اللہؐ کے وصال کے بعد ارتداد کی رو میں بہہ گئے تھے۔ ان میں اکثر نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور ان لوگوں کی صحیح تربیت ابھی باقی تھی۔ فوجی ضرورت اگر فوری طور پر پیش نہ آتی۔ تو حضرت فاروق رضؓ ان کی تربیت کا کام سب سے پہلے کرتے۔ حضرت فاروق رضؓ کا ارادہ یہ تھا کہ فتوحات کا سلسلہ ذرا رک جائے۔ تو تمام بڑے مقامات پر تربیت گاہیں قائم کر لیں۔ بڑے صحابیوں کو معلم بنا کر وہاں بھیجیں اور اس طرح اسلام کا پیغام ان لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائے۔

اگرچہ فتوحات نے فرصت نہیں دی۔ پھر بھی حضرت فاروق رضؓ نے چند بڑے صحابہ کو کوفہ، مصر، فلسطین اور شام بھیجا۔ اور انہوں نے عوام کی تعلیم و تربیت کا کام شروع بھی کیا مگر یہ کام تکمیل اور وسعت نہ پا سکا۔ دکھ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے دور میں اس پر توجہ نہیں کی۔ انہوں نے فتوحات کے بند دروازہ کو کھول دیا۔ اور اسلامی فوج کی مصروفیت پھر بڑھ گئی۔

عثمان سیدھے سادے مسلمان تھے، وہ زاہد بھی تھے اور متقی بھی۔ مگر اس وقت کی اسلامی حکومت کے لیے جس تدبر، جس تہور اور جس جانفشانی کی ضرورت تھی اس سے عثمان رضؓ کا دامن خالی تھا۔ اے کاش کبھی ایسا ہوتا کہ ایک عثمان کے انتخاب

کی بجائے۔ علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمن بن اوف، عبداللہ بن عمر اور عثمان پر مشتمل وہ بورڈ جسے انتخاب خلیفہ کا کام سونپا گیا تھا۔ سارے ہی حکومت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ اکیلا ایک آدمی اتنی بڑی اور وسیع قلمرو کا کام نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت فاروق، صدیق اکبر اور خود رسول اللہ کے زمانہ میں گو کوئی بورڈ نامزد نہ تھا۔ مگر عملاً ایسا بورڈ موجود رہا۔ جب رسول اللہ زندہ تھے۔ تو وہ اس بورڈ کے ہیڈ تھے۔ اور صدیق اور فاروق اس کے دو بڑے رکن تھے۔

صدیق خلیفہ بنے۔ تو فاروق، علی، عبدالرحمان بن اوف، طلحہ، زبیر اور سعد انتظامی بورڈ کے سب سے بڑے رکن تھے۔ اور کوئی بات ایسی نہ تھی۔ جو پہلے زیر بحث نہ آتی۔ اور پھر جب فاروق خلافت کی مسند پر بیٹھے۔ علی، عبدالرحمان بن اوف، طلحہ، زبیر، سعد اور عثمان عملی مشیر قرار پائے۔ جب بھی حضرت فاروق نے کوئی اقدام کیا۔ ان بڑے صحابہ سے پوچھے بغیر نہیں کیا۔ یاد ہوگا جب عراق پر بڑی فوج کا وقت آیا تو حضرت فاروق کا ذاتی خیال یہ تھا۔ کہ وہ خود عراق جائیں مگر جب بڑے صحابہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو انہوں نے حضرت فاروق کے ارادہ کی مخالفت کی اور حضرت فاروق نے اپنی رائے بدل دی اور سعد بن وقاص مامور ہوئے۔

حضرت فاروق خود بڑے مدبر، بڑے معاملہ فہم اور مستعد آدمی تھے۔ اس کے باوجود وہ کوئی بات صحابہ کے بورڈ سے پوچھے بغیر نہ کرتے۔

اگر یہ جذبہ اشتراک حضرت عثمان میں باقی رہتا۔ تو ملت پر فتنوں کے دروازے نہ کھلتے۔ حضرت عثمان خود ویسے مدبر نہ تھے جیسے حضرت فاروق رہتے تو بھی کام چلتا جاتا۔ مگر انہوں نے اگر مشیر بھی بنایا تو مروان جیسے فتین کو۔

حضرت عائشہ۔ حضرت سعد، حضرت عمرو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری۔ حضرت

خلیفہ حضرت علی۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم مشیر نہ بنائے گئے اور اگر انہوں نے کبھی گورنروں کے تنزل یا تقرر کے باب میں کوئی مشورہ دیا تو اسے مردان نے رد کرا دیا۔

حضرت عثمان کی سادگی اور رحم دلی سے مردان نے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اور حکومت کا شیرازہ بکھیر دیا۔

بدنصیبی یہ ہوئی کہ حضرت عثمان رض بنو معاویہ میں سے تھے اور بنو معاویہ میں حکومت وسیادت کی خواہش کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ فتح مکہ سے پہلے ابو سفیان مکہ کے سردار اور امیر تھے اور لازمی طور پر ان کی اولاد کے دلوں میں یہ جذبہ موجود تھا کہ وہ حکومت کریں۔ اور یہ جذبہ اس وقت اور زیادہ بڑھ گیا۔ جب عثمان رض کی شہادت کے بعد حضرت علی رض خلیفہ بنے اور انہوں نے عثمان رض کے دور کے سارے گورنرل کو معزول کر دیا۔

عبداللہ ابن ابی سرح۔ ولید بن عقبہ۔ ابن عامر یعلی سعید اور امیر معاویہ۔ سب کے سارے گورنر بنو امیہ کے خاندان میں سے تھے۔ ان میں سے ولید بن عتبہ اور سعید طائیوں کے اصرار پر معزول ہوئے۔ باقی کی معزولی حضرت علی رض کے عہد میں عمل میں آئی۔ اور یہ سب حضرت علی رض کے جانی دشمن بن گئے۔ اور انہوں نے بنو ہاشم کو اپنی نفرتوں اور رقابتوں کا موضوع بنا لیا۔

حضرت عثمان رض کے قصاص کا صحیح جذبہ اگر کسی میں موجود تھا۔ تو وہ حضرت عائشہ، زبیر اور طلحہ رض تھے۔ مگر یہ تینوں علی رض کو مخالف پارٹی بنانے کے لئے تیار نہ تھے۔ ان کی نفرت کا موضوع صرف بلوائی تھے۔ مگر بنو امیہ کے افراد نے اس پاکیزہ خیالی جماعت کا رخ پھیر دیا۔ اور اسے بصرہ کی طرف لے چلے۔

رستہ میں۔ حضرت عائشہ رض پر ان کی غلطی واضح ہو گئی۔ انہیں حضور کی حدیث

یاد آگئی اور وہ رک گئیں - ایک دن اور ایک رات وہ آگے نہیں بڑھیں - مگر مروان سعید اور ابن عامر نے - جھوٹ بولا -

ام المومنین - یہ وادی حوئب نہیں - یہ کوئی اور وادی ہے - اور جب حضرت عائشہ رض نہ مانیں تو رات کے وقت چیخے - علی رض نے حملہ کر دیا - ان کی فوج بھاگم بھاگ ہمارا تعاقب کرتی آ رہی ہے -

حضرت عائشہ عورت تھیں تحقیقات نہ کر سکیں - اور ان کا اونٹ زبردستی آگے بڑھا دیا گیا -

حضرت عائشہ رض زبیر رض اور طلحہ رض کے اخلاص کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب حضرت علی رض نے انہیں قصاص لینے کا یقین دلایا تو وہ ہر مخالفت ترک کرنے پر آمادہ ہو گئے - اور حضرت طلحہ رض اور زبیر رض نے تو قسم کھائی وہ علی رض کے خلاف جنگ نہیں کریں گے - اور ان دونوں نے جنگ نہیں کی - جب دشمنوں نے جنگ چھیڑ دی تو زبیر میدان جنگ سے ہٹ کر کسی وادی میں چلے گئے - اور وہیں کسی بدبخت کے ہاتھوں شہید ہوئے - طلحہ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گئے - لڑائی میں حصہ نہیں لیا - مروان نے یہ حال دیکھ کر ان پر زہر میں بجھے ہوئے تیر چلائے جن سے طلحہ شہادت پا گئے -

بنو امیہ یہاں سے ناکام ہوئے تو امیر معاویہ کے پاس دمشق پہنچے - اور امیر معاویہ نے خلافت کے سب سے بڑے حریف کی شکل اختیار کر لی -

بنیادی غلطی

حضرت علی رض کے خلاف جنگ - آزمائی سب سے بڑی بنیادی غلطی تھی - کہ حضرت علی رض کے خلاف فوج کشی کی گئی - اس بات پر امت کا اجماع ہے - کہ حضرت علی رض

کا انتخاب صحیح تھا۔ وہ اس وقت کے صحابہ میں سب سے زیادہ اہل تھے
حضرت فاروقؓ نے خلافت کے مستحقین کا جو بورڈ بنایا تھا۔ اس میں علی۔ عثمان
عبدالرحمان بن عوف۔ طلحہ اور زبیر اور سعد بن ابی وقاص تھے۔ جب انتخاب
کا وقت آیا اور عبدالرحمان بن اوف نے اپنا نام واپس لے لیا اور مدینہ
کے صحابہ سے بات چیت کی۔ تو علی اور عثمان کے حق میں کثرت رائے
پائی۔ خود علی اور عثمان، کی رائے یہ تھی کہ اگر ان میں سے ایک کو منتخب
کیا جائے۔ تو اس کے بعد دوسرا خلافت کا لازمی مستحق ہے۔ عثمان منتخب
ہوگئے۔ عثمان کی شہادت کے وقت امیدواران خلافت میں سے۔ چار
آدمی زندہ تھے۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد بن وقاص اور علی۔ جب بلوائیوں نے
مدینہ والوں کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق دیا۔ تو زبیر اور طلحہ دستبردار ہوگئے
اور علی کے ہاتھ پر مدینہ کی اکثریت نے بیعت کر لی۔ خود زبیر اور طلحہ
نے بھی ہاتھ بڑھا دیئے۔ جنگ جمل کے بعد۔ زبیر اور طلحہ شہادت
پا گئے۔ اصل امیدواران خلافت میں اب صرف دو آدمی باقی تھے۔
جنہیں اس وقت کے صحابہ میں سب سے فائق۔ خود حضرت فاروقؓ
نے قرار دیا تھا۔ سعد دستبردار ہو کر جنگلوں میں نکل گئے۔ اور ہر بات
سے مونہ موڑ لیا۔

آئینی طور پر علی ہی جائز خلیفہ ہو سکتے تھے۔ امیر معاویہ یا دوسرے
مسلمان گورنروں کی حیثیت ماتحتوں کی تھی۔ اسلام کی طرف سے ان پر
فرض عائد ہوتا تھا۔ کہ وہ خلیفہ وقت کی اطاعت کریں۔ اور اس شخص کو
خلیفہ مان لیں۔ جو سب سے بڑا سب سے متقی اور سب سے اہل شخص تھا
اور جسے خلافت کے مستحق ہونے پر مدینہ کی اکثریت نے خلیفہ بنایا۔ امیر

معاویہ اور ان کے خاندان والوں نے ان کی حکم عدولی کی۔ بغاوت کے مرتکب ہوئے اور اسلام میں بغاوت کرنے والے کے خلاف جنگ ضروری قرار دی گئی ہے۔ خود حضرت صدیقؓ نے ایسے لوگوں کے خلاف خروج کیا اور ان پر تلوار اٹھائی۔ ہر آئینی حکومت کی طرح اسلامی حکومت بھی بغاوت کو گوارا نہیں کر سکتی۔ پھر ایسی بغاوت کو۔ جو قوت اور اسلحہ کے زور پر کی جائے۔

حضرت علیؓ کا تحمل قابل داد ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ کے پاس کئی سفیر بھیجے اور خطوط بھی لکھے کہ حلقۂ اطاعت میں آجائیں۔ مگر ادھر سے ہمیشہ جواب آیا پہلے قصاص دو۔

امیر معاویہ اور ان کے خاندان کو قصاص کا حق یقیناً پہنچتا تھا۔ مگر قصاص لینے کا سب سے زیادہ حقدار خلیفہ وقت تھا۔ یہ کام خلیفہ کے فرائض میں داخل تھا۔ کہ وہ مظلوم اور شہید خلیفہ کا بدلہ لیتے۔ امیر معاویہ اور ان کے خاندان کے لوگ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے۔ کہ حضرت علیؓ کی خدمت میں درخواست پیش کرتے۔ اور درخواست سے پہلے بیعت کرتے۔

انہوں نے بیعت نہیں کی۔ بغاوت کی۔ اور یہ بغاوت اس لئے کی کہ وہ علیؓ کی بجائے خود حکومت چاہتے تھے۔ اور یہ فاسد اور ناپاک جذبہ تھا۔

فوج کشی

حضرت علیؓ کی شام پر فوج کشی بہت ضروری تھی۔ یہ ان پر خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف سے فرض عائد ہوا تھا کہ وہ بغاوت کرنے والوں

کو سزا دیں۔

امیر معاویہ نے اعتراف گناہ کے بجائے صفین کے میدان میں سخت مقابلہ کیا۔ ایک بالکل غلط اور ذاتی مقصد کے لئے مسلمانوں کا خون گردایا۔ اور جب شکست قریب آ گئی۔ تو ایک چال چلی۔ چھ مہینہ کے لئے مہلت مانگی اور ثالثوں پر بات ٹالی۔ گو حضرت علیؓ نہ مہلت دینا چاہتے تھے اور نہ ثالثوں کے تقرر کی ضرورت ہی سمجھتے تھے لیکن حالات سے مجبور ہو کر اس بات پر رضامند ہو گئے۔

چھ مہینے بعد جب ثالثوں نے ایک بات طے کر لی۔ تو امیر معاویہ کے نمائندے نے صریحاً دھوکا دیا۔ اور طے شدہ بات کی مخالفت کر کے اعلان کیا۔ میں معاویہ کو خلافت پر بحال رکھتا ہوں۔ یہ باہمی معاہدہ کے الٹ بات تھی۔ معاہدہ میں یہ طے ہوا تھا۔ کہ دونوں معزول کر دیئے جائیں۔ اگر دونوں معزول کر دیئے جاتے۔ تو انتخاب کا حق پھر مدینہ والوں کو ملتا۔ اور مدینہ والے یقیناً علیؓ کا انتخاب کرتے۔

مورخین اور علمائے حدیث دفقہ اس باب میں متفق ہیں کہ مدینہ کے لوگ ہی خلیفہ منتخب کرنے کے حقدار تھے۔

حضرت عائشہؓ نے اس بات کی تصریح اسی وقت کر دی تھی جب بصرہ کی راہ میں خلافت کا مسئلہ اٹھا۔

مستقل تیمی

اس وقت کے بعد سے امیر معاویہ اور ان کا خاندان حضرت علیؓ

کا مستقل دشمن بن گیا۔ گو امیر معاویہ حضرت علیؓ کی زندگی میں حملہ آور نہیں ہوئے۔ لیکن وہ حملہ کی تیاریاں برابر کرتے رہے۔ انہوں نے بصرہ، یمن، حجاز، مدائن، عین التمر اور انبار پر لشکر کشی کی جو حضرت علیؓ کے زیر تابع تھے۔ اور یہ حملہ اسی نوعیت کا تھا۔ جیسے حملے رسول اللہؐ کے وصال کے بعد باغی قبائل نے مدینہ پر کئے تھے۔

حضرت علیؓ شہادت پا گئے۔ تو امیر معاویہ کوفہ پر حملہ آور ہونے کے لئے شام سے نکلے۔ یہ حملوں کا وقت نہ تھا۔ یہ وقت تھا انتخاب کا۔ اول تو امیر معاویہ جائز خلافت کے باغی ہونے کے باعث خلافت کے مستحق نہیں رہے تھے۔ بہر حال علیؓ کی وفات کے بعد ان کا فرض تھا۔ کہ وہ شام کی حکومت سے مستعفی ہو جاتے۔ اور اسلام کے طریق انتخاب کے ماتحت مدینہ کے لوگوں کو حق دیتے کہ وہ خلیفہ کا انتخاب کریں۔

سچ پوچھا جائے۔ تو اس وقت اگر خلافت کا انتخاب ہوتا تو اس کے جائز امیدوار حسب ذیل لوگ ہو سکتے تھے۔

سعد بن ابی وقاص عبد اللہ بن عمر۔ عبد اللہ بن زبیر۔ حسن۔ حسین اور عبد اللہ بن عباس۔ اگر کسی اور کا نام بھی پیش کیا جاتا۔ تو مدینہ کے لوگ یقیناً اس پر بھی غور کرتے۔

حسن اور معاویہ

مگر ایسا نہیں ہوا۔ امیر معاویہ۔ امام حسنؓ کو حریف بنا کر ان پر حملہ آور ہوئے گو حسن کے ہاتھ پر کوفہ کے لوگوں نے امامت کی بیعت کر لی تھی۔ مگر وہ

خود امامت نہیں چاہتے تھے۔ اُنہوں نے جو بیعت کی تھی۔ اس کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ امامت کا منصب نہیں چاہتے۔

امیر معاویہ نے ان کے مقدمۃ الجیش کا محاصرہ کر لیا اور حسن کے پاس آدمی بھیجے مجھے امیر مان لو۔

امام حسن نے انہیں چند شرائط کے بعد امیر مان لیا۔ اور حکومت ان کے سپرد کر دی۔ حضرت حسین نے مخالفت بھی کی مگر حسن نہ مانے فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے۔ ایک خاندان میں نبوت اور حکومت نہیں رہ سکتی۔

امام حسنؓ کا یہ معاہدہ، حسنؓ اور امیر معاویہ کا معاہدہ ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں حکومت کا حق دار تھا یا نہ تھا۔ میں اس حق سے باز آیا اور اپنا حق امیر معاویہ کو سونپا۔

گویا دوسرے لفظوں میں۔ انہوں نے اپنا وہ ذاتی حق جو انہیں اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بنا پر خلیفہ کے انتخاب میں حصہ لینے کے لئے تھا امیر معاویہ کو دے دیا۔ اور امیدواران خلافت میں سے اپنا نام خارج کر لیا۔

اس معاہدہ کے بعد امیر معاویہ کا فرض تھا کہ وہ خود بھی حکومت سے دستبردار ہو جاتے۔ اور مدینہ والوں کو بھی اجازت دیتے کہ وہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسلامی طریق انتخاب کو قطعی نظر انداز کر کے قوت بازو کے بل پر حکومت تسلیم کرائی گئی۔ اس لئے علمائے امت اور مورخین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے۔ کہ امیر معاویہ نے جس حکومت کی بنا رکھی۔ یہ شخصی حکومت تھی۔ یہ اس جمہوری نظام کے تابع نہ تھی۔ جو رسول اللہ نے اپنا جانشین منتخب نہ کر کے

رد نہ کرنا چاہا۔

دوسرا حصہ ختم ہوا

تیسرے حصہ میں بنو امیہ کی شخصی حکومت کا ذکر ہوگا۔

رشید اختر ندوی

گوجرانوالہ ۲۷ مئی ۱۹۴۵ء

طلوعِ اسلام

دوسرا حصّہ

رشید اختر ندوی

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور